اِنَّ اللہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف ویلور

دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سالنامہ ۱۴۳۳ھ | م2012ء | شمارہ نمبر ۵۱



اللطیف ویلور



بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰحضرت مولانا مولوی

ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور۔

مولانا مولوی

ابو صالح عماد الدّین سیّد شاہ محمّد ناصر قادری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ میراں پاشاہ

مدیر موسس

حضرت اقدس مولانا مولوی

ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء، ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ م ۱ جولائی 2012ء بروز اتوار

سرپرست

مولانا مولوی ڈاکٹر **ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری**

یم،اے،پی،ایچ،ڈی،

ناظم دار العلوم لطیفیہ۔حضرت مکان۔ویلور

معاون

سید شاہ محمد طاہر قادری

مدیرانِ مسئول

حضرت مولانا مولوی **پی، محمد ابوبکر ملیباری** لطیفی قمری

مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور۔

مولانا مولوی حافظ ڈاکٹر **ابو النعمان بشیر الحق قریشی** یم،اے،پی،ایچ،ڈی؛

مدرس دار العلوم لطیفیہ۔ویلور۔

نمائندگان طلباء

۱	حافظ عرفان	وانم باڑی
۲	حافظ عمران	ہسور
۳	حافظ شاہ باز خان	بنگلور
۴	حافظ سمیر علی خان	بنگلور
۵	محبوب رضا	بی کتہ کٹہ
۶	محمد نظام الدین	ویلور

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف ویلور ۱۴۳۳ھ مطابق 2012ء

مناجاتِ قربی رح

پیشکش:
سید شاہ محمد طاہر قادری

قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی علیہ الرحمہ (۱۱۱۸ھ ۱۱۸۲ھ) نے اپنی زندگی میں اپنا دیوان ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں مرتب کیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۳۴ سال تھی۔

آپ کے دیوان میں پہلے حمد ہے پھر نعت ہے۔ اسکے بعد ۸۸ غزلیات ہیں، ابیات تقریباً ۱۹۷۶ ہیں۔ دیوان مناجات اور دعا پر اختتام پذیر ہے۔ حضرت قربیؒ کا کلام آپ کے دیوان سے ترتیب وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش ہے۔

اسم مطلق کر ظہور اسما ہوا — کر یقیں اوچین سب اشیا ہوا
اسم کوں عینِ مسمّٰی بول توں — او مسمّٰی عینِ کل اسما ہوا
یونہی نکتہ عشق کا بوجے گا او — جس کے دل میں عشق کا ماوا ہوا
جو زباں سوں بولتا سو اسم ہے — جسم و جاں ہور صورت و معنیٰ ہوا
ملتجی ہور ملتجا او اسم میں — اسمِ حق کا اسمِ حق ملجا ہوا
آسماں او ابر او اوہی زمین — خاک و آب و آتش بارا ہوا
ذکر کر ایسا کہ سب مجنون کہیں — یو خبر ہے اس ہ یو فوی ہوا

اسم مطلق کا کیا قربیؔ بیاں
پاوے گا یوں رمز جو دانا ہوا

رُباعیاتِ امجدؔ

حضرت امجدؔ حیدرآبادی

حضرت امجد حیدرآبادی علیہ الرحمہ رباعیات کی دنیا میں اپنی ایک مستقل اور جداگانہ شناخت رکھتے ہیں ان کی رباعیات میں تصوف کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ حضرات صوفی منش امجد کے کلام کو جرزجان سمجھتے ہیں۔

اہل دل حضرات کی خدمت میں رباعیات امجد حصہ اول مطبوعہ ۱۳۸۸ھ کے نسخہ سے چار رباعیات پیش ہیں۔

واعلمو ان الله يحول بين المرء وقلبه

(خوب سمجھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے)

کچھ اپنا پتہ اس نے بتایا تو نہیں
اب تک اس کا سراغ پایا تو نہیں
ملتی ہوئی ہے دل کی کھٹک آہٹ سے
دیکھو دیکھو کہیں وہ آیا تو نہیں

وافوض امری الی الله

(تم دعا کرو میں قبول کرتا ہوں)

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے
اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے
طوفان میں ہے کشتیٔ امید مری
لے تو ہی سنبھال ہاتھ اٹھایا میں نے

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ادعونی استجبلکم

(تم دعا کرو میں قبول کرتا ہوں)

ہردم اس کی عنایت تازہ ہے
اس کی رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہو کھٹکھٹائے جاؤ
یہ دستِ دُعا خدا کا دروازہ ہے

ربنا ولا تحملنا مالاطاقة لنا به

(اے رب ہم پر بوجھ مت لاد، ہم میں بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں ہے)

ہر گام پہ چکرا کے گرا جاتا ہوں
نقشِ کفِ پا بن کے مٹا جاتا ہوں
تُو بھی تو سنبھال میرے دینے والے!
میں بارِ امانت میں دبا جاتا ہوں

افتتاحیہ

ادارہ

خالق کائنات نے اپنی ساری مخلوقات میں انسان کو اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا، اور اسی کے سر پر تاج کرامت وفضیلت رکھا، اور اسی کو عقل وخرد، فہم وشعور اور فراست کی دولت بخشی، اور اسی کو اپنے کلام وپیام کا مخاطب قرار دیا، اور اسی کو اپنے احکامات اور فرمودات کا مکلّف اور پابند سمجھا، اور انسانوں ہی میں سے بعض کو اس لئے منتخب اور مقرر فرمایا کہ ان کے ذریعہ دوسرے انسانوں تک اپنا پیغام پہنچا سکے۔ ان میں سے بعض کو نبی اور بعض کو رسول مقرر فرمایا، ان پر کتابیں اور صحیفے نازل فرمایا، پچھلی کتابوں کی تجدید فرمائی۔ اس سلسلہ کی شروعات سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، روئے زمین پر ان کی نسل پھیلتی چلی گئی۔ زمین پر انسانوں کی بستیاں اور آبادیاں وجود میں آنے لگیں، اور ان میں قبیلے اور شاخیں اور مختلف زبانیں وجود میں آگئیں، پھر قومیں اور مملکتیں بنتی چلی گئیں، رشد وہدایت کا یہ سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام کی ذات اقدس سے شروع ہوا تھا وہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات پر مکمل اور منتہی ہوگیا۔ اس زرین سلسلہ سے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ جڑے رہے۔ جنہوں نے خدا کا پیغام اسکے بندوں تک پہنچایا، سیدنا عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی حضرات کرام پیغام رسانی کی خدمت پر مامور اور متعین رہے انہوں نے اپنے وقت، اپنے ماحول، اپنے حالات اور اپنی ضروریات کے زیر اثر انسانوں کی رہبری فرمائی، اسی سبب سے ان حضرات کرام کی تعلیمات میں اتنی وسعت وجامعیت نہ تھی کہ وہ صبح قیامت تک آنے والے انسانوں کے مختلف طبقات اور

ان کے مختلف احوال وظروف میں رہنمائی اور رہبری کر سکے، جس کی وجہ سے عالم گیر اور دائمی رشد وہدایت کے لئے ایک آفاقی ہدایت نامہ کی ضرورت تھی۔اسی طرح ایک ایسے داعی ومبلغ اور شارع کی ضرورت تھی جسکی تشریعی وضاحتیں اور الہامی صراحتیں رہتی دنیا تک سارے انسانوں کے لئے رشد وہدایت کا سامان فراہم کر سکے، اس عظیم و ہمہ گیر اور دائمی آفاقی دعوت کے لئے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل ومثال شخصیت کا انتخاب فرمایا اور آپ ﷺ پر عالم گیر اور دائمی ہدایت نامہ نازل فرمایا جس کو قرآن اور فرقان کا نام دیا اور قرآن اور صاحب قرآن کی زندگی کی حفاظت وصیانت کا ایک عجیب وغریب غیبی وقدرتی نظم ونسق قائم کیا جسکی وجہ سے قرآن کریم کا ایک ایک حرف محفوظ رہ گیا اور صاحب قرآن کی زندگی کے سارے اوراق محفوظ رہ گئے۔قرآن اور سیرت محمدی کو انسانوں کی زندگی میں نسلاً بعد نسلاً منتقل فرمایا تو کتابوں میں الفاظ وحروف کی شکل میں محفوظ کر دیا، اس سے پہلے کسی صحیفہ آسمانی اور اسکے حامل وداعی کے لئے ایسا نظم ونسق قائم نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے حضرات انبیاء مبعوث ہوئے ان کی تعلیمات اور سیرتیں محفوظ نہ رہ سکیں، منصب نبوت کے حاملین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ رہی کہ ان پر نازل ہونے والی کتاب توراۃ میں کسی قدر وسعت اور تاریخیت ہے اور اس میں تشریعی پہلو بھی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تو اسی لئے ہوئی تھی کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے راہ گم کردہ لوگوں کو راہ راست پر لا سکیں اور آپ دوسرے انسانی گروہوں اور جماعتوں کی رہبری اور رہنمائی کے پابند اور مکلّف نہ تھے اور نہ ہی آپ پر نازل ہونے والی کتاب مقدس انجیل نے تمام بنی نوع انسان کو اپنا مخاطب سمجھا، حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھا لے جانے کے بعد دنیا تاریکی کے لپیٹ میں آگئی، اور چار پانچ صدیاں بیت گئیں، اسکے بعد سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہوئی۔آپ کی بعثت سے ایک دور کا خاتمہ ہوا جسے جاہلیت کا دور قرار دیا گیا ہے، اور ایک دور کا آغاز ہوا جسے بجا طور پر علم کا دور کہا جا سکتا ہے۔آپ ہی کے قدوم برکت لزوم کا نتیجہ تھا کہ دنیا میں علم وسائنس، تحقیق وتفتیش، تدبر وتفکر اور مشاہدہ ومطالعہ کی شروعات ہوئی، آپؐ کے آنے سے پہلے روایت و حکایت، نقل وسماعت اور ضعیف وسقیم باتوں کو علم کا درجہ حاصل تھا۔آپ کے آنے کے بعد دنیائے علم جگمگا اٹھی، پیغام محمدیؐ کا آغاز ہی علم اور قلم سے ہوا اور آپؐ نے تعلیم کو انسانی زندگی کا جز لاینفک قرار دیا اور یہ صدا بلند فرمائی کہ گود سے لے کر گور تک تعلیم حاصل کرو اور علم جہاں بھی ملے وہاں پہنچو اور اسے اس جذبہ کے ساتھ حاصل کرو کہ یہ تمہاری ہی گم شدہ متاع ہے اور اسے حاصل کرنا تمہارا ہی حق ہے۔ان ہدایات کی وجہ سے پہلی مرتبہ انسان تعلیم وتعلم کے میدان میں قدم رکھا پھر اسکے قدم آگے بڑھتے ہی چلے۔

آپکی آمد سے علم کی دنیا نے ایک کروٹ لی جس میں روایت کے ساتھ درایت، نقل کے ساتھ عقل، سماعت کے ساتھ تحقیق، تحفیظ کے ساتھ تحریر اور تقلید کے ساتھ اجتہاد نے سر اٹھایا۔

آپ کی آمد سے قبل کسی آسمانی کتاب کے ساتھ تحفیظ وتحریر کا وہ نظام وجود میں نہیں آیا جو نظام قرآن کریم کے ساتھ قائم ہوا۔ چنانچہ قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ اسکے حفظ کا نظام قائم ہوا اور ہزاروں سینوں میں محفوظ ہوتا چلا گیا ایسی روایت کسی آسمانی صحیفہ کے ساتھ قائم نہ ہوسکی۔

قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ اسکی ساری آیتیں، ضبط تحریر میں آتی چلی گئیں، ایک آیت بھی بغیر کتابت کے نہ رہی، اور صاحب قرآن کی زندگی ہی میں مکمل قرآن کی کتابت ہوچکی، اسکے برعکس کسی پیغمبر کی زندگی میں اس پر نازل ہونے والی کتاب کی نہ مکمل تدوین ہوئی اور نہ ہی وہ مکمل تحریر کی قید میں آئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں وحی قرآن کی تدوین وتحریر کے لئے کاتبوں کو مقرر فرمایا تھا جب بھی آپ پر قرآن کی آیت یا کئی آیات نازل ہوتیں تو آپ مسلمانوں کے سامنے تلاوت فرماتے اور کاتباں وحی کو وہ آیات لکھنے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ فلاں آیت کے بعد فلاں آیت اور فلاں سورۃ کے بعد فلاں سورۃ تحریر کریں۔ ان کاتبوں کے علاوہ بعض دوسرے مسلمان بھی اپنے نزدیک قرآن کا نسخہ محفوظ رکھنے کے لئے وہ بھی کتابت کرلیا کرتے تھے، اور مسلمانوں کی اکثریت آیات نازل ہوتے ہی ان کو حفظ کرلیتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تمام آیات قرآنی مدون ہوچکی تھیں اور بہت سارے مسلمانوں نے پورے قرآن کو حفظ کرلیا تھا۔ کاتبان وحی میں سے ہر ایک کاتب کے نزدیک اپنی تحریر کا مجموعہ تھا اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اور بعض مسلمانوں کے گھروں میں بھی قرآن کا مجموعہ تھا۔ لیکن یہ تمام تدوین شدہ اور تحریر کردہ سرمایہ کتابت ایک مصحف کی شکل میں نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں قرآن کا ایک مجموعہ تیار کرلیا گیا۔ کاتبان وحی کے تمام مجموعوں کو متفرق مسلمانوں کے پاس موجود مجموعوں سے باہم مقابلہ کیا۔ اس طرح سے جمع شدہ تدوین کو مکمل کیا گیا اور یہ تمام کارروائی مہاجرین وانصار اور تمام مسلمانوں کے علم اور ان کی حاضری میں ہوئی اور یہ تیار شدہ مجموعہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا، آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا، حضرت عمر کی شہادت کے بعد حضرت حفصہؓ کی حفاظت میں رہا، حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس سے یہ مجموعہ منگوالیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ کرام سے اسکی متعدد نقلیں کروائیں تاکہ تمام شہروں میں اس کے نسخے پھیلا دئے جائیں اور مسلمانوں کو قرآن کی

طرف رجوع کرنے میں سہولت پیدا ہوجائے اور اختلاف لہجات کی وجہ سے کوئی فتنہ واقع نہ ہو۔ان تیار شدہ نسخوں میں سے حضرت عثمان نے اپنے پاس ایک رکھ لیا۔اور باقی مدینہ منورہ،کوفہ،بصرہ اور دمشق روانہ کئے گئے۔جہاں یہ نسخے جامع مسجد میں رکھ دئے گئے اور مسلمان وہاں جا کر حفظ کر لیتے اور بغیر تغیر وتبدیل کے اس سے نقل کر لیتے۔

اس عمل کا دائمی اثر یہ ہوا کہ قرآن کتابت اور حفظ کے لحاظ سے متواتر طریقہ پر نقل ہوتا رہا اور تمام آیات متواتر ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہوگئیں اور مسلمانوں کو اسکی روایت اور راویوں کے اسانید کے معاملہ میں جستجو کی ضرورت نہ رہی۔اور اسی وجہ سے قرآن میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا۔

اس طرح خود بخود قرآن کی حفاظت وصیانت کا نظم ونسق قائم ہوگیا اور وہ تحریف اور تبدیلی سے محفوظ ہوگیا اور وحی محمدی ﷺ قیامت تک کے لئے ایک ایسی کتاب کی صورت اختیار کر گئی جو غیر متبدل اور غیر تنسیخ بن گئی،کتابت واشاعت کی دنیا میں جب ایک انقلاب پیدا ہو گیا تو پریس کی حیرت انگیز ترقیات نے حفاظت قرآن کی نئی نئی راہیں ہموار کردیں اور لا یاتیه الباطل من بين يديه ولا من خلفه (قرآن میں باطل کی آمیزش کسی جہت سے نہ ہوگی) اور انا له لحفظون (ہم خود اسکی حفاظت کریں گے) کی تفسیر نمایاں ہوگئی،یہ اعزاز قرآن کے سوا کسی آسمانی کتاب کو مل نہ سکا۔

آسمانی کتابوں میں قرآن کریم کی ایک ممتاز اور جداگانہ صفت یہ ہے کہ وہ مختلف علوم اور فنون کا سرچشمہ ہے اور اسے بجا طور پر ام القرآن کہا جا سکتا ہے۔بہت سارے علوم وفنون ایسے ہیں جن کا تعلق قرآن کریم سے براہ راست ہے یا بالواسطہ ہے،اور اسکی ایک معجزانہ علمی وفنی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے نزول کے بعد آنے والے ادوار میں پیدا ہونے والے علوم وفنون کا رشتہ کسی نہ کسی حیثیت سے قائم نظر آتا ہے۔ اسلامی علوم وفنون میں مثلاً تفسیر ،اصول تفسیر، تاویل،قرأت،صرف،نحو،معانی،بیان،بدیع،عروض،شعر،ادب،حکمت،حدیث،اصول حدیث،اسماء رجال،فقہ،اصول فقہ،فرائض،میراث،خواب،تعبیرات خواب،تصوف،تزکیہ،اخلاق وغیرہ قرآن سے مربوط ہیں اور اسی طرح طبعیات، نباتات، جمادات،حیوانات،حیاتیات،اقتصادیات،سیاسیات،تجاریات،طبیات،سائنسیات،آلات،آثاریات وغیرہ بھی قرآن سے منسلک نظر آتے ہیں۔

مستقبل میں دنیا نہ معلوم اور کن کن علوم وفنون سے آشنا ہوجائے ان کے تعلق سے بھی قرآن میں اشارات کی تائید اس آیت طیبہ میں موجود ہے۔ سنريهم اياتنا فى الافاق وفى انفسهم حتّى يتبين لهم ان الحق ۔ہم عن قریب انہیں اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھادیں گے،یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ وہی حق ہے۔

قرآن کا ایک اہم ترین پہلو عبرت و نصیحت اور تذکیر و تفکیر ہے، اور ہر صاحب ایمان کو اللہ نے قرآن میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور بے شمار آیات تدبر و تفکر اور عقل و شعور، فہم و فراست اور مطالعہ و مشاہدہ سے متعلق آئی ہوئی ہیں اور جو لوگ قرآن کی آیتوں میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے انہیں چوپایوں کے مثل قرار دیا گیا ہے۔ اولئك كالانعام۔

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر مسلمان اپنی زندگی اور اپنے تذکرہ کو پڑھ سکتا ہے اسکی صورت یہ ہے کہ آدمی جب قرآن کی تلاوت کرے تو اسکے معانی اور مطالب پر غور کرتا چلا جائے اور جن آیتوں میں بداخلاقیوں، گناہوں اور برے اعمال کا ذکر ہے تو وہاں کچھ دیر اور وقفہ کے لئے رُک جائے اور اپنی زندگی کے حالات اور اپنے اعمال پر غور و فکر کرے اور یہ تصور کرے کہ یہ بداخلاقیاں اور یہ گناہ میری زندگی میں تو شامل نہیں ہیں۔

اور جن آیتوں میں اوصاف جمیلہ اور صفات حسنہ اور عادات طیبہ کا ذکر ملتا ہے تو وہاں اپنی تلاوت روک کر یہ خیال کرے کہ یہ عادتیں اور خصلتیں میری سیرت میں موجود ہیں یا نہیں؟

اور جن آیتوں میں نیک کاموں کے کرنے کا حکم موجود ہے تو یہ خیال کرے کہ وہ ان کاموں کو انجام دے رہا ہے یا نہیں، اور جن آیتوں میں برے کاموں سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے تو وہاں غور کرے کہ کہیں وہ ان برے کاموں کا مرتکب تو نہیں ہے۔

اس طرح قرآن کریم کی تلاوت تدبر اور تفکر کے ساتھ کی جائے تو آدمی کو احساس ہو جائے گا کہ ان آیتوں میں میرا کردار چھپا ہوا ہے اور اسے معلوم ہو جائیگا کہ وہ نیکوکاروں کی صف میں ہے یا بدکاروں کی جماعت میں ہے اور وہ اخلاق فاضلہ سے متصف ہے یا اخلاق رذیلہ سے متصف ہے اور اسکی زندگی کا کارواں صحیح سمت میں رواں دواں ہے یا غلط سمت میں آگے بڑھ رہا ہے۔

اور تلاوت کے اس نہج اور طریقہ سے آدمی کو تزکیہ نفس، تطہیر قلب، اور تصفیہ روح کی نعمت و دولت حاصل ہو جائے گی جو تلاوت کا بہترین ثمرہ ہے۔

حضرت قطب ویلور نے اپنے فارسی مکتوبات میں لکھا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اسکے معانی و مطالب میں غور و فکر کے ساتھ کی جائے تو یہ بہترین عبادت اور بہترین نیکی ہے، صحابہ کرام کا سلوک قرآن ہی سے طے ہوا اور اسی کے ذریعہ سے ان کے قلوب کا تزکیہ ہوا۔

ایک مشہور تابعی احنف بن قیس ہیں، وہ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان سے قریب ایک صاحب

قدرے بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے۔ لقد انزلنا الیکم کتابافیه ذکرکم افلا تعقلون (بے شک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے) کی آیت پر قاری صاحب پہنچے تو حضرت احنف بن قیس کے کان کھڑے ہوگئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ قرآن میں ہمارا ذکر ہے، لہٰذا مجھے اپنا تذکرہ قرآن میں دیکھ لینا چاہئے کہ کس طرح میرا ذکر موجود ہے۔

اس خیال اور ارادہ کے تحت انہوں نے قرآن کی تلاوت شروع کی، مختلف آیات پڑھتے جاتے تھے اور ان میں غور کرتے جاتے تھے اور ان آیتوں کی روشنی میں اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہے اور اپنے اعمال کو ذہن میں لاتے رہے، یہاں تک ان کی نگاہیں اس آیت کریمہ پر جم گئیں۔

واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحا واخرسیأً (اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انہوں نے کچھ نیک عمل اور دوسرے برے کاموں کو ملا جلا دیا ہے)

تلاوت موقوف کردی اور فرمایا اسی آیت میں میرا تذکرہ ہے اور میرا شمار بھی ایسے لوگوں میں ہے جن کا ذکر اس آیت میں آیا ہوا ہے، بلاشبہ مجھ سے گناہ ہوئے اسکا مجھے اعتراف ہے اور مجھ سے نیک کام بھی ہوئے اور برے کام بھی۔ اس مقام پر قرآن کریم کی اس آیت طیبہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے آگے کیا بھیجا ہے ولتنظر نفس ماقدمت لغد (الحشر) اس طرز فکر اور عمل کو محاسبہ کہا گیا ہے جسکی تلقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ حاسبو اقبل ان تحاسبکم، قیامت میں تمہارا حساب لینے سے پہلے تم خود ہی اپنا حساب لے لو۔

قرآن کریم میں مختلف لوگوں کے احوال اور احکام کی آیات کا مطالعہ غور وفکر کے ساتھ کریں تو ہم پر یہ حقیقت آشکار ہوجائے گی ہمارا شمار کس زمرہ میں ہے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوجائے گی، ہماری نیکیاں کیا ہیں اور برائیاں کیا ہیں اور ہمارا زاد آخرت کس قسم کا تیار ہو رہا ہے، اس سے اصلاح نفس اور اچھے اعمال کی ترغیب حاصل ہوگی۔

حاصل کلام! قرآن کے متعدد پہلوؤں میں سے ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے دامن میں ہر صاحب ایمان کی زندگی کو چھپائے رکھا ہے، اگر کوئی شخص قرآن کی آیتوں میں اپنی زندگی تلاش کرے تو یقیناً اسکی زندگی کی جھلکیاں صاف صاف نظر آسکتی ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن کی تلاوت تدبر وتفکر کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین واٰلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین

روئداد دارالعلوم لطیفیہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی استعمال فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ٹوپی استعمال فرماتے تھے سفر میں ہو یا گھر ٹوپی کے بغیر نہیں رہتے تھے۔

ٹوپی ہی ایسا لباس ہے جسے مہر زمانے میں عزت و بزرگی حاصل رہی ہے، اور آج بھی جتنی عزت و بزرگی اسے حاصل ہے کسی دوسرے لباس کو حاصل نہیں ہے۔ اسکی اہمیت و شرافت کا سب سے بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ ہر زمانے اور ہر ملک میں اسکی عزت و توقیر کی گئی اور ادیان عالم میں اسے بنیادی حیثیت حاصل رہی اور آج تک اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی شمالی ہند میں ایک مثل مشہور ہے دوست کی نظر ٹوپی پر اور دشمن کی نظر جوتے پر ہوتی ہے، یعنی دوست تو دوست کی عزت کا خواہشمند ہوتا ہے، اسلئے سب سے عزت دار چیز ٹوپی مثال میں لائی گئی اور دشمن چونکہ ذلت چاہتا ہے اسلئے جوتے سے مثال دی گئی۔ اپنی اسی عزت و اہمیت کی وجہ سے یہ ہر زمانہ اور ہر ملک کی فوج اور پولس کا لازمی حصہ ہے اور بغیر ٹوپی کے فوجی لباس نامکمل ہے معمولی سپاہی ہو یا اعلیٰ عہدیدار ٹوپی سب کے لئے بہت ہی ضروری ہے۔

آغاز سال نو مورخہ ۱۱ شوال ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۰ ماہ ستمبر 2011ء کو ہوا۔

دورۂ حدیث مورخہ ۲۵ شوال ۱۴۳۱ھ بروز دوشنبہ صبح ٹھیک دس بجے دارالعلوم کے ہال میں ہوا جسکی صدارت ڈاکٹر مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری مدظلہ العالی ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے کی صحیح البخاری و صحیح المسلم کا آغاز ہوا اور ناظم موصوف کی دعاؤں کے ساتھ یہ مجلس بحسن خوبی انجام پایا۔

افتتاحی اجلاس مورخہ 16 اکتوبر 2011ء بروز اتوار دوپہر ۳ بجے بزیر صدارت مولانا ڈاکٹر

ابومحمد سید شاہ محمد عثمان قادری صاحب زید مجدہ ناظم دارالعلوم لطیفیہ منعقد ہوا۔

اس جلسے میں خصوصی مہمان کی حیثیت سے حضرت مولانا مولوی سید نیاز احمد جمالی پرنسپال جمالیہ عربک کالج مدراس اور حضرت مولانا مولوی شیخ رفیع احمد لطیفی زید مجدہما تھے، جنہوں نے طلباء سے خطاب فرمایا اور ان کے حوصلے بلند فرمائے۔

مولانا نیاز احمد جمالی صاحب عربی زبان میں طلباء سے خطاب فرمایا موصوف نے کہا کہ اساتذہ کرام کی عزت و تعظیم کریں کسی حال میں ان کی دل شکنی نہ ہو ان کے محنت و کوشش کی قدر کریں اور علم حاصل کریں اس طرح اردو زبان میں شیخ رفیع احمد صاحب طلباء سے خطاب فرمایا اور کہا سب سے پہلے تم نیت درست کرلو بخاری شریف کا آغاز ہی انما الاعمال بالنیات ہے نیت ٹھیک رہی تو تمہیں خوب علم حاصل ہوسکتا ہے۔ اسکے صدر جلسہ کی دعاؤں پر یہ اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

نوید مسرت بحمدللہ امسال بھی یونیورسٹی کے مختلف امتحانات میں طلباء شریک اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

امتحانات اساتذہ کرام کی زیرنگران ششماہی و سالانہ امتحانات، ششماہی امتحانات مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۶ اکتوبر 2011ء ہوئے ہفتہ بھر جاری رہے نیز ۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۶ جون 2012ء سالانہ امتحانات شروع ہوئے ۳ شعبان تک جاری رہے۔

عبا پوشی و عطائے اسناد ناظم دارالعلوم کی زیر صدارت مورخہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق یکم جولائی بروز اتوار 2012ء دارالعلوم کا سالانہ جلسہ بڑے پیمانہ پر منعقد ہوا جسمیں اکثر علم دوست حضرات قابل ترین علماء مدعو تھے۔ نیز ناظم موصوف کے دست فیض اقدس سے فارغین طلباء اسناد پیش کی گئیں۔

تقسیم انعامات اسی دن شام کو ایک دوسری نشست منعقد ہوئی جس میں درسیات مقابلہ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء انعامات سے نوازا گیا نیز عہدیداروں کو ان کے خدمات کے صلہ میں مختلف قسم کے انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

ہدیہ تشکر ادارہ تمام حکیموں اور ڈاکٹروں اور مدیران اخبارات کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہے جنہوں نے دارالعلوم کے طلباء و اساتذہ کا بھرپور خیال کیا اور دارالعلوم کے تمام کاروائیوں کو اپنے

اخبارات میں اولین وقت پیش فرمایا۔

بالخصوص ادارہ عالی جناب علیم صبؔا نویدی صاحب مدراس اور عالی جناب سید الیاس صاحب ویلور کا تہہ دل سے مشکور وممنو ہے جنہوں نے اپنے خاص وقتوں خاص لحاظ کرتے ہوئے دارالعلوم کا مؤقر رسالہ اللطیف کی اشاعت وتزئین مصروف رہے، اللہ تعالیٰ تمام مخلصان ومعتقدان دارالعلوم کو دنیا وآخرت میں کامیابی وسرفروئی عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

☆☆☆☆☆

جواھر القران

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ، ڈی

انسانوں میں سب سے زیادہ نیک اور صالح انسان حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہوتے ہیں جن کی زندگیاں نہایت پاک وصاف ہوتی ہیں۔ ان کی زندگیوں میں بدکاری وغلط کاری راہ نہیں پاتی اور یہ خدا کے مقرر ومنتخب اور محبوب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے انہیں نبی اور رسول قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته، رسول اور نبی ہونا کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور اگر کوئی انسان یہ چاہے اور کوشش کرے کہ میں نبی اور رسول ہو جاؤں تو ایسا ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ نبوت اور رسالت ایک وہبی اور عطائی چیز ہے۔ وہبی کا مطلب ہے کہ یہ چیز کسی انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انسانوں کو نبوت ملی ہے۔ یہ منجانب اللہ ہے۔ اس منصب پر فائز ہونے میں ان حضرات کی کوئی مرضی وخواہش اور کوشش کا دخل نہ تھا۔ بلکہ یہ اعزاز اور شرف حاصل ہونے سے پہلے وہ خود بھی نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پیغمبری عطا کرے گا۔ چنانچہ سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے، آپ اپنے بیوی کے ساتھ سفر میں تھے کہ اثنائے راہ میں انہیں آگ دکھائی دی، رات بھی تاریک اور سرد تھی، آپ آگ لینے کے لئے گئے تو پیغمبری مل گئی۔ اس وقت اللہ نے آپ سے خطاب کیا، وانا اخترتك فاستمع لما یوحی۔ اے موسیٰ! ہم نے تمہیں اپنا پیغمبر بنالیا ہے، ہماری بات غور سے سنئے۔

اس طرح ہمارے پیغمبر نبی آخر الزماں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر شریف کی چالیسویں بہار سے لطف اندوز ہو رہے تھے، غار حرا میں اللہ کی عبادت میں مشغول تھے اس عبادت کو تحنث کہا گیا ہے یعنی اللہ کی ذات اور کائنات اور اپنی شخصیت وغیرہ میں غور وفکر اور تدبر کرنا۔

اچانک حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ اے محمدؐ! آپ کے لئے خوشخبری ہے اللہ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔

حضرات انبیاء نبی ہونے سے پہلے بھی گناہوں سے معصوم تھے اور اسکے بعد بھی زندگی کی آخری سانسوں تک گناہوں سے معصوم رہے۔ ان حضرات کو معصوم کہنے سے کوئی یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ ان کے اندر دوسرے انسانوں کی طرح جذبات نہیں ہیں، خواہشات نہیں ہیں، ان کی ذاتی مرضیات نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہ انسان ہی ہیں انسانوں سے علٰحیدہ کوئی مخلوق نہیں ہیں۔ ان کے اندر بھی انسانوں کی صفات اور عادات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے ان کی اس طرح حفاظت وصیانت فرماتا ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں اور ان سے صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیتیں اور سیرتیں نورانی ہوتی ہیں۔ ان کی خواہشات اور مرضیات میں طہارت ونظافت اور پاکیزگی وصفائی ہوتی ہے اور ان کا نفس بھی سراپا نیک ہی نیک ہوتا ہے اور اسکے اوپر شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نفس اور شیطان یہی وہ دوقوت ہیں جو انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ انبیاء اور مرسلین کو نفس اور شیطان کے اثرات سے پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر انسان کے دل کے سیدھے طرف فرشتہ بیٹھا رہتا ہے اور دل کے بائیں طرف شیطان بیٹھا رہتا ہے، فرشتہ آدمی کے دل میں نیک بات ڈالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور شیطان دل میں بری بات ڈالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے جب یہ بات سنی تو حضورؐ سے پوچھا، یارسول اللہؐ ! یہی معاملہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے، آپؐ نے فرمایا، ہاں! لیکن شیطان میرے دل میں کوئی بری بات نہیں ڈالتا بلکہ وہ خود ہی میرے دل میں نیک بات ڈالتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ انبیائے کرام شیطانی اثرات سے مامون اور محفوظ رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبیوں اور رسولوں کی معصومیت کا ایک غیبی نظام ہے۔ الانبیاء معصومون قبل النبوۃ و بعد النبوۃ۔ اس تفصیل سے آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ انسانوں میں مقدس جماعت انبیائے کرام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو معجزات سے سرفراز فرماتا ہے، تاکہ ان معجزات کے ذریعہ دین حق کی تفہیم ہوسکے اور یہ حیرت انگیز واقعات عام لوگوں کے لئے قبول ایمان کا ذریعہ بن سکیں۔ یہ معجزات حسّی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی۔ معجزات کا ایک عام سیدھا سادھا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان معجزات کے ذریعہ ایسا فعل نبیوں سے صادر فرماتا ہے جسے کوئی دوسرا انسان کر نہیں سکتا، بلکہ عقل کے پیمانہ سے معجزہ کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا دریا پر مارتے ہیں تو دریا میں راستہ پڑ جاتا تھا، لوگوں کے اصرار اور مطالبہ پر

حضرت صالح علیہ السلام یہ معجزہ بتلاتے ہیں کہ ایک بڑی چٹان سے حاملہ اونٹنی باہر نکل آتی ہے اور اسکے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مخالفین انہیں آگ کے دھکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیتے ہیں تو یہ آگ گل زار بن جاتی ہے اور آپ زندہ صحیح سلامت چمنستاں سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کردیتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کے دوٹکڑے کردیتے ہیں پھر دوبارہ اشارہ کرکے چاند کو اصلی حالت میں لے آتے ہیں۔

اس طرح کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات حضرات انبیائے کرام کی زندگیوں میں ملتے ہیں اور یہ سب مستند اور صحیح واقعات ہیں کوئی من گھڑت حکایات اور کہانیاں نہیں ہے۔

اس مقام پر ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوئے ہیں اور یہ حضرات انبیاء کا ذاتی فعل نہیں ہے اور یہ ان کی ذاتی قدرت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کو عطا کردہ قوت ہے جو وہبی طاقت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نبوت بھی وہبی اور عطائی ہوئی ہے اور معجزات بھی وہبی اور عطائی ہوتے ہیں۔

انبیائے کرام کے بعد انسانوں کا مقدس گروہ جو گناہوں سے محفوظ ہے۔ معصوم نہیں ہے۔ وہ ہے حضرات صحابہ، صحابہ کرام وہ اصحاب ایمان ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور ایمان لائے اور آپؐ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور آپؐ کی صحبت پائی اور آپؐ سے تعلیم وتربیت اور تزکیہ کی نعمت پائی۔ اس گروہ کو حضور اکرمؐ کے دیدار سے مشرف ہونے کے باعث صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ ان کی بے مثال محبت وصحبت اور ان کی بے مثل جانی و مالی قربانی اور ان کے ایمان کی کمالیت اور ان کے عمل کی صحت اور اخلاص کی وجہ سے اللہ نے ان کے ساتھ اپنی رضا اور خوشنودی کا اظہار وحی کے ذریعہ فرمایا جو اس طبقہ کے لئے ایک ایسی خصوصی فضیلت ہے کہ صبح قیامت تک کسی صاحب ایمان کے لئے اس نوع کی خوشنودی کے اظہار کا امکان ہی نہیں ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ یہ اہل ایمان وہ ہیں جن سے اللہ راضی ہوا اور یہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے۔

اس آیت طیبہ سے حضرت ذوقی علیہ الرحمہ نے یہ استدلال قائم کیا ہے جو انہوں نے اپنی فارسی تفسیر، تفسیر لطیفی میں نقل کیا ہے۔

فرماتے ہیں: یہ آیت طیبہ ثبوت ہے کہ ہر صحابی کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص سے راضی ہونے کا اعلان کرے اور پھر اسکی موت کفر ہو جائے، یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت ذوقی نے یہ استدلال، شیعیوں کے اس قول کی تردید میں قائم کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرات صحابہ کی اکثریت مومن نہ رہی، مرتد اور کافر ہوگئی۔

صحابی صرف اسی صاحب ایمان شخص کو کہیں گے جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم کو دیکھا ہو۔ جو آدمی ایمان لائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھے تو ایسے آدمی کو صحابی نہیں کہا جائیگا۔ حضرت اویس قرنی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے۔ ایمان سے مشرف ہوئے لیکن انہیں یہ موقعہ نہیں مل سکا کہ کچھ دیر کے لئے سہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتے اور آپ کے دیدار کی ایک جھلک سے مشرف ہوتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری دیدار سے مشرف نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اویس قرنی کو صحابیت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ حالاں کہ آپ تابعین میں افضل ہیں اور آپ کے نام کے ساتھ خیر التابعین لکھا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میری وفات کے بعد میرا کرتہ اویس قرنی کو پہنچا دینا اور ان سے میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ میری امت کے لئے دعا کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے ایک فرد سے دعا کی خواہش کرنا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اس سے حضرت اویس کی غیر معمولی عظمت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور یہ فضیلت انہیں حاصل ہونے کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان اور حکم کا پاس ولحاظ رکھا اور آپؐ سے ملنے کی بے پایاں تڑپ ہونے کے باوجود کبھی بارگاہ رسالت میں حاضر نہیں ہوے۔ حضرت اویس قرنی کی والدہ ایک ضعیف اور نابینا معمر خاتون تھیں۔ حضور نے انہیں ماں کی خدمت میں لگے رہنے کا حکم دیا۔ اور وہ اپنی ماں کی خدمت میں رہے، حضرت اویس کو معاشی آسودگی اور خوش حالی نہ تھی، وہ اونٹوں کو چراتے تھے اور مزدوری حاصل کرتے تھے اور اسی سے اپنی روزی روٹی حاصل کرتے تھے۔ اس پر ان کا اور ان کی والدہ کا گذر بسر ہوتا تھا۔

صحابہ میں بھی بعض حضرات اویس قرنی سے واقف تھے، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یارسول اللہؐ: کیا اویس کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ ارشاد فرمایا: نہیں، انہوں نے اپنی ظاہری آنکھوں سے تو مجھے دیکھا نہیں ہے لیکن چشم باطن سے انہیں دیدار کا شرف حاصل ہے۔

حضرت عمر نے اپنے دور خلافت کے دسویں سال میں حضرت قرنی سے ملاقات کی، جس سال آپ کی شہادت ہوئی، اس طویل عرصہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت قرنی کو بہت تلاش کیا لیکن ان کا پتہ چل نہ سکا، اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت اویس کہاں رہتے، کیا کھاتے، کیا کرتے، یہ کسی کو پتہ نہ تھا۔

حضرت اویس قرنی کو نبی کریمؐ کے ساتھ والہانہ محبت والفت تھی اور آپ کی اتباع و پیروی کا یہ عالم تھا کہ جنگ احد میں نبی کریمؐ کے دندان مبارک شہید ہوگئے اور یہ خبر جب حضرت قرنی کو پہنچی تو آپ نے اپنے دندان مبارک کو توڑ دیا کیونکہ آپ کے نزدیک یہ مقام عشق کی توہین تھی کہ محبوب جس تکلیف ومصیبت میں مبتلا ہو اور اس کا محبؒ اس تکلیف سے محفوظ رہے۔

ایک طرف نبی کریمؐ کے ساتھ عشق ومحبت کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف نبی کریمؐ کا ان کے ساتھ چاہت ومحبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ نے اویس قرنی سے دعا کی خواہش ظاہر فرمائی، جانبین سے باہمی محبت والفت اور چاہت واپنائیت کی ایسی نظیر ہے جسکی دوسری نظیر نہیں مل سکتی، لیکن اسکے باوجود حضرت اویس ظاہری دیدار نبویؐ کا موقعہ حاصل نہ کرسکے تو ایک ادنیٰ صحابی کے درجہ اور مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ اس سے مقام صحابیت اور عظمت صحابیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین میں صحابی کا کس قدر بلند ترین اور اعلیٰ مقام ہے اور یہ رتبہ ودرجہ لوگوں کے خودساختہ عقیدہ کا ثمرہ اور نتیجہ نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے اور یہ مرتبہ صرف صحبت جسمانی کے باعث ہے اور اب اس مقام کو صبح قیامت تک کوئی صاحب ایمان نہیں پہنچ سکتا خواہ وہ ولایت کے بلند ترین کسی بھی درجہ پر پہنچ جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو تابعی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تابعی وہ شخص ہے جس نے صحابی کو دیکھا ہو اور صحبت جسمانی کی سعادت سے مشرف ہو۔ عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ تو آپ نے جواب دیا، حضرت معاویہؓ نے جس گھوڑے پر سوار ہوکر جہاد کیا تھا، اس گھوڑے کے ٹاپوں سے جو گردوغبار اڑا تھا اس غبار کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز نہیں پہنچ سکتے۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ کسی بھی شخص کو خواہ اسکا ایمان کامل ومکمل ہو اور اسکا عمل کتنا ہی صحیح ہو، ایک صحابی کا ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اس نقطۂ نظر کی تائید ایک حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں اس پہلو کی وضاحت ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

میرا ایک صحابی اللہ کی راہ میں مٹھی بھر گیہوں کا صدقہ کرے اور دوسرا شخص (غیر صحابی) اُحد کی مقدار میں سونا صدقہ کرے تو وہ اجروثواب میں میرے صحابی کی برابری نہیں کرسکتا۔

صحابہ کرام کے بعد امت میں جو جماعت برگزیدہ اور مقدس و بزرگ قرار دی گئی ہے وہ اولیائے کرام کی جماعت ہے، صحابہ کرام بھی اولیائے کرام ہیں۔ یہ سب حضرات ولایت کے درجہ پر فائز ہیں بلکہ ان کی ولایت، غیر صحابی کی ولایت سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ ان حضرات کرام کو ولایت کے ساتھ ساتھ صحبت نبویؐ کی عظیم ترین نعمت حاصل رہی جسکی وجہ سے انہیں صحابہ کے نام سے یاد کیا گیا اور یہ نام اور یہ لفظ ان حضرات کرام کے لئے نہایت موزوں تریں تھا کیونکہ طور ولایت میں صحبت جسمانی سے زیادہ موثر اور مفید دوسری چیز نہیں ہے اور حضرات اہل علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک سالک اور طالب کی تعلیم وتربیت میں شیخ کامل کی صحبت سے بڑھکر موثر ومفید اور کلیدی حیثیت کسی اور چیز کی نہیں ہے۔ اسی صحبت نبوی کی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے ہر صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہا اور لکھا جاتا ہے اور یہ جملہ تحریری اور تقریری حیثیت سے اس قدر رائج اور مستعمل ہوگیا کہ وہ صحابی کی شناخت اور علامت بن گیا اور غیر صحابی کے لئے رحمۃ اللہ علیہ کا جملہ مستعمل اور رائج ہوگیا۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر صحابی کے لئے رضی اللہ عنہ کا جملہ استعمال کرنا غلط بات ہے لیکن اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص رکھا جائے کیونکہ قرآن کریم نے ان کی شان میں رضی اللہ عنہم کہا ہے اور یہی محدثین کرام کا موقف ہے البتہ فقہائے کرام کے ہاں غیر صحابی کے لئے بھی رضی اللہ عنہ کا جملہ استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لغت میں ولی کے معنی محبت و دوستی نزدیکی وقرب اور نصرت وحمایت کے ہیں، ولی، واحد ہے اور اسکی جمع اولیاء ہے۔ ولی کا لفظ ولایت سے نکلا ہے اسکے دو مصدر ہیں ولایت کو فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو اسکے معنی تصرف اور تسلط کے ہیں اور ولایت کو کسرہ کے ساتھ بڑھا جائے تو اسکے معنی امارت اور قربت کے ہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک ولایت فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

امام راغب اصفہانی نے ''المفردات'' میں لکھا ہے کہ (ولی، ولا، توالی) دو یا دو سے زاید چیزیں اس طرح واقع ہوں کہ ان کے درمیان کوئی غیر جنس کی چیز حائل نہ ہو اور اس سے نزدیکی اور قرب کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ولی کا لفظ متعدد مقامات پر اور مختلف معانی میں مستعمل ہے اسی طرح احادیث میں بھی ولی کا لفظ مختلف حیثیتوں اور فضیلتوں کے ساتھ آیا ہوا ہے۔

اللہ ولی الذین ا امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور

ان ولی اللہ الذی نزل الکتب بالحق

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرہ

قرآن میں ولی کا لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ سورۃ یونس میں آیا ہوا ہے الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۔حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عن عاد ولیا فقد اٰذنتہ بالحرب ۔جس نے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کی تو اسکے لئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

جس نے کسی ولی کو ایذا پہنچائی اس نے مجھ سے لڑنے کو حلال جانا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ ان پر نبی اور شہید رشک کرتے ہیں۔پوچھا گیا، یا رسول اللہؐ! اللہ کے وہ کون بندے ہیں، ان کی صفات بیان فرمائیے کہ ہم ان سے محبت کریں تو آپؐ سے فرمایا:

اللہ کے یہ وہ نیک بندے ہیں جو بغیر مال وکسب کے صرف اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ان کے چہرے نورانی ہیں وہ نور کے منبروں پر چڑھیں گے۔جب لوگ خوف زدہ رہیں گے لیکن وہ بے خوف اور مطمئن رہیں گے۔جب لوگ غم ناک ہوں گے لیکن وہ غم ناک نہ ہوں گے۔

پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی، الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

صوفیائے کرام نے اپنی کتابوں میں اولیاءاللہ اوران کے کشف وکرامات اور تصرفات اوران سے جاری سلاسل اور ان کے بیان کردہ علوم ومعارف سے متعلق بہت ساری باتیں تحریر کی ہے اور اس موضوع پر ایک مستقل کتب خانہ موجود ہے۔

اولیاءاللہ میں سے چار ہزار اولیاء ایسے ہیں جو چھپے رہتے ہیں جو ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی خوبی کو بھی نہیں جانتے، بعض ولایت کی وجہ سے اللہ کے قرب میں فانی ہیں، بعض حالت جذب میں رہتے ہیں۔جسکے باعث وہ دنیا ومافیھا سے بے خبر اور بے نیاز ہوتے ہیں۔

بعض اولیاءاللہ ولایت کی وجہ سے لوگوں کے امور ومعاملات میں متصرف رہتے ہیں جسکی مثال حضرت عمرؓ کے ان دو واقعات میں ملتی ہے۔

ایک دریائے نیل خشک ہو جانے سے متعلق ہے اور دوسرا نہاوند میں میدان جنگ میں حضرت سارعہؓ کی رہبری

سے متعلق ہے اور یہ دونوں واقعات بہت ہی مشہور ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اولیائے کرام میں اللہ کی تائید وقوت سے جو لوگوں کی مشکلات کے حل کرنے والے ہیں وہ تین سو ہیں جن کو اخیار کیا گیا ہے اور ان کے علاوہ چالیس ہیں جن کو ابدال کہا گیا ہے اور سات ہیں جن کو ابرار کہا گیا ہے اور چار ہیں جن کو اوتاد کہا گیا ہے اور تین ہیں جن کو نقباء کہا گیا ہے اور ایک ہے جس کو قطب یا غوث کہا گیا ہے اور یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔

اسی لفظ ولایت (فتح کے ساتھ) اور ولایت (کسرہ کے ساتھ) سے خود بخود یہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اولیائے کرام اللہ تعالیٰ سے انتہائی قریب ہیں اور وہ خدا کے محبوب اور مقرب بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے آفاق اور انفس میں تصرف فرماتے ہیں اور یہ تصرف ان کا ذاتی فعل نہیں ہے، اور یہ ان کی ذاتی قوت نہیں ہے بلکہ یہ وہبی اور عطائی قوت ہے جس کے زیر اثر وہ سارے محیر العقول واقعات وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے۔ تصرف سے متعلق جتنے بھی واقعات ہم پڑھتے اور سنتے ہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہیں اور یہ سب اللہ کی قدرت کا ظہور ہے اور اسی کی طاقت کا کرشمہ ہے اور یہ سارے امور وحالات اور واقعات اللہ کے ارادے اور مشیت کے تحت اولیائے کرام کے ہاتھوں پیش آتے ہیں۔ لہٰذا کراماتِ اولیاء کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ان کے انکار سے احکام نص کا انکار لازم آتا ہے۔ اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ معجزات اور کرامات حق ہے اور یہ اصول شرع شریف کے خلاف نہیں ہے۔

قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے کہ ان کی خدمت میں آصف بن برخیا نے چشم زدن میں ملکہ بلقیس کا تخت پیش کر دیا۔ جو ہزاروں میل دور کے فاصلہ پر تھا۔

حضرت مریم کا ذکر قرآن میں مختلف مقامات پر ملتا ہے سورۃ آل عمران میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک ایسے ایسے پھل اور میوے موجود رہتے تھے جن کا موسم نہیں ہوتا، بے موسم کے پھل دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام خود تعجب میں پڑ گئے اور حضرت مریم سے پوچھ بیٹھے۔ اے مریم! یہ پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں۔ جواب دیا ھومن عنداللہ یہ منجانب اللہ پہنچ جاتے ہیں۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے گلستاں میں اپنی خود کی حکایت نقل کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو جنگل میں شیر کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے جاتے دیکھا تو حیران رہ گئے اور شیر سوار سے پوچھا۔ ماجرا یہ کیا ہے؟ سوار نے جواب دیا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ کہ پیچید نہ گردن ز حکم تو ہیچ

عزیز من! تم اللہ کے حکم سے روگردانی نہ کروتو کوئی بھی تمہارے حکم سے سرتابی نہیں کرے گا۔ سب کے سب تمہاری بات مان لیں گے اور تمہاری اطاعت کریں گے۔

حضرت ذوالنون مصری سے ایک حکایت منقول ہے کہ وہ حج کے ارادہ سے نکلے، دریا کا سفر کررہے تھے، کشتی میں بہت سارے لوگ سوار تھے۔ ان میں سے ایک شخص ہیرے جواہرات کا تاجر تھا، اس کا ایک بیش قیمت موتی گم ہوگیا، لوگوں کی تلاشی لی جانے لگی، مسافرین میں ایک خستہ حال شخص تھا جسکے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوگئی اسکی سخت تلاشی لی گئی اور اسکی تلاشی میں ذلت کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس مسافر نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا۔ یا سمیع یا بصیر یا علیم۔ اے سننے والے، اے دیکھنے والے، اے جاننے والے، بس اتنا کہنا تھا کہ مچھلیاں بڑی تعداد میں کشتی کے چاروں طرف جمع ہوگئیں اور ہر مچھلی کے منہ میں اسی گم شدہ موتی کی طرح ایک ایک موتی تھا، وہ شخص ایک مچھلی کے منہ سے موتی نکالا اور اس تاجر کے حوالہ کیا۔ سارے لوگوں نے اپنی نگاہوں سے یہ منظر دیکھا۔ سب کے سب حیران رہ گئے، لوگ اس شخص سے کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ دفعتاً وہ کشتی سے پانی پر اترا اور چلتے ہوئے نکل گیا۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات ہوئی اور ان کا جنازہ تیار کیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ کے سامنے لایا گیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور موجود ہے۔ یہ آواز دی گئی۔

السلام علیکم یا رسول اللہ ۔ ھذا ابوبکر بالباب ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔ دروازہ پر ابوبکر آپہنچے ہیں۔

اسی وقت حجرۂ عائشہ کا بند دروازہ خود بخود کھل گیا اور قبر انور سے آواز آئی ادخلوا الحبیب الی الحبیب ۔ دوست کو دوست کے پاس لے آؤ۔ اس نوع کے واقعات صحابہ کرام اور اولیائے کرام کی زندگی میں ایک دو نہیں سینکڑوں ملتے ہیں۔ کوتاہ نظر سادہ لوح افراد اس طرح کے واقعات کا انکار کر بیٹھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ اسکے برعکس بے علم اشخاص اولیائے کرام کے تصرفات کو دیکھ کر ان کو اپنی ذات سے صاحب قدرت اور ذی اختیار سمجھ بیٹھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ ایک فریق غلو کا شکار ہے تو دوسرا تعصب کا شکار ہے۔ یہ افراط وتفریط اور انتہاء و پستی مقام ولایت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور حضرات اولیاء کو اپنی طرح سمجھ بیٹھے کا نتیجہ ہے۔ مولانا جلال الدین رومی نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے۔

کار پاکاں را از خود قیاس مگر گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

اللہ کے ولیوں اور دوستوں کو خود پر قیاس نہ کرو۔ اگر چہ کہ لکھنے میں شیر اور شیر ایک ہے، شیر کو کسرہ کے ساتھ

پڑ ہیں تو اسکے معنی ہیں دودھ، شیر کو فتح کے ساتھ پڑھیں تو اسکے معنی ہیں شیر، درندہ۔

ظاہر ہے کہ دونوں کی معنویت اور حقیقت میں زمین و آسماں کا فرق ہے لیکن لفظ شیر اور شیر دونوں کی ظاہری صورت اور ہیئت میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں ایک نظر آتے ہیں۔ یہی حالت اور کیفیت حضرات اولیاء کی بھی ہے، دو آدمی ہیں جن کی ظاہری شکل وصورت اور ہیئت ایک طرح کی ہوتی ہے ان میں سے ایک مومن ہے اور دوسرا کافر ہے۔ لیکن دونوں کی معنویت وحقیقت اور روحانیت میں فرق ہے۔

اسی طرح دو بچے ہیں، جن کی ظاہری شکل وصورت اور ہیئت ایک طرح کی ہوتی ہے ان میں سے ایک جائز بچہ ہے اور دوسرا ناجائز بچہ ہے لیکن دونوں کی معنویت وحقیقت اور روحانیت میں فرق ہے۔

حاصل کلام! سیاق میں پیش کردہ تفصیلات سے یہ بات صاف ہوچکی ہوگی کہ انسانوں میں صف اول میں حضرات انبیائے کرام ہیں پھر صحابہ کرام ہیں پھر حضرات اولیاء ہیں، صحابیت کا درجہ سب سے بلند ہے اس درجہ میں کسی غیر صحابی کو نہیں رکھا جاسکتا۔ معجزات اور کرامات حق ہے۔ ان کا انکار صحیح نہیں ہے۔ اولیائے کرام کے بارے میں غلو اور تعصب دونوں رخ صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ادب کی دولت سے نوازے اور افراط تفریط اور غلو اور تعصب سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ الطیبین واصحابہ الظاہرین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جواھر الحدیث

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی ایم اے، پی، ایچ، ڈی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریف میں اکثر و بیشتر حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کے اندر معانی اور مطالب کی ایک وسیع اور عریض دنیا نظر آتی ہے۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی خصوصیت اور فضیلت ہے کہ تمام رسولوں اور پیغمبروں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جامع کلمات اور مجمل فقرات سے نوازا۔ اسکا اعتراف اور اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کیا ہے۔ او تیت جوامع الکلم۔ بعض احادیث میں موضوعات اور مباحث کی اتنی کثرت اور ان میں اتنی وسعت ہے کہ ایک حدیث کی تفصیل اور تشریح کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی نظر آتے ہیں ایسی ہی ایک حدیث یہاں نقل کی جارہی ہے جسکی روایت مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث متفق علیہ کہی جاتی ہے۔

عن ابی هريرة رضى الله عنه النبى صلى الله عليه و سلم قال سبعة يظلهم الله فى ظله يومَ القيامة لاظل الاظله، الامام العادل۔

سات آدمی ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے۔ قیامت کا دن ایک ایسا ہوگا جس میں سورج لوگوں کے سروں کے اوپر آرہیگا اور اس کی گرمی اور تمازت کی وجہ سے لوگ پسینہ میں نہائے ہوں گے۔ اس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ رہے گا کہ جس میں آدمی کھڑا رہ سکے۔ اور یہ وہ دن ہوگا جس میں کسی کی طرف سے رحمت و شفقت اور محبت کا ظہور نہ ہوگا اور ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں رہیگا، ایسے ہولناک اور دہشت ناک دن میں سات آدمیوں پر رحمت الٰہی سایہ فگن رہیگی اور یہ سات افراد قیامت کی شدت اور سختی سے محفوظ اور مامون رہیں گے اور ان کے دل مطمئن اور دماغ پرسکون رہیں گے۔ ان سات آدمیوں میں پہلا آدمی امام عادل ہے جو مسلمانوں کا امیر، خلیفہ اور سلطان ہوگا جس نے مسلمانوں کے امور و معاملات اور مصالح و مسائل میں حق وانصاف اور صداقت وعدالت سے کام لیا ہو اور مظلوم و ستم

رسیدہ لوگوں کی حمایت ونصرت کیا ہو، اور ہر وقت ان کی مدد کے لئے حاضر رہا ہو، اور طاقت ور سے طاقت ور ظالم کی کلائی موڑ دیا ہو اور ہر کسی کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیا ہو اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اور لا پرواہی نہ کی ہو، ایسا انصاف پسند امام وخلیفہ کا مقام اللہ کے نزدیک اس قدر بلند وبالا اور اعلیٰ وارفع ہے کہ حضرات انبیائے کرام کے بعد اسی کا مقام اور مرتبہ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان المقسطين عند الله على منابر من نور ،جن لوگوں نے عدل و انصاف سے کام لیا ہے وہ اللہ کے نزدیک نور کے منبر پر فائز ہوں گے، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا، یہ ایک ایسی عبادت اور نیکی ہے جسکے تعلق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بادشاہ کا ایک گھنٹہ انصاف میں گذار دینا، ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ایک حکمران کا کسی کو اسکا حق دلانے میں اور اسکے ساتھ انصاف کرنے میں ایک گھنٹہ صرف کرنے کو ساٹھ سال کی عبادت وریاضت پر فوقیت دینا اور اس قدر اجر وثواب کی بشارت دینا، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ عادل بادشاہ کے میزان طاعت ونیکی کا پلہ ساٹھ سال کی عبادت کے مقابلہ میں وزنی اور بھاری قرار پائے۔ اسکی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھے، روزہ رکھے، تلاوت کرے، ذکر کرے تو یہ ایک ایسی نیکی ہے جسکا فائدہ صرف اسی کی ذات کو پہنچتا ہے، اس کی عبادت سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا لیکن عدل وانصاف ایک ایسی نیکی ہے اسکا فائدہ خاص وعام سب لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اور یہی وہ عدل وانصاف ہے جسکے دامن سے ملک وملت اور دین کی ساری ضرورتیں وابستہ ہیں۔ اگر کسی سماج سے حق وانصاف اور عدل ختم ہوجائے تو سارے لوگوں کی زندگی سے چین وسکون ختم ہوجائیگا اور سارے معاشرے میں بدامنی اور انارکی پھیل جائے گی۔ یہ سلطان عادل اور امام عادل ہی ہے جسکی ذات سے سارا سماج پرامن ہوجاتا ہے اور سارے لوگوں کے حقوق محفوظ ہوجاتے ہیں اسکی یہی وہ نیکی ہے جسکی وجہ سے اسکے ایک لمحہ کا انصاف ساٹھ سال کی عبادت سے افضل اور بہتر قرار پاتا ہے اور وہ حاملین نبوت کے بعد دوسرے درجہ میں کھڑا ہوجاتا ہے۔

عدل ایک خوب ترین فضیلت ہے اور ظلم ایک بدترین رذیلت ہے عدل وانصاف کی فضیلت اور عظمت کے لئے یہی ایک پہلو کافی ہے انصاف کرنے والا شخص ان لوگوں کے نزدیک بھی محبوب و پسندیدہ اور چہیتا ہوجاتا ہے جن کو اسکے عدل وانصاف سے کوئی فائدہ نہ پہنچا ہو۔ اس کے برعکس ناانصافی اور ظلم کرنے والا ان لوگوں کے پاس بھی ناپسندیدہ ونامقبول اور مبغوض ہوجاتا ہے جن پر اسکے ظلم وستم اور ناانصافی وحق تلفی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور وہ لوگ اسکے ضرر اور شر سے محفوظ اور مامون رہے، اس بات کی

صحت و درستگی اور تصدیق وتصویب کے لئے نوشیرواں عادل اور حجاج ظالم کی مثال کافی ہے۔نوشیرواں ایک آتش پرست کافر بادشاہ تھالیکن اسکے عدل وانصاف نے سارے لوگوں کے دلوں میں اسکے لئے جگہ بنادی اور آج تک بھی ہر کوئی اسے نیک نام سے یاد کرتا ہے۔یہی بات کیا کم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا۔اسکے برعکس حجاج کو لیجئے ،وہ ایک مسلمان ہونے کے علاوہ حضرات صحابہ اور تابعین عظام کے دیدار سے مشرف تھالیکن اس نے اپنے جور وستم سے سارے لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے نفرت وحقارت اور کراہت پیدا کرلی اور آج تک بھی ہر کوئی اسے برے نام سے یاد کرتا ہے۔

عدل وانصاف سے کام لینے والے شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ کی ایک خصوصی عنایت یہ ہوتی ہے کہ اسکے مرنے کے بعد اسکا جسم زیر زمین محفوظ رہتا ہے،اور یہ بات ایک حدیث شریف سے ثابت ہے ملا حسن واعظ کاشفی نے اپنی فارسی تصنیف اخلاق محسنی میں لکھا ہے کہ ایک عالم دین نے یہ حدیث خلیفہ مامون کو سنائی تو مامون نے کہا۔حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن میری خواہش ہے کہ نوشیرواں کے جسم کو دیکھ لوں جو عدل کا پیکر اور مظہر تھا،اسکے بعد خلیفہ مامون اپنے وزراء اور امراء کے ساتھ شہر مدائن پہنچا جہاں نوشیرواں کی قبر تھی،قبر کھول کر میت کا صندوق نکالا گیا اور اسے کھولا تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے نوشیرواں کا جسم صحیح وسالم ہے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نیند کی حالت میں ہے۔اسکے ہاتھ میں تین انگوٹھیاں تھیں،ہر ایک انگوٹھی پر ایک نصیحت لکھی ہوئی تھی (۱) دوستوں اور دشمنوں دونوں کے ساتھ اچھا سلوک اور خاطر ومدارات کرو۔(۲) عقل مندوں سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہ کرو (۳) لوگوں کے آرام اور سہولت کا پورا پورا خیال رکھو۔

خلیفہ مامون نے نوشیرواں کی میت پر عطر چھڑکا اور قبر بند کرنے کا حکم دیا۔اس موقعہ پر مامون کی زبان سے یہ جملہ نکلا کہ عدل کی یہ خاصیت ہے کہ ایک کافر کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی ہے اور اگر عدل کرنے والا صاحب ایمان ہوتو کیا عجیب ہے کہ عدل کی وجہ سے اسکا بدن دوزخ کی آگ سے محفوظ رہ جائے۔

بزرگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ،حکیم کے مانند ہے اور مظلوم،بیمار کے مانند ہے،بیمار چاہتا ہے کہ اپنے

مرض کے حالات حکیم کو سنائے اگر حکیم بیمار کی بات نہ سنے تو وہ مرض کو کیسے جان سکتا ہے اور مرض سے واقف ہوئے بغیر مریض کا علاج کیسے کرسکتا ہے، اسی طرح ایک مظلوم چاہتا ہے کہ وہ اپنے پر ہونے والے ظلم کو بادشاہ سے سنائے اگر بادشاہ مظلوم کی کوئی بات نہ سنے تو پھر وہ انصاف کیسے کرسکتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بادشاہ ہر مظلوم کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھے۔

حکایت بیان کی گئی ہے کہ چین کا بادشاہ بہرا ہوگیا۔ دربار پہنچ کر سارے درباریوں اور وزیروں کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اس قدر رویا کہ سارے درباری رو پڑے۔ کچھ دیر گذرنے کے بعد بادشاہ نے اپنے وزیروں اور مصاحبوں اور خادموں سے کہا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں اپنے بہرے پن کی وجہ سے رو رہا ہوں، یہ بات ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ میں یہ سوچ کر رو رہا ہوں کہ کسی شخص پر ظلم ہو جائے اور میں اسکے اوپر ہونے والے مظالم کو سن نہ پاؤں تو بھلا میں کیسے انصاف دلاسکوں گا اور اس پر ہونے والے ظلم و جور کا خاتمہ کیسے کرسکوں گا۔ اگر وہ میرے انصاف سے محروم ہو جائے تو کل روز قیامت میں اللہ کے پاس پکڑا جاؤں گا۔ آخرت میں مواخذہ کی یہی وہ فکر ہے جسکی وجہ سے میں رو رہا ہوں۔

اسکے بعد بادشاہ نے اپنے وزیروں، حواریوں سے کہا میں نے مظلوم کی فریادرسی کے لئے ایک ترکیب سوچ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہماری سلطنت میں مظلوم اور فریادی کے سوا کوئی شخص سرخ لباس استعمال نہ کرے صرف مظلوم ہی سرخ لباس پہنے تاکہ میں اسے دیکھ کر یہ معلوم کرسکوں کہ یہ ستم رسیدہ ہے پھر اس پر ہونے والے مظالم کے انسداد کے لئے کارروائی کرسکوں اور اسے پورا پورا حق اور انصاف دلاسکوں۔

یہ حکایت ایک قدیم زمانے کے بادشاہ کی جانب منسوب ہے جس نے لوگوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور حقوق تلفیوں کی روک تھام کے لئے ایک ترکیب سوچی، مظلوم کی پہچان اور مظلومیت کو نمایاں کرنے اور اسے انصاف دلانے کے لئے جو کچھ اس سے ہوسکا اس نے عملی اقدام کیا۔ یہ حکایت سماج میں برسر اقتدار لوگوں کو دعوت فکر و عمل دے رہی ہے کہ وہ بھی حق و انصاف سے محروم افراد کی فریاد سننے کے لئے اس طرح بے چین اور مضطرب ہو جائیں جس طرح کا کردار چین کے ایک بادشاہ نے ادا کیا تھا۔

قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر حال میں عدل وانصاف سے کام لیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ عدل وانصاف اور حق کے معاملہ میں کسی کی رورعایت نہ کریں بلکہ حق کی تائید کریں اور ناحق کا ساتھ نہ دیں، ۔آپؐ کے زمانے میں ایک موقعہ پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان باتوں باتوں میں تکرار ہوگئی اور یہ تکرار بڑھتے بڑھتے سخت تلخ گفتگو کی شکل اختیار کرگئی اور یہ بحث وتکرار جھگڑے کی شکل وصورت اختیار کرگئی ۔انصاری نے انصاریوں کو اپنی حمایت کے لئے آواز دی اور مہاجر نے مہاجروں کو اپنی مدد کے لئے پکارا دونوں طرف کے لوگ اکھٹا ہوگئے اور باہمی لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا ہوگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شور وغل سنا تو اس مقام پر تشریف لے گئے اور صورت نزاع اور صورت اختلاف کا اندازکرلیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ ایک بدبودار اور جاہلیت کا نعرہ ہے کہ ظلم وزیادتی اور اختلاف ونزاع میں لوگ اپنے اپنے لوگوں کو بلائیں اور ہر کوئی اپنے اپنے لوگوں کی حمایت میں آستین چھڑالیں بلکہ تمہیں دیکھنا یہ ہے کہ کون ظالم ہے کون مظلوم ہے اور کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ہے۔جو حق پر ہے اس کا ساتھ دینا چاہیئے خواہ تمہارے قبیلہ اور تمہاری برادری سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو اور جو حق پر نہیں ہے اسکا ہرگز ساتھ نہیں دینا چاہیئے خواہ وہ شخص تمہارا عزیز اور بھائی ہی کیوں نہ ہو، اگر مسلم معاشرہ کے سارے لوگوں کی یہ فکر ہوجائے جس فکر کو اختیار کرنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی ہے تو سارا مسلم سماج پر امن ہوجائیگا اور کسی پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہوگا اور ہر کسی کو اسکا حق مل کر رہیگا جب یہ فضا عام ہوجائے تو معاشرہ تعمیر وترقی اور خوشحالی کی طرف گامزن ہوجائیگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ ظالم اور مظلوم کی حمایت اور نصرت کریں، یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! مظلوم کی حمایت اور مدد کرنا، یہ بات تو ہماری سمجھ میں آگئی لیکن ظالم کی مدد کرنا یہ بات سمجھ میں نہ آسکی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت فرمائی، ظالم کو ظلم کرنے سے روکنا اسکے حق میں اسکی مدد کرنا ہے یہی اسکے ساتھ خیر خواہی ہے۔

کسی ظالم کو ظلم کرنے سے روکنے اور منع کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسکے ظلم و ستم سے محفوظ اور مامون ہوجاتے ہیں اور خود ظالم کے لئے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ مظلوموں کی آہ وفریاد سے محفوظ وبامون ہوجاتا ہے، اور مظلوموں کے دلوں ہی میں نہیں بلکہ تمام لوگوں کے دلوں میں مبغوض اور متنفر

بن جانے سے محفوظ ہوجاتا ہے کیونکہ ظالم سے وہ لوگ بھی نفرت کرتے ہیں جو اسکے ظلم وستم سے محفوظ ہوتے ہیں۔اور ظالم کی مدد کرنے میں اسکی اخروی بھلائی بھی پوشیدہ ہے اگر آپ نے اسے ظلم سے روک دیا اور وہ ظلم سے باز آ گیا تو وہ آخرت کے عذاب اور عقاب سے بھی محفوظ ہوجاتا ہے۔اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی۔

ظلم وستم اور جور وجفا کے تعلق سے ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ کسی ظالم کی ظالمانہ کارروائیوں میں اسکے معاون اور مددگار نہیں بننا چاہئے اور اگر کوئی اسکے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت کرے تو وہ بھی ظالم قرار پائے گا۔اور آخرت میں اس معاونت کی سزا بھگتنی پڑے گی۔اسی لئے آخرت بین خداترس بزرگوں نے کبھی بھی کسی ظالم کی کسی زاویہ سے نصرت اور حمایت نہیں کی۔

القراۃ الرشیدہ حصہ سوم مرتب حفیظ مصری بک نے ایک واقعہ لکھا ہے جو بڑا سبق آموز اور عبرت خیز ہے۔

مالک بن انس فرماتے ہیں کہ مجھے اور حضرت ابن طاوس کو خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنے قاصد کے ذریعہ اپنے دربار میں طلب کیا، ہم دونوں اسکی خدمت میں پہنچے، وہ ایک عالی شان خوبصورت فرش پر بیٹھا ہوا تھا اور اسکے کچھ ہی فاصلہ پر ایک جلاد برہنہ تلوار لئے ہوئے کھڑا تھا اور وہ اس قدر مستعد نظر آ رہا تھا کہ خلیفہ کے ایک اشارہ پر لوگوں کی گردن اُڑا دے۔

منصور نے ہمیں دیکھا تو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔پھر وہ اپنے کام مشغول ہوگیا۔کچھ دیر بعد ابن طاوس کی جانب متوجہ ہوا اور کہا۔حدثنی عن ابیك۔اپنے والد سے مروی کوئی حدیث سنایئے! ابن طاوس نے کہا، ہاں، والد ماجد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

ان اشد الناس عذابا یوم القیامه رجل اشرکه الله فی حکمه فادخل علیه الجور فی عدله۔

قیامت کے دن اس شخص کو سب سے زیادہ عذاب دیا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا کی اور اس نے اپنی رعایا پر ظلم وستم کیا۔

مالک بن انس فرماتے ہیں میں خوف کے مارے اپنے کپڑے سمیٹ لیا کہ ابن طاوس کے قتل سے میرے کپڑے خون آلود ہوجائیں گے، کیونکہ انہوں نے خلیفہ کے سامنے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جو

اسی پر صادق آ رہی تھی، منصور کی جبیں پر شکن ابھری لیکن کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ کچھ لمحے گذرے منصور پھر ابن طاوس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا عظنی یا بن طاوس، ابن طاوس مجھے کوئی نصیحت کیجئے، ابن طاوس نے کہا، اچھی بات ہے، اے خلیفہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝ فَاَکْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝

تو نے دیکھا کیسا کیا تیرے رب نے عاد کے ساتھ وہ جو ارم تھے۔ بڑے ستونوں والے کہ بنی نہیں ویسی سارے شہروں میں، اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں، اور فرعون کے ساتھ وہ میخوں والا، یہ سب تھے جنہوں نے سر اٹھایا ملکوں میں پھر بہت ڈالی ان میں خرابی پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا بیشک تیرا رب لگا ہے گھات میں۔

مالک بن انس فرماتے ہیں اس مرتبہ بھی میں خوف کے مارے سمیٹ لیا اور مجھے یقین ہو چلا کہ اب ابن طاوس کی گردن اڑا دی جائے گی کیونکہ یہ ساری آیات خلیفہ منصور کو نشتر کا کام کر گئیں۔

اس مرتبہ بھی منصور سے ضبط اور برداشت کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا، کوئی ناخوش گوار بات سامنے نہ آئی اور بہت دیر تک سکوت چھایا رہا۔ پھر اچانک منصور ابن طاوس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، وہ دوات مجھے دیجئے جو آپ کے بازو میں رکھی ہوئی ہے، ابن طاوس نے اپنا ہاتھ دوات کی طرف نہیں بڑھایا، خاموش بیٹھے رہے تو منصور نے ابن طاوس سے پوچھا، دوات مجھے دینے میں آپ کو کیا چیز روک رہی ہے؟ ابن طاوس نے فوراً جواب دیا اخشیٰ ان یکتب بها معصبه للله فالون شريك فيها۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ اس دوات سے ظلم وستم پر مبنی کوئی حکم جاری نہ کر دیں اور میں بھی آپ کے اس گناہ میں شریک وسہیم اور معاون قرار پاؤں۔

یہ بات سننا ہی تھا کہ منصور کا پیمانہ ضبط لبریز ہو گیا اور غصہ سے بھرے لہجہ میں کہا، تم دونوں میرے پاس سے نکل جائیے، یہ سننا ہی تھا ابن طاوس فوراً اٹھ کھڑے ہوے اور یہ کہتے ہوئے دربار سے نکل گئے، ہم بھی تو یہی چاہتے تھے۔

عدل اور ظلم ایک دوسرے کی ضد ہیں، عدل سے امن اور ظلم سے فساد یہ ایک روشن حقیقت ہے عدل سے لوگوں کو ان کے حقوق ملتے ہیں، ظلم سے لوگوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، اسی لئے اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں عدل کی ترغیب دی اور ظلم سے بچنے کی تلقین کی۔ عدل سے اقتدار قائم رہتا ہے اور ظلم سے اقتدار ختم ہوجاتا ہے۔ عادل حکمران کی فضیلت اور عظمت اسی لئے ہے کہ اسکے عدل سے زندگی کا قافلہ پر امن طور پر رواں دواں رہتا ہے۔ لفظ حکمران کے معنی ومفہوم میں وعست پیدا کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص کو حکمران کہا جاسکتا ہے جو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ وہ بھی امام عادل کی جگہ لے سکتا ہے، اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار واقتدار میں عدل وانصاف سے کام لے اور اپنے ماتحت لوگوں کے حقوق اور مفادات کی حفاظت کرے اور ان پر ظلم کرنے سے خود بھی پرہیز کرے اور دوسروں کو بھی ان پر ظلم نہ کرنے دے تو ایسا صاحب کردار اور صاحب اقتدار بھی قیامت کے دن اللہ کے فضل وکرم سے رحمتِ الٰہی کے سایہ میں رہ سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شاب نشأفي عبادة ربه

وہ نوجوان آدمی جو اپنی جوانی کے دنوں میں عبادت وریاضت اور طاعت ونیکی میں منہمک اور مشغول رہا وہ بھی قیامت کے دن رحمت الٰہی کے سایہ میں رہیگا۔

حدیث شریف میں نوجوان کی تخصیص اس لئے ہے کہ زمانہ شباب میں آدمی پر شہوتوں، خواہشوں اور امنگوں کا غلبہ رہتا ہے ایسی صورت حال میں کسی نوجوان شخص کا اپنے نفس پر قابو رکھنا اور طاعت و عبادت میں لگے رہنا، یہ ایک غیر معمولی بات ہے اور یہ عزیمت وعالی حوصلگی اور پاک ظرفی کی علامت ہے، ایسا نوجوان جو صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف کی وجہ سے گندی اور بدکاری اپنے دامن کو داغ دار ہونے نہیں دیتا ہے تو خود اللہ تعالیٰ اس نوجوان پر متعجب اور مسرور ہوتا ہے۔ تعجب ربك من شباب لسيت له صبوة۔

نفس کیا ہے؟ وہ ایک قوت ہے جو ہر آدمی کے اندر موجود ہے اور یہی وہ قوت ہے جس کی وجہ سے آدمی شہوتوں، لذتوں اور خواہشوں میں گھرا رہتا ہے، اور یہ قوت، مادیت اور روحانیت کے زیر اثر رہتی ہے، گویا نفس، جسم اور روح کے درمیان ہے، جسم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کثیف ہوتا ہے اور روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ

لطیف ہوتی ہے۔ آدمی کے اعمال سے نفس بھی متاثر ہوتا ہے اور روح بھی۔ نیک اعمال سے نفس، لطیف اور پاکیزہ بن جاتا ہے تو برے اعمال سے نفس، کثیف اور گندہ ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ روح کا بھی ہے صالح اعمال سے روح کو زندگی ملتی ہے تو فاسد اعمال سے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ غرض نفس اور روح دونوں بھی پاکیزگی و گندگی اور لطافت و کثافت کے درمیان ہیں۔ جس کا غلبہ ہوگا اسی کا پیکر بن جاتے ہیں۔

نفس کے درجے اور مرتبے ہیں، نفس کی ایک ہی حالت نہیں رہتی، قرآن کریم اور احادیث میں نفس کی مختلف حالتوں کا ذکر ملتا ہے۔ آدمیوں کے نفس ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کسی کا نفس، امارہ ہوتا ہے وہ آدمی کو برائی اور بدی کی طرف مائل اور راغب کرتے رہتا ہے اور اسے برے کام کا حکم دیتے رہتا ہے اور جب آدمی کا نفس پوری طرح امارہ بن جاتا ہے تو وہ برائیوں، گناہوں، زیادتیوں، ناانصافیوں کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ نفس کی اسی حالت اور خاصیت کو سورۃ یوسف میں بیان کیا گیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہے۔

وما ابری نفسی، ان النفس لامارۃ بالسوء الا مارحم ربی۔ اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یہی وہ نفس ہے جو آدمی کو برائی کا بہت حکم دیتا ہے اور آدمی محکوم بن جاتا ہے اور محکومیت اور مغلوبیت سے وہی آدمی محفوظ رہتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے کرم اور مہربانی سے کوئی شخص نفس امارہ کے چنگل سے بچ سکتا ہے۔ حضرات انبیاء اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں ان کا نفس، امارہ نہیں ہوتا ہے اور وہ ان حضرات کرام کو برائی کا حکم نہیں دیتا، اور ان کے نفس کی حالت اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سراسر نیک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام سے قبل نبوت بھی کسی گناہ کا صدور نہیں ہوتا اور بعد نبوت بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اہل سنت و جماعت کے ہاں عقیدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے الانبیاء معصومون قبل النبوۃ و بعد النبوۃ۔ انبیائے کرام نبوت سے پہلے بھی اور نبوت سے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں سورۃ فتح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کے ساتھ ذنب (گناہ) کی نسبت آئی ہوئی ہے اس لفظ کی ظاہری نسبت سے بعض مفسرین کرام نے یہ تفسیر کی ہے۔ اے محمدؐ

ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کی، تا کہ اللہ تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔ اردو زبان میں گناہ کے لفظ سے جو تصور عام لوگوں کے ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ اللہ کی نافرمانی اور بدکاری ہے، لہٰذا ذنب کی تعبیر گناہ کے بجائے خطایا لغزش اور سہو سے کی جائے تو ادب کا پہلو بھی محفوظ ہو جاتا ہے اور عصمت انبیاء کے عقیدہ کا تحفظ بھی ہو جاتا ہے۔ قرآن میں ایک اور مقام پر واستغفر لذنبك (المومن) کے جملے آئے ہیں جنکا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔ آپؐ اپنے گناہوں کی معافی مانگئے، محتاط مفسرین نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ آپؐ اپنی امت کے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے، امام نسفی نے یہاں پر امت کے گناہ مراد لیا ہے۔ أی لذنب أمتك۔

سورۃ المومن کی طرح سورۃ الفتح میں بھی یہی مرادی معنی (امت کے گناہ) لے لئے جائیں تو کوئی حرج پیدا نہیں ہوسکتا واللہ اعلم بالصواب۔

غرض نفس امارہ کے برے ہونے میں کوئی دورائے نہیں، اور اسکی برائی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ہمارا سماج میں روزانہ اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہی رہتی ہیں یہ نفس امارہ ہی کا اثر ہے کہ آدمی اچھی اور بھلی بات کو سمجھتے ہوئے بھی اسے قبول کرنے سے مکر جاتا ہے۔ اور نیکی کی جانب مائل نہیں ہوتا، اور آئے دن اسکی شہوتوں اور خواہشوں کی فہرست طویل سے طویل ترین ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ لذات و شہوات اور خواہشات کے بھنور میں پھنس جاتا ہے اور کسی منزل اور کسی موڑ پر آدمی کی خواہش نفسانی اور قوت شہوانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جیسے لذیذ کھانے نفس کی اشتہاء اور خواہش میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ امام بوصیری کا بڑا مشہور شعر ہے

والنفس كالطفل ان تهمله شب على حب الرضاع وان تفطمه ينفطم

نفس شیر خوار بچہ کی طرح ہے، اگر ماں اسکو دودھ پلاتی ہی رہی تو وہ جوان ہو کر بھی ماں کے سینہ سے دودھ پیتا ہی رہیگا۔ اور اگر ماں سختی اور تدبیر سے کام لیتے ہوئے دودھ پلانا بند کردے تو وہ دودھ پینا چھوڑ دے گا۔ یہی حال نفس کا بھی ہے اگر اسکی ہر خواہش پوری کرتے چلے جائیں تو وہ آدمی کو یکے بعد دیگرے خواہشات میں الجھا کر رکھ دیتا ہے اور آدمی ہوا و ہوس اور حرص میں مبتلا ہو کر نفس امارہ کا غلام بن جاتا ہے۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ نفس کے مکر و فریب کو سمجھنا نہایت ہی دشوار ہے وہ ایک برے عمل کو بھی اس

قدر نیک بنا کر پیش کرتا ہے کہ ہم اس کی ملمع سازی اور دجل وفریب کو سمجھ ہی نہیں سکتے ،اسی لئے صوفیہ نے کہا ہے نفس کی مخالفت کرو بھلے سے وہ کسی نیک میں تمہارا مخلص نظر آئے اور اسکی بات کو جھوٹ ہی خیال کرو اور اسکی پیروی نہ کرو۔

ہر آدمی کے اندر ایک ہی نفس ہوتا ہے مگر اسکی حالت بدلتی رہتی ہے ،ابھی ابھی آپ کے سامنے نفس کی وہ حالت بیان کی گئی جو آدمی کو صرف برائی کا حکم دیتا ہے،اس مناسبت سے اسکا نفس امارہ ہوگیا۔

نفس کی ایک دوسری حالت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کوئی غلطی کر بیٹھے تو اسکا نفس اسے ملامت کرتا ہے،اسی ملامت کا اثر ہے کہ وہ اپنی غلطی پر نادم اور شرم سار ہو جاتا ہے۔اس کیفیت اور حالت کا یہ اثر ہے کہ آدمی معصیت کی دنیا سے نکل کر طاعت کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔۔اس طرح سے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب مائل اور متوجہ ہو جاتا ہے۔ایسے نفس کو لوّامہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔اور اللہ نے ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھائی ہے ولا اقسم بالنفس اللوامہ۔

نفس لوامہ،ایک اچھا نفس ہے اسکی وجہ سے آدمی کے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اسی نور کی وجہ سے آدمی چونک جاتا ہے اور اگر کوئی خطا اور گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ اور استغفار کے ذریعہ اپنے گناہ کا تدارک کر لیتا ہے اور یہی توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ کی یہی وہ کیفیت ہے جو نفس کو لوامہ کے مقام سے اٹھا کر مطمئنہ کے مقام پر پہچا دیتی ہے نفس کی یہی وہ حالت اور کیفیت ہے جسکو نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ صالحین ،کاملین اور عارفین کے نفس کی حالت ہے،اس مقام پر پہنچنے کے بعد نفس، گناہ کے تقاضہ سے مامون اور محفوظ ہو جاتا ہے۔اسی حالت کو سکنیہ کہا گیا ہے۔جس میں نفس کے لئے سکنیت حاصل ہو جاتی ہے۔اور نفس کی غذا طاعت الٰہی اور ذکر الٰہی بن جاتی ہے اور نفس اللہ تعالیٰ کی جانب راغب اور اس سے راضی رہتا ہے۔

قرآن کریم میں نفس مطمئنہ کا ذکر سورۃ الفجر میں آیا ہوا ہے۔یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي۔

اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی جانب اس حالت اور کیفیت میں لوٹ آجا، کہ تو اسکی خوشنودی اور رضا کا طالب بھی اور اسکی رضا کا مطلوب بھی ہو،نفس کی یہ وہ آخری منزل ہے جس میں نفس اللہ سے

راضی اور اللہ نفس سے راضی، اور یہ نفس کی دنیاوی زندگی کا اختتام ہے تو اسکی اخروی زندگی کا آغاز ہے۔ نفس کی فانی زندگی اور باقی زندگی کے برزخی موڑ پر یہ بشارت سنائی جارہی ہے کہ اے نفس مطمئنہ میرے صالح بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

قرآن کریم نے نفس کی پانچ قسموں کی نشاندہی کی ہے۔ پہلی قسم نفس امارہ ہے جسکا ذکر سورہ یوسف میں ہے دوسری قسم نفس لوامہ ہے جسکا ذکر سورۃ القیامہ میں ہے اور تیسری قسم نفس مطمئنہ ہے اور چوتھی قسم نفس راضیہ (اللہ سے راضی نفس) ہے اور پانچویں قسم نفس مرضیہ (نفس سے اللہ راضی) ہے، تیسری، چوتھی اور پانچویں قسم کا ذکر سورۃ الفجر کی آخری آیتوں میں ہے۔

احادیث میں بھی نفس کا ذکر مختلف زاویوں سے ملتا ہے ایک بڑی مشہور حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے جوان مرد اور بہادر وہی ہے جو اپنے نفس پر قابو رکھے۔ صوفیہ کرام کے ہاں نفس سے متعلق بڑی تفصیلات اور تشریحات ملتی ہیں جن کا لب لباب یہی نکلتا ہے کہ آدمی اپنے نفس کو رذائل سے پاک وصاف رکھے اور فضائل سے آراستہ و پیراستہ کرے، اسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں تزکیہ نفس کہا گیا ہے اور اسکی تائید قرآن کریم نے بھی کی ہے کہ آں حضرت ﷺ کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے اور ان کے نفس کی اصلاح کرے۔

آمدم برسر مطلب! دوسرا وہ نوجوان روز قیامت رحمت الٰہی کے سایہ میں ہوگا جو اپنی جوانی اور شباب کے ایام میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہا۔ شباب کا زمانہ اور نفس کی کش مکش یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ ان کے درمیان بُعد اور دوری پیدا کرنا کارے دارد کا معاملہ ہے۔ ایسی حالت اور کیفیت میں کسی نوجوان کا اپنے نفس پر قابو رکھنا اور تزکیہ کرنا اور اللہ کی طاعت وعبادت میں مشغول رہنا، یقیناً ایک عظیم مجاہدہ ہے اور ایک بہت بڑی ریاضت ہے، اسی لئے ایسے جوان صالح کو یہ بشارت سنائی گئی۔

رجل قلبه معلق في المساجد

قیامت کے دن رحمت الٰہی کے زیر سایہ وہ آدمی بھی آجائیگا جسکا دل مساجد میں لگا رہے۔ یہ وہ آدمی ہوگا جسکے ذہن پر مساجد میں حاضری اور ان میں نمازوں کی ادائیگی اور ذکر الٰہی کا تصور اور خیال

چھایا رہیگا۔کسی شخص کی یہ ذہنی اور قلبی کیفیت ہوتو اسکے مومن ہونے کی علامت قرار دی گئی ہے۔اور اس بات کی تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب تم کسی آدمی کو پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتے جاتے دیکھوتو اسکے مومن ہونے کی گواہی دو،فاشھدوا لہ بالایمان۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر یہ وضاحت ملتی ہے کہ مساجد کی تعمیر وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔نماز پڑھتے ہیں،زکوۃ دیتے ہیں،اور صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تعمیر مسجد کے معنی ومفہوم میں کئی پہلو ہیں۔ایک مسجد کا ظاہری ڈھانچہ تعمیر کرنا،دوسرا اسکی پاکی و صفائی کا اہتمام کرنا،تیسرا اسکے شرعی قواعد وحقوق اور آداب کا خیال اور لحاظ رکھنا،چوتھا اس جگہ کو نمازوں کی ادائیگی کے ذریعہ آباد رکھنا،نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد تعمیر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکے لئے جنت میں گھر تعمیر کرتا ہے۔نیز ارشاد فرمایا:

جو آدمی صبح وشام مسجد پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں ایک ممتاز مقام عطا فرماتا ہے۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے مسجد کی ظاہری آبادکاری اور اسکی باطنی آبادکاری کی ہدایت ملتی ہے، مسجد اللہ کے لئے سجدہ گاہ ہے اور سجدہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے،اسی سجدہ گاہ کی وجہ سے مسجد کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ قیامت کے دن مسجدیں فنا ہونے سے مستثنیٰ قرار پاتی ہیں بھلے دنیا میں لوگوں کی غفلت اور بے توجہی کے باعث فنا ہو چکی ہوں،کنز العمال کی حدیث سے یہ صراحت ہورہی ہے کہ قیامت کے روز مساجد کے سوا ساری زمین فنا ہو جائے گی اور روئے زمین کی ساری مسجدیں ایک دوسرے سے ضم ہو جائیں گی۔

مساجد کے فنا نہ ہونے کی صورت اور شکل کیسے ہوگی اور وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہونے کی نوعیت کیسی ہوگی،اسکی تشریح مشکل ہے،اور یہ بات غیب سے جڑی ہے اور اسکی جو بھی صورت اور نوعیت ہوگی وہ قیامت کے دن نمایاں ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔

اسلامی معاشرہ میں مسجد کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے،آج بھی اسی سے مسلمانوں کے درمیان

شیرازہ بندی ہوسکتی ہے اور اسی کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان باہمی تعارف و ملاقات اور ربط وضبط اور میل جول کی صورت باقی ہے۔ اسکے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو سارے مسلمانوں کو ایک مقام پر جمع کرسکے۔ یہ مسجدیں ہی ہیں جو مسلمانوں کے سارے طبقات کو ایک دوسرے سے صبح وشام پانچ مرتبہ جوڑے رکھتی ہیں اگر مساجد میں پہنچ کر نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا شرعی حکم نہ ہوتا تو آج شاید ہی مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے مل پاتے۔ اور قریب ہوتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے تو سب سے پہلا کام آپ نے جو کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی، اسی مسجد نے مدینہ منورہ میں موجود مختلف جنس وعلاقہ اور قبیلہ کے مسلمانوں کو باہم شیر وشکر کردیا، اور اجتماعیت و یگانگت کی فضا پیدا کردی اور ان کے درمیان اجنبیت وغیریت اور جنسیت جیسے امتیازات کو ختم کردیا جسکا سب سے پہلا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ پہنچنے والے مسلمانوں اور مقامی مسلمانوں کے ساتھ تعلقات استوار اور مضبوط و مستحکم ہوے۔ چشم فلک نے پھر ایسی نظیر نہیں دیکھی جیسی حضرات صحابہ نے قائم کی، کیا آج کے کسی مسلم ملک اور سماج میں ایسا کردار دیکھنے کو مل سکتا ہے کہ وہ کسی غیر ملکی مسلمانوں کو اپنے ملک کے شہری اور ملکی قرار دیتے ہوں ایں محال است ومحال۔

مسجد نبویؐ ہی سے درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا آغاز ہوا پھر وہ ایک مدرسہ کی شکل اختیار کرگئی۔ مسجد نبویؐ سے تزکیہ وتطہیر کا کام شروع ہوا پھر وہ صفہ نامی چبوترہ کی شکل میں خانقاہ بن گئی۔ مسجد نبویؐ ہی سے اصلاح اور تبلیغ کا کام شروع ہوا پھر وہ مرکز دعوت واصلاح اختیار بن گئی، مسجد نبویؐ ہی سے سیاسی وسماجی اور عائلی ومعاشرتی مسائل حل ہونے لگے اس طرح یہی مسجد ایک دارالقضاۃ اور پارلیمنٹ کا کردار ادا کرنے لگی۔

مسجد نبویؐ کا یہ مجموعی اور عمومی کردار دور نبویؐ اور دور خلفائے راشدین میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت تک قائم رہا تاہم اموی دور اور عباسی دور وغیرہ میں بھی مساجد نے اس نوع کے کردار کو جزوی حد تک سنبھالا، اسکے بعد مساجد وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں مقید ہوکر رہ گئیں۔ مساجد ملت اسلامی کی عظیم شعار ہیں اور ان کا یہ شعار آج بھی باقی ہے اور مساجد جس خطۂ زمین پر موجود رہیں گی وہ خطہ اور حصہ مسلم آبادی کے وجود کی ایک نشانی اور علامت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک بیان کتب حدیث میں ملتا ہے

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ کے اس حکم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان جس خطۂ زمین میں بھی بودوباش اختیار کرلیں وہاں ان کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ ان کی آبادی کے مختلف حصوں میں مساجد تعمیر کی جائیں۔ اور مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب وہ کسی شہر میں مسجد دیکھ لیں یا اذان کی آواز سن لیں تو اس خطۂ زمین میں اعلاء حکمۃ اللہ کیلئے جہاد نہیں ہے۔

احادیث میں مسجد کے حوالہ سے کافی مواد ملتا ہے اور اسکی روشنی میں مسجد کی مختلف اور متعدد جہتیں نمودار ہوتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اللہ کے پاس زمین کا وہ حصہ سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے جس پر مسجد تعمیر کی گئی ہو اور زمین کا وہ حصہ بہت ہی ناپسندیدہ ہے جس پر بازار لگا ہو۔ مساجد اللہ کی پسندیدہ جگہ ہونے کی وجہ سے ان پر اللہ کی رحمت برستی ہے اور اس کے نور کی بارش ہوتی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے انوار اور تجلیات کا مرکز و منبع روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد بیت اللہ الحرام ہے۔ یہیں سے نور کی کرنیں دنیا جہاں کی مسجدوں پر پڑتی ہیں اور تجلی الٰہی کی پرنور کرنیں اور شعاعیں ساری مسجدوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور بقعۂ نور بن جاتی ہیں۔ مسجد الحرام کو ایک مرکزی بجلی گھر کہئے جہاں سے روشنی ہر مسجد کو پہنچتی رہتی ہے۔ شاید یہ طالب علمانہ استنباط غلط نہ ہوگا کہ مساجد رب تعالیٰ کی تجلی گاہ ہونے کے باعث قیامت کے دن فنا ہونے سے محفوظ رہ جائیں گی۔

مسجد اللہ کا گھر ہے اور اس میں جو مسلمان بھی داخل ہوگا، وہ خدا کا مہمان قرار پائے گا مہمان خدا ہونے کا آخرت میں یہ اعزاز ملے گا کہ اللہ تعالیٰ نمازی کو پل صراط سے گذار کر جنت میں پہنچا دیگا اور اللہ نے یہ ضمانت محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا، جب تم جنت کے باغات سے گذرو تو خوب سیراب ہوکر کھا پی لو، صحابہ نے دریافت فرمایا، جنت کے باغات کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: جنت کے باغات مسجدیں ہیں، صحابہ پر یہ بات کھل نہ سکی تو مزید وضاحت چاہی، ارشاد فرمایا، سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد کثرت سے کرو، یہی آسودگی اور سیرابی ہے اور یہی جنت کے باغات ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کو جنت کے باغات قرار دیا، اور ان میں اللہ کے مقدس نام کو بلند کرنے کی ہدایت فرمائی، اور مسجدوں کو روئے زمین کا بہترین اور پر امن حصہ قرار دیا، اور ان میں داخل ہونے کے خصوصی آداب بتلائے اور دعائیں سکھلائیں، ان میں فرض نمازوں کی ادائیگی پر بڑے ثواب کی بشارت سنائی غرضیکہ اس طرح کی ایک دو نہیں سینکڑوں ہدایتیں اور تاکیدیں دیں لیکن موجودہ زمانے میں مساجد سے متعلق یہ بڑا المیہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسجدیں دنیا کے باغات بنتی چلی جارہی ہیں، اور فتنوں کی جگہ بنتی جارہی ہیں اور وہ تعمیری پہلو سے باہمی فخر و مباہات، شان و شوکت اور سبقت کی جولان گاہ بنتی جارہی ہیں، اور یہ بڑا ہی عبرتناک اور قابل اصلاح پہلو ہے۔

مسجد کے آداب کی رعایت سے متعلق ایک بزرگ کی بڑی نصیحت آموز بات آپ کو سنا دیتا ہوں جو بہت ہی مشہور ہے۔

ایک بزرگ کے بارے میں یہ بات ہر طرف سے مشہور تھی کہ وہ نہایت نیک ومتقی اور صاحب کرامات ہیں، ایک اور بزرگ کے دل میں ان سے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور ان کی زیارت وملاقات کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ان تک پہنچے تو دیکھا کہ یہ مشہور بزرگ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے صحن مسجد میں تھوک دیے۔ ملاقات کے مشتاق اور متمنی بزرگ ان سے ملے بغیر ہی واپس چلے آئے۔ احباب نے ان سے پوچھا آپ تو بڑے اشتیاق کے ساتھ ملاقات کے لئے گئے تھے لیکن ملے بغیر ہی کیوں واپس چلے آئے تو انہوں نے مذکورہ واقعہ سناتے ہوئے فرمایا جو اللہ کے گھر جانے کے آداب کا لحاظ نہیں کرتا وہ بھلا اللہ کا ولی کیسے ہوسکتا ہے۔

مشہور صوفی بزرگ امام سفیان ثوری کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ غفلت سے مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنا بایاں پیر رکھا تو غیب سے آواز آئی یا ثور، اے بیل، غیب سے تنبیہ ہوئی کہ تم صاحب ولایت ہو اور اپنے محبوب کے گھر میں داخل ہونے کے آداب کا خیال نہیں رکھتے ہو، ایسے عمل کا صدور ایک بیل ہی سے ہوسکتا ہے جو بے عقل ہے اور بے عقل سے ادب کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

مساجد کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشن گوئی ہے کہ مسجدوں میں آوازیں

بلند ہوں گی۔ موجودہ زمانے میں اسکی متعدد صورتیں ہمارے سامنے آچکی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد میں کسی نہ کسی نمازی کے موبائیل سے موسیقی، گانا یا حمد و نعت اور نظم کی آواز بلند نہ ہوتی ہو۔ اگر آوازوں کی بلندی اور ارتفاع سے لڑائیوں اور جھگڑوں کی آوازیں مراد لیں تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ آج ہماری مسجدوں کے درودیوار ایسی آوازوں اور چیخ و پکار سے بڑی حد تک مانوس نظر آتے ہیں۔ کبھی یہ آوازیں مساجد کمیٹی کے افراد اور اشخاص کے درمیان بلند ہوتی ہیں تو کبھی اہل محلّہ اور انتظامیہ کے درمیان بلند ہوتی رہتی ہیں اور کبھی خانگی و معاشرتی اور سیاسی اختلافات پر مبنی آوازیں اونچی ہوتی ہیں، غرض حدیث کا مصداق اور محمل شاید یہی دور ہے جسکی نسبت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتفع الاصوات فی المساجد۔

موجودہ زمانے میں ایک افسوس ناک پہلو یہ سامنے آگیا ہے کہ لوگ صرف نماز کی حد تک ائمہ مساجد کی اتباع کرتے نظر آتے ہیں، نماز ختم ہوتے ہی دیگر سارے امور و معاملات میں ائمہ کو اپنی اتباع کا پابند سمجھتے ہیں اور اکثر مساجد کمیٹیوں کے اراکین کی اکثریت ایسی ہے کہ ائمہ کو اپنا خادم خیال کرنے لگی ہے، اس صورت حال کا نتیجہ یہ سامنے آرہا ہے کہ دینی درسگاہوں سے فارغ ہونے والے علماء و فضلاء اور حفاظ منصب امامت قبول کرنے سے احتراز کررہے ہیں اور غیر سند یافتہ افراد امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں جسکی وجہ سے مساجد میں تعلیم و تدریس اور وعظ و نصیحت کا پہلو تاریک ہوتے جارہا ہے۔ بالخصوص خطبات جمعہ کی افادیت ختم ہوتی چلی جارہی ہے یہی وہ خطبات ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کو شرعی احکام عصری مسائل اور حالات حاضرہ اور زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں سے واقف اور روشناس کرایا جاسکتا ہے ماضی میں قوم کی امامت و قیادت اسی منبر سے جڑی ہوئی تھی لیکن آج منبر اسی قیادت و امامت کوترستے نظر آتے ہیں۔

علامہ اقبال نے کہا تھا،

قوم کیا ہے اور قوموں کی امامت کیا ہے کیا جانے یہ بیچارہ دو رکعت کا امام

اقبال مرحوم نے دو رکعت کا امام کہہ کر موجودہ زمانے کے ائمہ مساجد میں علمی و فقہی بصیرت اور زمانہ شناسی کے فقدان کی طرف اشارہ کردیا جسکے باعث منصب امامت کا وقار مجروح ہوگیا۔ علاوہ ازیں

بڑی حد تک مساجد کے سادہ لوح دینی علم سے نا آشنا منتظمین حضرات بھی اس منصب کی بے قدری کے ذمہ دار ہیں جنہیں ائمہ کرام اور موذنین حضرات کے دینی مقام ومرتبہ اوران کے حقوق کا علم کم ہی رہتا ہے اور ان کے اوپر مساجد سے متعلق عائد ہونے والے فرائض کا علم بھی کم ہی رہتا ہے۔ آخرت میں مسجد کے متعلق ان کے ایک ایک قول اور ایک ایک عمل کا حساب لیا جائیگا، اس مسئولیت اور جواب دہی کے احساس سے فکر میں کمی رہتی ہے ان اسباب کی وجہ سے مساجد کا نظام دینی وشرعی بلکہ انسانی واخلاقی قدروں سے خالی ہوتے جارہا ہے جس کے باعث منبر ومحراب سے کوئی تعلیمی، اصلاحی، تعمیری، ترقیاتی اور سچائی سے بھری آواز دور دور تک سنائی نہیں دے رہی ہے اور معاشرہ میں مساجد کا کردار غیر موثر ہوتے جارہا ہے۔ اگر مساجد کے منتظمین کو تولیت سے متعلق شرعی احکام اور مسائل معلوم ہوجائیں اور آخرت میں مواخذہ کی شدت معلوم ہوجائے تو شاید ہی لوگ مساجد کے متولی ہونا پسند کریں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو امام اور خلیفہ مقرر کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قدرے توقف وتاخیر کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو امام اور خلیفہ تسلیم کرلیا۔ حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے جو غیر بطن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھے اور وہ علوی تھے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے پوچھا۔ ابا جان! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آپ کو امام وخلیفہ مقرر کرنے کے لئے وصیت کی تھی۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا، نہیں نہیں، اگر ایسی کوئی وصیت ہوتی اور اس وصیت کا علم صرف اور صرف مجھ ہی کو ہوتا تو جب بھی میں علی الاعلان اس بات کا اعلان اور انکشاف کردیتا، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی وصیت میرے بارے میں نہیں کی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مقام ومرتبہ اور تعلق وقرابت کو جانتے ہوئے بھی اپنی زندگی میں حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو خلافت کے مسئلہ میں مجھے سوچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے سوچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو اپنی زندگی میں ہمارے دین کے لئے امام مقرر کیا تو ہم ایسے شخص کو اپنی دنیا کے لئے امام کیوں نہ تسلیم کرلیں، اسی خیال نے مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام وخلیفہ تسلیم کرنے پر آمادہ کیا، اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول مبنی برحق واعتراف حقیقت ہے لیکن شیعان علیؓ کے نزدیک مبنی برخوف ہے، جیسا کہ یہ تفصیل حضرت ذوقی ویلوری علیہ الرحمہ نے اپنے

مکتوبات میں بیان کی ہے۔اس روایت سے ہٹ کر درایت کے پہلو سے اس قول کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات بڑی عجیب وغریب سی لگتی ہے۔حضرت علی شیر خدا جیسے حق گو اور حق پسند صحابی و داماد رسول اور عم زاد رسول ؐ کسی خوف سے ایسی بات کہہ دیں جسکو کوئی بھی ذی علم شخص تسلیم نہیں کرسکتا جو سیرت علیؓ سے واقف ہو

امامت اور ائمہ مساجد سے متعلق سیاق میں پیش کردہ تفصیلات کے ضمن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول اور عمل کو پیش کرنے کا منشا اور مقصد امامت اور امام کے تصور کو واضح کرنا تھا، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاں پایا جاتا ہے ایسے جلیل القدر منصب اور اسکے حاملین سے متعلق عہد حاضر کے تصورات کا تقابل کیا جائے زمین دیگر اور آسمان دیگر کی مثال سامنے آجاتی ہے۔

غرض مساجد سے منسلک اور مربوط موضوعات کی مختصر سی وضاحت کے بعد اب ہم حدیث زیر بحث میں آئی ہوئی بات کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایسا آدمی جسکا دل مساجد میں لگا رہتا ہے وہ بھی قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے سایہ میں رہیگا۔

ورجلان تحابافی اللہ واجتمعاعلیہ وتفرقا علیہ

اور وہ دو آدمی جو محض اللہ کی محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے اور ایک دوسرے سے محبت والفت کی اور اللہ کی محبت میں ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ان کا مجتمع ہونا بھی اللہ کی خاطر رہا اور ان کا متفرق ہونا بھی اللہ کی خاطر رہا۔تو ایسے دو شخص بھی قیامت میں اللہ کی رحمت کے سایہ میں رہیں گے۔

اس حدیث سے ایک روشنی یہ ملتی ہے کہ دنیا میں جس کسی سے ساتھ دوستی کریں، محبت کریں اور تعلق پیدا کریں، اسکے اندر اخلاص وللّٰہیت اور اللہ کی رضا وخوشنودی پیش نظر رہنی چاہیئے۔دنیاوی مفادات اور ذاتی اغراض ومقاصد اور مصالح وفوائد کو سامنے رکھتے ہوئے دوستی نہیں کرنی چاہیئے۔اور اسی طرح کسی سے دوستی چھوڑ دیں اور رشتہ داری کو ختم کرلیں اور قطع تعلق کرلیں تو یہ بھی اللہ کی خاطر ہی ہونا چاہیئے۔اس ترک تعلق اور دوری میں بھی ذاتی دشمنی، کینہ وبغض، حسد وجلن، دنیاوی اغراض اور ذاتی مصالح اور فوائد کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیئے۔اس افتراق میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی پیش نظر رہنی چاہیئے۔ظاہر بات ہے کسی سے دوستی اور ترک تعلق اور نفرت کی صورت ایک ہی ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص بدعقیدہ اور بدعمل ہو اور بدکردار ہو ایسے آدمی سے جدائی بھی اللہ کی خاطر ہونی چاہیئے، یہاں ایک سوال کسی کے ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ

ایسے فرد سے کنارہ کشی اختیار کی جائے تو پھر اسکی اصلاح و درستگی کیونکر ہوگی بلکہ ایسے آدمی سے دوستی اور تعلق برقرار رکھنا چاہیئے تاکہ اس کو راہ راست لایا جاسکے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اسکی اصلاح و درستگی کے خیال سے تعلق رکھنا چاہیئے لیکن جب اس تعلق سے کوئی اصلاح و تبدیلی کے آثار نظر نہیں آرہے ہیں تو اللہ ہی کی خاطر جدائی اختیار کر لینی چاہیئے تاکہ اسکی بدعقیدگی و بے عملی اور بداخلاقی کا اثر ہم پر نہ ہوسکے۔ یہی وجہ ہے ایک حدیث میں یہ ہدایت دی گئی الحب للہ و البغض للہ۔ کسی سے محبت بھی اللہ کے لئے ہو اور کسی سے نفرت بھی اللہ کے لئے ہو۔

محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک اختیاری ہوتی ہے جس میں آدمی اپنے قصد و ارادہ اور خواہش و پسند کے ساتھ کسی سے محبت کرتا ہے اور اس سے تعلق استوار کرتا ہے۔ اور ایک محبت غیر اختیاری ہوتی ہے جس میں کسی کے ساتھ قلبی محبت ہوتی ہے۔ اور اسکے ساتھ دلی رغبت ہوتی اور ذہنی اور قلبی رجحان اسکی طرف رہتا ہے۔

یہ دونوں محبتیں اپنی جگہ صحیح ہیں جن کو فطری اور غیر فطری محبت کہا جاسکتا ہے۔ کوئی بھی محبت فطری ہو یا غیر فطری، اختیاری ہو غیر اختیاری اسکے اندر اہم اور بنیادی چیز اللہ کی محبت مقدم رہنی چاہیئے اور کسی بھی محبت میں اس قدر مغلوب نہیں ہونا چاہیئے اس محبت کی وجہ سے اللہ اور اسکے رسول کی محبت کمزور ہوجائے یا اس محبت کی وجہ سے اللہ اور اسکے رسول کے احکامات خلاف ورزی ہوجائے۔ اگر ایسی محبت کسی دل میں سما جائے تو وہ ایمان کو ناقص اور کمزور کردیتی ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت ایک حدیث سے بخوبی ہوسکتی ہے جسکو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کسی نے اللہ کی خاطر کسی کے ساتھ محبت کی، اللہ کی خاطر کسی کے ساتھ دشمنی کی، اللہ کی خاطر کسی پر اپنا مال خرچ کیا، اللہ ہی کی خاطر کسی پر اپنا مال خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیا تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا۔

اس حدیث سے یہ بات صاف ہوچکی کہ ہماری محبتوں اور الفتوں کی بنیاد اللہ کی محبت پر قائم ہونی چاہیئے اور ان ہی محبتوں اور الفتوں کی کوکھ سے جو جو بھی اعمال صادر ہوں گے اور ان اعمال کی بنیاد بھی اللہ

کی محبت ہونی چاہیے۔

اس حدیث کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ایک دوست سے ملاقات کی غرض و غایت محض اللہ کی رضا ہے، ارشاد نبویؐ ہے، جب کوئی مسلمان اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اسکے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں، اے اللہ! یہ بندہ صرف آپ کی محبت میں اپنے دوست سے ملاقات کرنے کے لئے جارہا ہے۔آپ اس کے اس عمل کی جزا اپنے قرب سے دیجئے۔

دوست سے ملنا ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس چھوٹی سی بات میں بھی اللہ کی رضا شامل ہے تو دیگر سارے اعمال جو دوستوں کے لئے انجام دئے جاتے ہیں اگر ان میں اللہ کی رضا پیش نظر ہے تو اجر وثواب کا کیا عالم ہوگا۔قیاس زگلستان من ز بہارِ مرا۔

مذکورہ حدیث میں ایک دوست سے ملاقات کرنے کا صلہ اللہ کے قرب کی صورت میں مل رہا ہے اور ایک حدیث قدسی کے مضمون میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ جولوگ ان اعمال کو اللہ کی رضا کے خاطر انجام دیں گے ان کا صلہ اور اجر اللہ تعالیٰ کی محبت کی صورت میں دیا جائے گا۔اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ایسے لوگوں کے لئے اپنے اوپر محبت کو واجب ٹھہرالے رہے ہیں۔حدیث قدسی کے الفاظ ہیں۔

وجبت محبتی للمتحابین فی والمتحالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی۔

جولوگ میری خاطر ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور ربط وضبط رکھتے ہیں اور میری خاطر باہم مل بیٹھے ہیں اور میرے لئے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور میری خاطر ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے ہیں اور اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے میری محبت واجب ہوجاتی ہے۔

مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں اسی موضوع سے ملتی جلتی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جولوگ محض اللہ کی خاطر دوسروں سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت میں ان کی جانب متوجہ ہوکر ارشاد فرماتے ہیں۔

میرے وہ بندے کہاں ہیں جو میری عظمت وجلالت کی خاطر آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے تھے،آج کے دن میں ان کو عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا، یہ دن ہوگا جس میں میرے سایہ عرش کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

ن الله يقول يوم القيامه ، اين المتحابون بجلالي، اليوم اظلهم في ظلي ، يو لاظل الاظلي ،

دوست واحباب سے ضرورتوں کی تکمیل اور امداد کی تحصیل کوئی بری بات نہیں ہے لیکن بری بات ہے کہ فائدوں کی تحصیل اور ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر ہی دوستیاں کی جائیں اور تعلقات استوار کئے جائیں۔اور اس طرح دوستوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا بھی ایک اچھی اور بھلی بات ہے لیکن اس تعاون میں اپنی ذاتی اغراض اور مفادات کو شامل کرنا ایک بری اور غیر اخلاقی بات ہے۔اسی لئے احادیث میں ہر نیک کام کے اندر اخلاص ومحبت کو داخل اور شامل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے تاکہ ضروریات کے پورے نہ ہونے اور مفادات کو ٹھیس پہنچنے پر دوستیاں، دشمنیوں میں تبدیل نہ ہو جائیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کسی آدمی کے ساتھ محبت والفت میں خلوص وللّٰہیت سے مراد یہ ہے کہ دونوں شخص اللہ کی محبت پر قائم رہیں۔دنیاوی امور ومعاملات اور مفادات واغراض کی وجہ سے باہم دوستی ختم نہ کرلیں، یہاں تک موت ہی ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کرے،ایسی محبت والفت رکھنے والے دو آدمی روز قیامت اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔

محبت میں ایک ایسی کشش و جاذبیت ہے کہ جب کسی کے ساتھ کسی کو محبت ہو جاتی ہے تو وہ اسکی صحبت کو پسند کرتا ہے اور اسکے دیدار کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے اور اس سے دور رہنا پسند نہیں کرتا، اسی لئے اسلام نے صالحین کی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت دی۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے کونوا مع الصادقین ،سچ بولنے والوں کو صحبت میں رہو۔کسی شخص کا سچا ہونا ہی اسکے صالح اور نیک ہونے کی پہچان ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جہاں سچائی ہے وہاں نیکی ہے اور جہاں جھوٹ ہے وہاں بدی ہے، صاحب صدق وصفا کی صحبت میں رہنے سے آدمی خوش اخلاق اور صالح کردار کا مالک بن جاتا ہے۔اور صاحب کذب وبد کی صحبت میں رہنے سے آدمی بد اخلاق اور بدکردار بن جاتا ہے اسی لئے شریعت مطہرہ میں نیک صحبت اختیار کرنے کی غیر معمولی اہمیت اور فضیلت آئی ہے، کسی کی صحبت کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو وہ اپنا اثر ظاہر کرتی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمدہ مثال کے ذریعہ اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔آدمی عطر کی دکان میں چند ہی لمحے گذار لے تو اسکے کپڑوں میں خوشبو سرایت کر جاتی ہے اور ذہن ودل اور روح کو سرور حاصل ہوتا ہے۔اور اگر آدمی کسی لوہار کی دکان میں چند

ہی لمحے بیٹھ جائے تو اسکے کپڑوں میں بد بو پھیل جاتی ہے اور یہ بد بو اسکے ذہن و دل کو مکدر کر دیتی ہے۔ یہی حالت اور کیفیت نیک صحبت اور بری صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے سے ان کی سیرت و کردار کا عکس ہماری سیرت و کردار پر پڑتا ہے۔

اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ آدمی جب کسی کی صحبت میں رہتا ہے تو شعوری اور غیر شعوری طور پر اسکے عادات واطوار قبول کر لیتا ہے اور اسکے نظریات وخیالات کی چھاپ اسکے ذہن و دل پر پڑ جاتی ہے۔

امام غزالیؒ نے بھی وضاحت کی ہے کہ انسان کی طبیعت اور اسکے مزاج میں فطری طور پر تقلید اور نقل کا مادہ رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی عادتوں، خصلتوں کو شعوری اور غیر شعوری طور پر اختیار کر لیتا ہے یہی وہ نکتہ ہے جسکی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارہ فرمایا: المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل ۔آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ کسی کو دوست بنانے سے پہلے غور وفکر سے کام لیں، عربوں کی کہاوت ہے کسی شخص کی سیرت و کردار اور چال چلن کے بارے میں دریافت کرنی ہو تو اسکے دوست کو دیکھ لو، دوست جس کردار کا مالک ہوگا وہ آدمی بھی اسی کردار کا مالک رہیگا۔

صحبت کی کیمیا اثری اور اثر آفرین سے متعلق مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں لکھا ہے۔ نیک صحبت آدمی کو نیک بنا دیتی ہے، بری صحبت آدمی کو برا بنا دیتی ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند

مولانا روم نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اولیائے کرام کی صحبت میں کچھ دیر رہنا سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

یک زمانہ باصحبتے اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی مشہور حدیث ہے لا یشقی جلیسھم، صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے والا بد بخت نہیں ہو سکتا اور ان سے محبت کرنے والا اور انس رکھنے والا کبھی ناکام اور نامراد نہیں ہوتا۔

یہ سعادت اور کامرانی دینا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ صالحین کی صحبت میں رہنے والا اوران سے محبت کرنے والا آخرت میں ان کا مصاحب رہیگا۔ المرء مع من احبہ۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے۔ اس حدیث کی مزید وضاحت اور تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ صرف اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قیامت کے دن باہم جمع کریں گے، خواہ ایک مشرق میں رہا ہو اور دوسرا مغرب میں رہا ہو، سیاق میں گذری ہوئی حدیث کو یہاں ملاکر پڑھ لیں تو مفہوم وسعت ہوگی، جس میں یہ کہا گیا ہے جن لوگوں میں غائبانہ محبت رہی ان کو بھی اللہ قیامت میں باہم جمع کریں گے۔

مشکٰوۃ کی ایک حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صاحب تشریف لائے اور آپؐ سے پوچھا، قیامت کب آئے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے دریافت کیا، کیا تم نے قیامت کے لئے تیاری کرلی ہے؟ انہوں نے جواب دیا، تیاری تو نہیں کی ہے لیکن اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا، انت مع من احببت۔ تم اسی کے ساتھ رہوگے جسکے ساتھ تم کو محبت ہے۔

مذکورہ احادیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت روشن ہوچکی ہے کہ محبت کے فوائد اور اسکے اثرات اور ثمرات دنیا تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ محبت آخرت میں نفع پہنچائے گی جب کہ یہ محبت صرف اللہ کے لئے کی گئی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے جسکو حضرت ابوذر غفاری نے نقل کیا ہے۔

افضل الاعمال الحب فی اللہ و البغض فی اللہ۔ اعمال اور نیکیوں میں سب سے افضل اور عمدہ ترین عمل اور نیکی یہ ہے کہ کسی کے ساتھ محبت کریں تو اللہ کی خاطر، اور کسی کے ساتھ نفرت کریں تو بھی اللہ کی خاطر۔ موجودہ زمانے کا یہ عظیم دینی اور اخلاقی المیہ ہے کہ مذکورہ حدیث کے مصداق لوگ دور دور تک نظر نہیں آتے۔ جہاں کہیں دیکھئے محبتیں بھی دنیاوی مفادات کے زیر اثر ہیں اور نفرتیں بھی ذاتی مقاصد کے زیر اثر ہیں۔ اور یہ روش صرف دوست و احباب تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی یہی روش ہے۔ یہاں بھی صلہ رحمی اور قطع رحمی دونوں بھی دنیاوی مفادات کے زیر اثر ہیں اور ایسی مثال نہیں مل رہی ہے کہ کسی نے کسی کے ساتھ محض اس لئے تعلقات منقطع کرلئے ہیں کہ اس نے غیر شرعی روش اختیار کرلی

ہے اسی ماحول کا اثر ہے کہ محبتوں میں بھی خلوص نہ رہا اور نفرتوں میں بھی للّٰہیت نہ رہی۔ پھر بھلا یہ منظر کہاں تحابافی اللہ و تفرقا علیہ۔

☆☆☆☆☆☆☆

ورجل طلبته امراةذات منصب و جمال فقال انی اخاف اللہ

روز قیامت سایہ کردگار میں رہنے والوں میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کو جاہ و منصب کی مالکہ اور دولت وثروت کی مالکہ اور حسن و جمال کی پیکر خاتون اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے طلب کرے تو وہ اس کی طرف مائل اور راغب نہ ہو اور کہہ کر انکار کردے۔ انی اخاف اللہ۔ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

اس قول میں دو باتوں کا احتمال ہے، ایک یہ ہے کہ وہ اپنی زبان کہہ دے، انی اخاف اللہ دوسرا یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں اللہ کا خوف محسوس کرے اور خاموشی کے ساتھ اس ماحول سے خود کو علحدہ کرے اور وہاں سے چل دے۔

حدیث کا یہ جملہ ذات منصب و جمال ، بڑی اہمیت رکھتا ہے، ایسی خاتون جو سراپا حسن ہو اور صاحب اقتدار و منصب ہو اور دولت وثروت کی مالکہ بھی ہو، اور وہ خود ہی آگے بڑھ کر جنسی عمل کے لئے دعوت دینے والی ہو تو ایک نوجوان شخص کا ایسی عورت کی طرف مائل ہونا اور اس پر فریفتہ ہوجانا ایک طبعی تقاضہ ہے، اس طرح کے محرکات اور اسباب کے باوجود ایک نوجوان کا محض اللہ کی خاطر اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور عورت کی طرف التفات نہ کرنا، یہ یقیناً تقویٰ کا ایک اعلیٰ مقام ہے، ایسے ہی شخص کے بارے میں قرآن کریم کا یہ بیان ہے، واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ۔ جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہونے سے خوف کھائے اور اپنے نفس کو شہوت اور گناہ سے روک رکھے تو اسکا ٹھکانہ جنت ہے۔

کسی شخص کا اپنے نفس پر قابو رکھنا، خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا، یہ اس کے لئے آسان ہے جسکے دل میں اللہ کے روبرو کھڑے رہنے اور حساب و کتاب دینے کا خوف اور احساس ہو، یہی وہ احساس

ہے جسکے باعث آدمی ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہ سکتا ہے، کسی عورت کے ساتھ بدکاری سے دور رہنے میں خوف خدا کا جہاں دخل ہوتا ہے وہاں انسان کی غیریت کا بھی دخل ہوتا ہے اور غیرت کا مادہ انسان کی طبیعت اور فطرت میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے غیرت کا تحفظ فرمایا اور اسکے ختم ہونے کے اسباب ومحرکات پر روک لگادی، چنانچہ شریعت مطہرہ نے زنا کاری وبدکاری کو حرام قرار دیا تو اسکے اسباب اور عوامل پر بھی پابندی عائد کردی تا کہ اسکی طرف داعیہ پیدا کرنے والی چیزوں سے بھی لوگوں کو دور رکھا جائے۔

حضرت جعفر طیار نے زمانہ جاہلیت میں سانس لی لیکن ان کی شخصیت اس وقت کے جاہلی معاشرہ کے اثرات سے پوری طرح محفوظ رہی، حدیث کی کتابوں میں ان کی چار عمدہ خصلتوں کا ذکر ملتا ہے جن کی وجہ سے اللہ نے انہیں محبوب رکھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا،تمہاری وہ چار عادتیں کیا ہیں جن کی وجہ سے تم اللہ کے نزدیک محبوب بندے ہیں۔ حضرت جعفر نے عرض کیا۔ خدا کے رسولؐ میں نے کبھی شراب نہیں پی، اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ شراب پینے سے عقل زائل ہوجاتی ہے۔ اور میں نے کبھی کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا، کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ بت مجھے کوئی نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور میں نے کبھی زنا نہیں کیا، اس لئے کہ میرے نزدیک یہ بات انتہائی غیرت والی تھی، اور میں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، کیونکہ جھوٹ کہنے میں مجھے کمینہ پن اور رزالت کا احساس ہوتا تھا۔

حضرت جعفر کے واقعہ سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ آدمی کے اندر غیرت ہی اصل جوہر ہے اسی کی موجودگی سے شرافت کا ظہور ہے اور اس کی عدم موجودگی سے رزالت ظاہر ہوتی ہے، بعض بزرگوں نے جو کہا ہے شریف سے خطا نہیں، رزیل سے وفا نہیں ہے، یہ غیرت کی موجودگی اور عدم موجودگی کا نتیجہ ہے۔

غیرت کو دوسرے لفظوں میں حیا کہہ سکتے ہیں، حیا کیا ہے، وہ ایک شریف خصلت اور عمدہ عادت ہے، جسکی بدولت دنیا کا نظم ونسق قائم ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان سے صفت حیا ختم ہوجائے تو کوئی شخص کسی شخص سے شرم نہیں کرے گا، اور کوئی کسی کا پاس ولحاظ نہیں رکھے گا، اور یہ بے شرمی وبے حیائی اور بے غیرتی دنیا کے نظام کو تہہ وبالا کردیں گے۔ اور لوگوں کے مصالح اور فوائد جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہیں، یہ سب ختم ہوکر رہ جائیں گے۔ اور ہر آدمی ہر چہ خواہد بکند کی مثال بن جائے اور جو چاہے کر گذرے

گا۔اسی لئے دنیا کے نظام کو درست اور باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان شرم وحیا باقی رہے۔ یہ شرم وحیا ہی ہے جسکی وجہ سے آدمی گناہوں اور بدکاریوں سے دور رہتا ہے، اور اگر کبھی نفس اور خواہش کی وجہ سے کوئی غلطی اس سے صادر ہو جاتی ہے تو اپنے کئے پر شرم سار اور پشیمان ہو جاتا ہے اور یہ صفت حیا کا اثر ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ اللہ نے آپ کو جنت میں گیہوں کھانے سے منع فرمایا۔ شیطان نے وسوسہ کے ذریعہ آپ کو گیہوں کھلا دیا تو آپ کے بدن مبارک سے لباس اتار لیا گیا، آپ سیدھے بائیں جانب بھاگنے لگے اور درختوں کے پیچھے چھپنے لگے تو اللہ نے آپ سے خطاب کیا، اے آدم! کیا ہم سے بھاگ رہے ہو؟ آپ نے عرض کیا، نہیں نہیں اے پرودگار تجھ سے کیسے بھاگ سکتا ہوں اور کہاں بھاگ سکتا ہوں، میں اپنی خطا پر نادم اور شرمندہ ہوں۔

غرض حیا کے حوالے سے حضرت آدم علیہ السلام کی بات نوک زبان پر آ گئی، عرض یہ کرنا ہے کہ آدمی کی حیا اور غیرت کا تعلق صرف انسانوں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی ہے خدا سے شرم کرتے ہوئے بندہ گناہ سے دور رہتا ہے، بشری تقاضہ کے زیر اثر گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ سے شرم سار اور نادم رہتا ہے اور اس کے حضور توبہ استغفار کرتا ہے۔ بندگی کی یہ ساری ادائیں حیا ہی سے ہیں۔

موجودہ زمانے میں یوروپی اور مغربی قوموں نے حیا کا لبادہ اتار پھیکا جسکی وجہ سے ان کے معاشرہ میں ہر قسم کی گندگی، بدکاری اور زناکاری پھیل گئی، لوگوں نے نکاح کی قید سے ازدواجی تعلق کو ختم کر دیا، نکاح کے قانون کے بغیر ہی مرد اور عورت آپس جنسی تعلقات قائم کرنے لگے، اور اسے انسانی آزادی اور سماجی آزادی کا نام دے دیا، جنسی اناء کی پھیل گئی، مرد مرد سے عورت، عورت سے جنسی آسودگی حاصل کرنے لگے غیرت نے دم توڑ دیا۔ صفت حیوانیت کا الاوا پھوٹ پڑا، انسانیت سرنگوں ہوگئی آدمی کا نسب، حیوانی انساب بن گیا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اسلام کے نظام عفت کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ اس نے مرد اور عورت کی جنسی آسودگی کا ایک پاک وصاف نظام کیا۔ نکاح کے اعلان کے ذریعہ عورت کو دوسروں کی نگاہوں سے تحفظ کر دیا، اور نومولود کے حسب ونسب کا تحفظ فرمایا، اولاد میں خاندان و خون کے اثرات کی منتقلی کا تحفظ کر دیا، اس طرح سے اسلام نے مرد وزن کے جائز تعلقات اور جائز

نسل بقا کا ایک بہترین نظام کیا یہ تمام پاکیزگی وصفائی اور طہارت ونظافت غیرت کا اثر اور شریعت پر عمل کا نتیجہ ہے۔اسی کا فیض ہے کہ کسی نوجوان کو حسین وجمیل عورت اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادہ کرے تو وہ اس کی جانب التفات نہ کرے اور یہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

یہی وہ خوف خدا ہے جس نے ایسے نوجوان کو میدان محشر میں سایۂ رحمت خداوندی میں جگہ دلائی۔

☆☆☆☆☆☆

رجل تصدق و أخفى حتى لاتعلم شماله ماتنفق يمينه

اور وہ شخص بھی قیامت میں رحمت الٰہی کے سایہ میں رہیگا جس نے صدقہ کیا اور اسکو پوشیدہ رکھا کسی کے سامنے اپنے صدقہ کا اظہار نہیں کیا اور اس قدر مخفی رکھا کہ اسکے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ اسکے سیدھے ہاتھ کیا صدقہ کیا۔

صدقہ وخیرات کرنا یہ ایک ایسا عمل اور ایک ایسی نیکی ہے جسکی ترغیب وتحریص اور تعلیم وتلقین اکثر مذہبی اور اخلاقی کتابوں میں ملتی ہے اور دنیا کی بہت ساری قوموں میں صدقہ وخیرات کا تصور پایا جاتا ہے اسلام میں صدقہ کا دائرہ بے پایاں وسیع ہے چنانچہ اسکی تفصیل احادیث میں ملتی ہے، کسی سے بھلی بات کہنا صدقہ ہے۔ ہر بھلائی اور نیکی صدقہ ہے کسی کو نیکی کا حکم دینا اور کسی کو برائی سے روکنا صدقہ ہے، کسی کے کام آنا صدقہ ہے۔کسی سے مسکرا کر ملنا صدقہ ہے۔کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا صدقہ ہے۔راہ بھٹکے ہوئے کو راہ دکھلانا صدقہ ہے۔راستہ میں تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے۔ بھوکے شخص کو کھانا کھلانا صدقہ ہے۔ پیاسے کو پانی پلانا صدقہ ہے۔غرضیکہ انسانوں کو کسی بھی پہلو سے نفع پہنچانا صدقہ ہے حتی کہ جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی صدقہ ہے۔

صدقہ ایک ایسی چیز ہے جسکا فائدہ صرف دنیا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی آدمی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ایک کھجور کا ٹکڑا ہی سہی صدقہ کرو اور اسکے ذریعہ دوزخ کی آگ سے خود کو بچاؤ، صدقہ بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے۔آدمی کی عمر میں اضافہ کرتا ہے۔صدقہ اللہ کے غیض و

غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے، صدقہ بری موت سے محفوظ رکھتا ہے۔ صبح سویرے صدقہ دینے سے بلائیں صدقہ سے آگے نہیں بڑھا کرتیں اور آدمی محفوظ رہ جاتا ہے۔ صدقہ کرنے میں جلدی کرنے سے بلاء رک جاتی ہے۔ اور صدقہ کو پھاند نہیں سکتی۔

حضرت سعد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اے رسول خدا، میری والدہ رحلت کر گئی ہیں ان کے ایصال ثواب کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا پانی سب سے افضل ہے۔ یہ سن کر حضرت سعد نے اپنی ماں کے ثواب کے لئے ایک کنواں کھدوایا۔

آدمی کے مرنے کے بعد بھی جن کا ثواب اسے پہنچتا رہتا ہے ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے جیسے مسجد، مدرسہ، سرایا، پل، سڑک، مکان، درخت وغیرہ ہیں جب تک یہ چیزیں رہیں گی مرنے والے کو ثواب ملتا رہیگا۔ دوسری چیز علم ہے تیسری چیز نیک اولاد ہے جو اپنے ماں باپ کے لئے دعا کرتی رہے۔

یہ تمام احادیث، کتب وحدیث میں مختلف موضوعات اور حوالہ جات کے تحت نقل کی گئی ہیں۔

صدقہ میں اہم چیز جو ہے وہ اللہ کی رضا اور اسکی خوشنودی ہے، صدقات دینے میں عزت وشہرت، نام ونمود، داد وتحسین، اور صلہ وعوض کے جذبات واحساسات اور اغراض صدقہ دے کر جتلانا اور جس کو صدقہ دیا جارہا ہے اسے تکلیف پہنچانا وغیرہ یہ سب ناروا اور غیر محمود روش ہے جسکی شریعت مطہرہ میں بڑی ممانعت آئی ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی اپنی تمام جائز ضرورتوں اور اپنی بیوی بچوں اور دیگر لوگوں کے واجبی حقوق کو پورا کرنے کے بعد امکانی واتفاقی حوادث وحاجات کے لئے اپنی دولت کا کسی قدر حصہ محفوظ کرلے اور باقی مال کو اللہ کی رضا میں انسانوں کی فلاح وبہبودی میں صدقہ کردے۔ دولت مند آدمی لوگوں کی دولت ہے اور وہ لوگوں کے کام آنی چاہئے یہ کام آنا ہی صدقہ، انفاق اور اطعام ہے۔

صدقہ فرض، واجب، نفل اور مستحب ہوتا ہے فقہ کی کتابوں میں ان کی تفصیل ہے صدقات وخیرات میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اللہ کی راہ میں جو مال بھی صدقہ کیا جارہا ہے وہ پاک وصاف اور حلال ہونا چاہئے کیونکہ اللہ کی نظروں میں حرام مال کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں ہے اور ایسے مال سے جو صدقہ کیا جائے گا وہ اللہ کے نزدیک نامقبول ہے۔

صدقات کو ایذاء وتکلیف اور احسان جتلا کر ضائع نہیں کرنا چاہئے قرآن کریم کا ارشاد ہے لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی۔

ایذاء اوراحسان کی صورت یہ ہے کہ جس کو صدقہ دے رہے ہیں اس پر احسان جتلا رہے ہیں اور اسے اپنا مطیع تصور کر رہے ہیں اور دل آزار باتیں کر رہے ہیں۔اور صدقات کو پوشیدہ رکھنے اور ظاہر نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات اور حاجات کو مخفی طور پر پورا کرنے کی ہدایت ہے۔صدقہ فرض جس کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اسکے تعلق سے فقہاء کی رائے ہے کہ اسکا اظہار افضل ہے زکوٰۃ علانیہ دیں اور صدقہ پوشیدہ دیں۔

ایک حدیث شریف میں ایک سخی کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اسکے حق میں دوزخ کا فیصلہ سنایا جائے گا جسے سن کر وہ حیران رہ جائیگا اور عرض کرے گا اے اللہ، میں نے ساری دولت تیری راہ میں لٹادی ہے، اس صدقہ کے صلہ میں مجھے جنت ملنی چاہئے تھی نہ کہ دوزخ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہم نے تمہاری سخاوت وخیرات کا بدلہ تمہاری کواہش کے مطابق دنیا ہی میں دے دیا ہے کیونکہ تم چاہتے تھے کہ تمہاری سخاوت کی شہرت ہو جائے اور تم ایک سخی مشہور ہو جاؤ، اس کار خیر کے پیچھے تمہاری یہی نیت کار فرما تھی اسی نیت کے مطابق تمہیں دنیا میں سخی مشہور کر دیا گیا تمہاری سخاوت وخیرات کے چرچے ہر زبان پر جاری کرادئے گئے۔

ایک حدیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے انما الاعمال بالنیات۔لہٰذا نیتوں میں اخلاص وللّٰہیت ہونی چاہئے تاکہ بری نیتوں سے اچھے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔

قرآن کریم میں صدقہ سے متعلق کہا گیا ہے کہ جولوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خلوص اور ثواب آخرت کی نیت سے کرتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بو دیں تو اس سے سات بالیں اُگیں، پھر ہر بالی سے سو سو دانے ہوں گے۔اس طرح سے ایک کاشتکار کو ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوں گے۔یہی صورت آخرت کے کاشتکار کو حاصل رہیگی۔اسکے ایک روپیہ کا صدقہ سات سو روپیوں کے صدقہ کی شکل اختیار کر جائیگا۔

یہ اسی وقت ہے کہ صدقہ اللہ کے لئے کیا جائے اور وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو اور اسکے مقبول

ہونے کی ایک صورت وہی ہے جوزیر بحث حدیث میں بیان کی گئی ہے۔صدقہ چھپا کر دیا جائے یہاں تک اسکے بائیں ہاتھ کوبھی پتہ نہ چلے ایسے ہی شخص کے حق میں یہ بشارت سنائی گئی ہے وہ محشر میں اللہ کی رحمت کے سایہ میں رہیگا۔

☆☆☆☆☆☆

ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه

حدیث زیر بحث میں جن سات افراد کو میدان حشر میں رحمت الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا،ان کا آخری ساتواں آدمی وہ ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اوران کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں وہ بھی اللہ کے سایہ میں رہیگا۔

مومن کی زندگی میں ذکراللہ کی بڑی اہمیت ہے بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ ذکراللہ ہی سے ایک مومن کی زندگی ہے۔ذکراللہ سے نہ صرف مومن کی زندگی کا قیام ہے بلکہ کائنات کی زندگی بھی ذکراللہ ہی سے قائم ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔اس شخص کی مثال جو اپنے خالق اور رب کو یاد کرتا ہے اوراس شخص کی مثال جو اپنے خالق اور رب کو یادنہیں کرتا،یہ دونوں زندہ اور مردہ کے مانند ہیں۔

اس حدیث سے صاف واضح ہورہا ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ زندہ آدمی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ ایک مردہ آدمی ہے۔

اللہ کے ذکر کا اثر صرف ذاکر کی ذات تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ اس جگہ کو بھی زندگی ملتی ہے جس جگہ میں ذاکراللہ کا ذکر کرتا ہے اسی لئے حدیثوں میں ہدایت ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں ذکراللہ کو قائم رکھو،جن مکانات کے اندراللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ آباد گھر ہیں اور جن گھروں میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا وہ ویران گھر ہیں اوروہ مکانات نہیں قبور ہیں جن میں تاریکی ہی تاریکی چھائی رہتی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے جس میں یہ صراحت ملتی ہے کہ روئے زمین پر جب تک اللہ اللہ کہنے والا ایک شخص بھی رہیگا تو اس ذکر کی برکت اوراثر سے کائنات پر موت طاری نہیں کی جائے گی۔ جب اللہ اللہ کہنے والا کوئی بندہ نہیں رہیگا تو اس وقت دنیا پر موت طاری ہوگی،اسی کا نام قیامت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاذکرنی اذکرکم ،تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا ایک حدیث قدسی میں

یہ بات کہی گئی ہے۔میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد رکھتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے۔

اس ایک مختصر جملہ کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ساری دعائیں شامل ہیں جو صبح سے لے کر شام تک زبان مبارک سے مختلف اعمال کے صدور کے وقت صادر ہوتی تھیں اور یہ ساری مسنون اور منثور دعائیں اللہ کا ذکر ہی ہیں۔

امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے لایزال لسانك اطبا من ذكر الله ۔یہ ہر امتی کو آپ کی ہدایت ہے کہ ہر مسلمان کی زبان ذکر اللہ سے تر رہنی چاہئے اسکا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر منزل پر اللہ کو یاد کرتے رہو اور ہر کام اللہ کے ذکر اور اسکی حمد سے شروع کرو اگر خدا کی یاد اور اس سے طلب امداد کے بغیر کسی کام کا آغاز کرو گے تو وہ کام ناتمام اور نامکمل رہیگا۔ كل امر ذی بال لم يبدا بحمدلله تعالیٰ فهو اقطع۔

حدیث قدسی میں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے بھرے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے فرشتوں کے بھرے مجمع میں یاد کرتا ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ ذکر اللہ ہی سے زندگی میں بہاریں آتی ہیں۔جب کسی زندگی میں ذکر اللہ نہ ہو تو وہاں خزاں ہی خزاں رہتی ہے۔سورہ طہ میں کہا گیا ہے کہ۔من اعرض عن ذكری فان له معيشة ضنكاً۔جو لوگ میرے ذکر سے اعراض کرتے ہیں تو ان کی زندگی کو تلخی و تنگی سے بھر دیا جائیگا یہاں دنیاوی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور اخروی زندگی بھی، یا دونوں جہاں کی زندگی مراد لی جاسکتی ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں ذکر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد لیا ہے اور بقول بعضے ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔اس مرادی معنی و مفہوم کو سامنے رکھیں تو بھی یہ بات واضح ہوگی کہ قرآن اور صاحب قرآن پر اعراض کرنا، اپنی زندگی کو تاریک بنالینا ہے۔قرآن اور صاحب قرآن سے اعراض کرنا دوسرے لفظوں میں اللہ کے ذکر سے اعراض کرنا ہے۔اور اللہ کے ذکر سے اعراض کرنا دنیا و آخرت کی زندگی کو نقصان و خسران سے دوچار کر لینا ہے۔

حدیث زیر بحث میں اس آدمی کے لئے میدان حشر میں زیر سایہ رہنے کی بشارت سنائی گئی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اسکی آنکھیں بہہ پڑیں، اللہ کی یاد دل اور زبان دونوں سے ہوتی ہے، بندہ نے دل ہی دل میں اللہ کے خوف کو محسوس کیا اور اپنے اعمال کو یاد کیا اور اعمال کی باز پرسی کے خوف سے دل لرز اٹھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تو اللہ تعالیٰ ایسے بندہ کو نہ صرف میدان حشر میں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں گے بلکہ اسے دوزخ کے عذاب اور عقاب سے مامون قرار دے دیں گے۔ اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں بھیج دیں گے۔ حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو بندہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے حساب و کتاب کے بغیر جنت میں داخل کرتا ہے، اس حدیث کی تائید مشکوٰۃ کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ کے خوف سے جب کسی مومن کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے اللہ کو دو قطرے بہت محبوب ہیں، ایک آنسوؤں کا وہ قطرہ جو اسکے عذاب کے خوف سے ٹپکے۔ دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اسکے دین کو بلند کرنے کے لئے زمین پر گرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں پر آنسو بہانے کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ ان بہتے ہوئے آنسوؤں کی وجہ سے اللہ کی رحمت کا دریا جوش میں آجائے اور گناہ گار کے لئے سامان مغفرت فراہم ہوجائے۔ وابك علی خطیئتك اپنی خطاؤں پر رویا کرو اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے اگر کسی کا دل اس قدر سخت ہے کہ آنکھ سے آنسو نہیں نکل رہے ہیں تو کم از کم اپنی صورت تو رونے والے کی طرح بناؤ تاکہ اللہ تعالیٰ اسی روتی صورت کو دیکھکر اسکے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

حاصل کلام! حدیث زیر موضوع میں مباحث کی اتنی کثرت و ہمہ گیریت ہے ان کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ مشکل ہے، جس قدر وضاحتیں نوک قلم سے صادر ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں مفید بنائے اور شرف قبولیت بخشے اور راقم تحریر اور قارئین کو دنیا اور آخرت میں نفع پہنچائے۔

آمین

بجاہ سید المرسلینؐ۔

ایک اہم فتویٰ

ادارہ

ذیل کا فتویٰ نصف صدی پہلے دارالعلوم لطیفیہ ویلور کے دارالافتاء سے جاری ہوا ہے۔ اور یہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مولوی سید ابوالمعالی علوی علیہ الرحمہ مدرس دارالعلوم لطیفیہ، مفتی دارالفتاء کی نوک قلم سے معرض وجود میں آیا ہے اور اس کی تصدیق اور تصویب استاذ الاساتذی حضرت مولانا مولوی محمد طبیب الدین اشرفی مونگیری مدرس دارالعلوم لطیفیہ اور حضرت مولانا مولوی سید محمود ویلوری استاذ دارالعلوم لطیفیہ ویلور نے کی ہے۔ اور ان تینوں اساتذہ کرام کی دستخطیں اور تاریخ ۱۳۸۰ھ مثبت ہے۔ یہ استفتاء بارہ سوالات پر مشتمل ہے، ان میں سے بعض سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات کی اشاعت کی ضرورت آج بھی ہے۔ ان میں سے ایک سوال رھن رکھی ہوئی چیز سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔، موجودہ زمانے میں مکانات کو رہن رکھ کر روپیہ

حاصل کرنے کا رواج عام ہو رہا ہے اور اس مسئلہ میں یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ گھر کا کرایہ نہیں، پیسوں کا سود نہیں، صورت حال عمومی شکل اختیار کرگئی ہے۔ جسکی طرف توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ انشاء اللہ اس فتویٰ کے ذریعہ رائج غیر شرعی صورت حال کی اصلاح ہو جائے گی۔

نماز تشویہ الوتر سے متعلق یہ سوال ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پڑھی جائے یا بیٹھ کر پڑھی جائے نوافل کے تعلق سے فقہاء کی صراحت یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر ادا کی جائیں البتہ اس سے تشویۃ الوتر مستثنیٰ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ہمیں امید ہے کہ قارئین اللطیف کو اس فتویٰ سے فائدہ ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ۔

خادم العلم

ڈاکٹر بشیر الحق قریشی

استاذ دار العلوم لطیفیہ، ویلور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین

۱۔ زید کاشت کار کو کاشتکاری کے لئے کاشتکاری سے پہلے کچھ رقم قرض دیا اور کاشتکار اس وعدہ پر لیا تھا کہ اناج کاٹنے کے بعد اتنی مقدار میں اناج دونگا اناج کاٹتے وقت اناج کی قیمت قرض لئے ہوئے وقت سے تقریباً دس روپیہ بڑھ جاتی ہے تو زید کا موجودہ مقدار اناج وصول کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۲۔ الحاق الکعبین فی الرکوع کی تشریح مطلوب ہے۔

۳۔ زید رہن میں ایک زمین یا مکان رکھ لیکر مدت مقررہ کے لئے ایک ہزار روپیہ دے دیا

اس مدت میں زید کا اس زمین یا مکان سے فائدہ اٹھانا جبکہ مدت مقررہ کے بعد پوری رقم بھی وصول کررہا ہو جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ رمضان شریف میں تہجد پڑھنے والے کے لئے نماز وتر جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا تہجد میں پڑھنا؟

۵۔ جمعہ کے شرائط کیا ہیں یعنی جمعہ کہاں اور کن پر واجب ہوتی ہے؟

۶۔ غسل کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ یعنی ستر ڈھکا ہوا یا برہنہ ہوکر نہانہ نیز غسل کے وقت حمام میں قرآنی آیت یا کلمہ شہادت کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۷۔ قومہ (یعنی رکوع کے بعد) میں ایک مصلی کتنی دیر کھڑا ہو سکتا ہے؟

۸۔ ظہر مغرب عشاء میں بعد نماز فرض امام کتنی دیر دعا کے لئے بیٹھ سکتا یا دعا کرسکتا ہے؟

۹۔ استنجے کے لئے (احناف کے پاس ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال ضروری ہے یا کسی ایک ایک کا استعمال کافی ہوسکتا ہے ان دونوں میں افضل طریقہ کونسا ہے؟

۱۰۔ نماز تشویۃ الوتر کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر؟

۱۱۔ عمامہ کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟

۱۲۔ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب سود پر قرض لیتے ہیں اس وجہ سے کوئی مصلی دوسری مسجد کو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توبروا السائل احقر عبدالمنیر عفی عنہ کلیگال میسور اسٹیٹ

الـجـــــــواب اللّٰھم ھدایتہ الحقّ والصّواب۔

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم درصورت صدق بیان مستفی

۱۔ زید کا شتکار کے مابین جو معاملہ طے پایا ہے اسکو اصطلاح فقہ میں بیع مسلم کہتے ہیں اس

معاملہ کی صحت موقوف ہے مندرجہ ذیل امور پر اگر ان کا ذکر ہوا ہے تو درست ہے ورنہ باطل ہونا لازم آئیگا، جس کا بیان ہونا (مثلاً، گیہوں ہونگے) قسم کا بیان ہونا (یعنی بارانی ہونگے یا چاول) صفت بیاں کرنا (موٹے ہونگے یا پتلے) مقدار بیان کرنا (اتنے پڑی ہونگے) مدت بیان کرنا (ایک ماہ یا دو ماہ میں ادا کردینگے) کم از کم ایک ماہ ہونی چاہئے۔ اصل حال بیان کرنا (جو اس وقت دیا جارہا ہے یا ناپ تول یا شمار کے مقدار بیان ہونی چاہئے) جگہ کا بیان کرنا یعنی بدلی کی چیز وہ جگہ بھی اس وقت بیان ہوجائے

کمافی الدستورولا یصح اللم عندابی حنیفةؒ الا بیع شرائط تذکر فی العقد حسن معلوم ونوع معلوم وصفه معلومة و مقدار معلوم واجل معلوم و معرفة مقدار رائیں المال ان اکان مما یتعلق العقد علی مقدار ہ کالمکمل والمون ون وامعدود المکاناتالذی یو فیه فیه۔

۲۔ رکوع میں ہر دو بالقابل ہوں ان صال مراد نہیں۔

۳۔ **کل قرض جرنفعا فهوربوا** (حدیث) ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو پس وہ سود ہے صورت مسئلہ میں انتقاع بالرہن کی ایک نوع ہے لہٰذا مکان یا زمین سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ **لا یحل له ان ینتقع شی منه بوجه من الوجوه** (شامی)

۴۔ مسنون ہے کہ رمضان مبارک میں نماز وتر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے **ویوتر بیها عدفی رمضان** رکنز الدقائق) بناءعلیہ وتر جماعت سے ادا کرنا چاہئے۔

۵۔ نماز، مرد مقیم، آزاد، بالغ، عاقل، تندرست، پر واجب ہے عورت مسافر گاؤں کے رہنے والے بیمار بچے، اسیر دیوانہ، اپاہج، اندھے پر واجب نہیں۔ **الاقامة بمصر والصحة والحرية والذكوره والعقل والبلوغ وسلامة والرجل،** (شرح الوقایہ)

۶۔ غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ پنجوں تک دھوئے، پھر شرم گاہ دھوئے اگر بدن پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھوئے، پھر وضو کرے (اگر مستقل پانی میں کھڑا نہا رہا ہو تو بعد فراغت غسل علحدہ

مقام پر پیر دھوئے) پھر سر پر اور تمام بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے، **ونیة الغسل ان یبدء المغتسل بغسل یدیه الخ وعلی سائر بدنه ثلثا ثم یتنحی عن ذالک المکان فیغتسل رجلیه ۱۲** (قدوری) غسل خانہ یا کسی ایسی جگہ پر جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑھتی ہو ننگے بدن نہانا جائز ہے۔

حمام تلاوت قرآن یا کلمہ جائز نہیں۔

۷ مصلی تحمید پڑھنے تک کھڑا رہے۔

۸ ان نمازوں کے بعد دعا مختصراً کی جائے کیونکہ سنن موکدات ادا کرنی ہے۔

۹ افضل یہی ہے کہ ہر دو کو جمع کر دیا جائے اگر صرف پانی سے استنجا کیا جائے تو سنت ادا ہو جائیگی **ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل** (شامی)

۱۰ کلیہ اصول ہے کہ نفل بیٹھ کر گذاریں تو نصف ثواب ملے گا کھڑے ہو کر پڑھے تو پورا ثواب ملے گا۔

۱۱ صحیح قول یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدید شرعاً نہیں ہے بقدر ضرورت ہونا کافی ہے کتب سیر سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس دو عمامے تھے۔ ایک چھوٹا (سات ذراع) ایک بڑا (بارہ ذراع) **کان له ﷺ عمامة بالقصیر والطویل الخ** (جمع الرسائل)

۱۲ محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے جبکہ امام میں کوئی خرابی اگر ہو تو دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ امام فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی کمافی الهدایة وخلف فاسق کذافی کتب الفقه واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح

محمد طیب الدین اشرفی مونگیری

مدرس دار العلوم لطیفیہ، مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ۔

۶ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ

ترجمۂ مکتوب حضرت قطب ویلورؒ

زبدۃ العارفین وارثِ علوم سید المرسلین کاشفِ رموز القرآن المبین محی الملۃ والدین حاجی الحرمین۔
مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیفؒ القادری رحمۃ اللہ علیہ المشہو رقطب ویلور

مکتوب بنام حضرت مولانا عبدالرحیم ضیا حیدرآباد
خلیفۂ حضرت قطب ویلور، مصنف،''مقالات طریقت''

یہ مکتوب ۱۱ شوال المکرم ۱۲۸۷ھ کو تحریر کیا گیا ہے جس میں اسفار عروجی، اسفار نزولی، توحید وجودی، توحید شہودی، توحید ذاتی، توحید افعالی، اولیائے کرام کی ولایت، انبیائے کرام کی ولایت، ولایت محمدیؐ وغیرہ کی مختصر سی وضاحت کرتے ہوئے مکتوب الیہ کو کتاب ''جواہر السلوک'' (مصنف حضرت قطب ویلور) کے دسویں اور ۳۲ ویں فائدہ کے مطالعہ کی ہدایت دی گئی ہے۔

اور یہ صراحت کی گئی ہے کہ لوگوں کی استعداد و قابلیت کے
اختلاف سے ان کے سلوک کے اندر بھی اختلاف ہوتا ہے۔ بری
خصلتوں اور مذموم عادتوں سے پاک وصاف ہونے کے بعد
طریقہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کے بزرگوں کے اذکار اور
اشغال میں شغول رہیں۔ ان اذکار اور اشغال کی تاثیر و برکت
سے سالک و طالب کو فرشتوں سے مشابہت پیدا ہوی ہے اور ان
اشغال کا نتیجہ نکلتا ہے کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت حاصل
ہوتی ہے، مکتوب الیہ سے یہ کہا گیا ہے وہ سامنے رہیں تو حقائق و
معارف اور مسائل کی تفہیم ہوسکتی ہے کیونکہ یہ علم کتابوں سے نہیں
صحبتوں سے میسر ہوتا ہے۔

سلام مسنون کے بعد معلوم ہو کہ التفات نامہ پچیس ۲۵ رمضان المبارک ۱۲۸۷ھ کو پہنچا اور خیریت کی خوشخبری اور اس میں شامل مضمون پر آگہی ہوی۔ الحمدللّٰہ علی ذالك۔

صالحین کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے۔

سعادت آثار! آیت کریمہ انعمت علیھم، وانعم اللہ علیھم کی تفسیر، تفسیر رحمانی اور تفسیر عزیزی اور ان کے علاوہ دیگر کتب تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں معلوم ہو جائے گا کہ صالح کون ہے اور اس کی صحبت کی برکت کیا ہے؟ ایہی وہ صحبت جسمانی ہے کہ خیر التابعین حضرت اویس قرنی کو نبی کریمؐ کی صحبت میسر نہ وہنے کے باعث آپ ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے۔ تو اسی سے آپ کو اندازہ ہوجائیگا کہ صحبت جسمانی کے اثرات اور فوائد کیا کیا ہیں۔ غربت اسلام کے اس زمانہ میں کسی اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت جاننا چاہئے۔

بعد ازیں معلوم ہو کہ راہِ خدا میں سلوک کے اندر سالک کو دو راستے سامنے آتے ہیں۔ ایک راہ سلوک، دوسرا راہ جذب، راہِ سلوک اور مجاہدہ کی تفصیلات 'جواہر السلوک' (مصنف حضرت قطب ویلور) کے ۳۲ ویں فائدہ دیکھ لیں کہ طالب کو یقظہ وتوبہ اور اوامر کے بجالانے ونواہی سے بچنے اور رذائل سے خالی ہونے اور فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے

کے بعد بزرگانِ طریقہ قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ، ومجددیہ کے اذکار واشغال کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کا حصول ہے، جس کو سکینہ اور نور سے تعبیر کرتے ہیں، اور اسی میں ملائکہ سے مشابہت اور اس پر جبروت کی جانب آ گاہی حاصل ہوتی ہے، اور راہِ جذب کو جواہر السلوک کے دسویں فائدے میں تلاش کیجئے جس کو سفر اول، سفر دویم، سفر سوم، سفر چہارم کہتے ہیں۔ اسفار عروجی کے اندر لا الہ الا اللہ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور اسفار نزولی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی حقیقت کھلتی ہے۔ سفر اول میں اولیاء کے ولایت کی انتہا ہے۔ اور سفر دوئم ولایت انبیاء کی نہایت ہے اور سفر سوئم عروجی میں ولایت محمدی ﷺ کی انتہا ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر جذب کی ابتدا فناء افعالی سے ہے، جس کو توحید افعالی کہتے ہیں اس کے بعد فناء ذاتی میں ہے جس کا نام توحید ذاتی رکھتے ہیں اور ان توحیدوں کو وحدت در کثرت اور احدیت در کثرت بھی کہتے ہیں۔ اور اس ولایت اولیاء میں یا تو حق کا شہود صورت کے آئینے میں ہے یا معنی (حقیقت) کے آئینے میں ہے۔ یا صورت و معنی ہر دونوں کے اندر ہوتا ہے۔ اس کو توحید وجودی کہتے ہیں، یا شہودی کہتے ہیں اس کو ادراک بسیط اور فناء الفناء اور تجلی برقی اور نہایت ولایت اولیاء کہتے ہیں۔

اس مرتبہ توحید شہودی میں حق کے سوا کوئی مشہود نہیں ہے اور یہ ملائکہ مہیمہ کا مرتبہ ہے جو اپنے اور غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہوتے۔ اور ان مراتب جذب کو قربِ نوافل کہتے ہیں۔ اور سفر چہارم نزولی کے اندر عبد کی بقا باللہ اور کثرت در وحدت و کثرت در احدیت کہتے ہیں۔ اور ان تمام مراتب بقاء کو قربِ فرائض بھی کہتے ہیں۔

اور اسی جگہ معلوم ہونا چاہئے کہ ولایت اولیاء اجمال ہے اور ولایت انبیاء اور ولایت محمدی علیہم الصلوٰۃ والسلام ولایت اولیاء کی تفصیل ہے۔ ولایت اولیاء کے اندر وحدت کے چہرے سے کثرت حجاب دور ہوتا ہے اور ولایت انبیاء کے اندر کثرت کا حجاب دور ہوتا ہے۔ اور ولایت انبیاء کے اندر کثرت علمیہ باطنیہ (یعنی اسماء الٰہیہ کا قرب) کے چہروں سے وحدت کا حجاب دور ہوتا ہے۔ اور ولایت محمد ﷺ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اندر تقید بالضدین ظاہر اور باطن کا زوال احدیہ عین الجمع میں حصول کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز جاننا چاہئے کہ لوگوں کی استعداد کے اختلاف سے ان کے سلوک کے اندر بھی اختلاف ہے۔ اس مقدمہ کی بھی مختصر تفصیل جواہر السلوک کے فائدے بیس و پچیس میں پا سکتے ہیں، آپ نے سنا ہوگا کہ علم منہ سے لو نہ کہ کتابوں اور، دفتروں سے معاملہ، قلم سے نہیں، سامنے رہنے سے واضح ہوگا، علاوہ ازیں یہ فقیر اکیاسی سال کی سرحد میں پہنچ چکا ہے اور گور کے کنارے بیٹھا ہے۔ اور اشغال کی کثرت، اس کے علاوہ ہے، دل میں باتیں تو بہت سی ہیں لیکن قلم اسکی ترجمانی سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں اور تمہیں اور تمام مسلمانوں کو روشن شریعت پر

استقامت کی توفیق عنایت فرمائے (آمین) دنیا اور جو کچھ اسکے اندر ہے فنا ہونے والی اور خدا کی دھتکاری ہوی سے فریب نہ کھائیں، بیشک وہی قریب اور دعا قبول کرنے والا اور ہر چیز پر قادر ہے، اطراف کے تمام مخدومین احباب کو سلام پہنچائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جَواہِرُ السلوک

مترجم

افضل العلماء ابو المکارم سید شاہ مصطفی حسین بخاری قادری ،

فاضل لطیفیہ

سجادہ نشین آستانہ بخاریہ صاحب مکان کڈپہ ۔اے پی۔

فائدہ ۳۲

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی ویلوری المعروف بہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی تصنیف النیف جواہر السلوک کا یہ بتیسواں فائدہ ہے۔ اس میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''قول الجمیل'' کے اردو ترجمہ شفاء العلیل ، مترجم مولوی خورم علی سے چند فصلیں پیش فرمائی ہیں یہ ترجمہ قدیم اردو میں ہے اس لئے ناچیز نے حتی الامکان آسان بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ قدیم اردو سے غیر مانوس طبقہ بآسانی سلوک کے مضامین سمجھ سکے۔ وما توفیقی الا باللہ بخاری عفا اللہ عنہ۔

فصل ۱ : اس فصل میں بیعت شرع شریف کے موافق ہونے کی بحث ہے۔ زمانہ رسالت میں بیعت، مختلف امور کے لئے لی جاتی تھی اب وہ ایک خاص مقصد کیلئے منحصر ہوگئی ہے۔ اور یہ حصر اصل غرض کے لئے مُضر نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم فمن

نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیوتیه اجرا عظیما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد ﷺ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اور جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنی ہی ذات کو ضرر اور نقصان پہنچا رہا ہے اور کسی بھی اللہ سے کئے ہوئے عہد کیا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیگا۔

واشفاض عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الناس کانوا یبایعونه تارة علی الهجرة والجهاد وتارة علی اقامة ارکان الاسلام وتارة علی الثباتِ والقرار فی معرکة الکفار وتارة علی التمسک بالسنة ولاجتناب عن البدعة والحرص علی الطاعات کما صح انه صلی الله علیه وسلم بایع نسوة من الانصار علی لاینحن.

مشہور احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ کبھی لوگ آپؐ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتے تھے تو، کبھی صوم وصلوٰۃ کی پابندی پر اور کبھی کافروں کے ساتھ معرکہ آرائی میں ثابت قدمی اور استقلال پر جیسا کہ اسکی روشن مثال بیعت رضوان ہے اور کبھی سنت نبوی پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہونے پر اور بھی بدعت سے بچنے اور عبادتوں کے لئے حریص وشائق اور ان پر عمل پیرا ہونے پر بیعت کرتے تھے۔ بعض صحیح روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی ہے۔

وروی ابن ماجة انه بایع ناسا من فقراء والمهاجرین علی ان لا یسئلوا الناس شیئا فکان احدهم یسقط سوطه فینزل عن فرسه فیاخذه ولا یسئل احداً.

اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ آپ علیہ السلام نے چند محتاج مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرینگے، اس بیعت کا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے کسی شخص کا کوڑا گر جاتا تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اس کو اٹھا لیتا تھا کسی اور سے اٹھا کر دینے کا سوال نہ کرتا تھا۔

ومما لا شك فیه ولا شبهة انه اذا ثبت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل علی سبیل العبادة والاهتمام بشانه لاینزل عن کونه سنة فی الدین۔

اور اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

کوئی فعل عبادت کے طور پر نہ ہوتو وہ فعل عبادت کے طور پر اور اہتمام کے ساتھ ثابت ہو اور عادت کے طور پر نہ ہوتو وہ فعل دین میں سنت ہے۔

اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امور مذکورہ کے لئے بیعت لینا بطریق عبادت اور بطریق اہتمام تھا، ایسی صورت میں بیعت کے مسنون ہونے پر کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

وبقی انه صلی الله علیه وسلم کان خلیفة الله فی ارضه وعالها بما انزل الله تعالیٰ من القرآن والحکمة معلما للکتاب والسنة ومزکیا للامة فما فعله علیه جهة کونه معلما للکتاب والحکمة ومزکیا للامة کان سنة للعلماء الراسخین۔

اب باقی رہی یہ بات کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرزمین میں خلیفہ تھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو قرآن وحکمت کو نازل فرمایا تھا آپ اس کے عالم تھے، قرآن وحدیث کے معلم تھے، آپ امت کو پاک کرنے والے تھے۔ لہٰذا آپ علیہ السلام نے جو فعل جو عمل بحیثیت خلیفہ انجام دیا ہے وہ آپ کے بعد خلفاء کے لئے سنت ہو گیا اور جو بھی فعل تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ امت کے لئے انجام دیا وہ علماء راسخین کے حق میں سنت ہو گیا۔ علم وظاہر وباطن کے جامع

فلنبحث عن البیعة من ای قسم هی فظن قوم انها مقصورة علی قبول الخلافة وان الذی تعتادها الصوفیة من مبایعة المتصوفین لیس بشیئی وهذا ظن فاسد لما ذکرنا من ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یبایع تارة علی اقامة ارکان السلام وتارة علی التمسك بالسنة وهذا صحیح البخاری شاهدا علی انه صلی الله علیه وسلم اشترط علی جریز عند مبایعته فقال والنصح لکل مسلم وانه بایع قوما من الانصار فاشترط ان لایحافوا فی الله لو مة لائم ویقول بالحق حیث کانو فکان احدهم یجاهر الامراء والملوك بالرد والنار وانه صلی الله علیه وسلم بایع نسوة من الانصار و اشترط الاجتناب عن النوحة الی غیر ذلك من باب التزکیة ولامر بالمعروف والنهی عن المنکر۔

اب ہمیں یہ بحث کرنی ہے کہ بیعت کی وہ کونسی قسم ہے جسکے تعلق سے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت

صرف قبول خلافت وسلطنت پر ہے، اور وہ بیعت جو صوفیاء کے ہاں رائج ہے (یا ہم اہم تصوف جو لوگوں سے بیعت لیتے ہیں) اس کی شرعاً، کوئی حیثیت نہیں ہے سیاق میں کتاب وسنت کی روشنی میں جو دلائل ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان کی روشنی میں یہ گمان فاسد ہے کہ صوفیہ کی بیعت کے لئے کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اقامت ارکان اسلام کے لئے کبھی سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کے لئے بیعت لیا کرتے تھے صحیح بخاری کی حدیث اس پر شاہد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریرؓ سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی شرط کے ساتھ بیعت لی تھی۔ آپ علیہ السلام نے حضرات انصارؓ سے اس شرط پر بیعت لی تھی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے، جہاں بھی رہیں وہ حق بات کہیں گے، (اس کا اثر یہ ہوا کہ) ان میں سے بعض حضرات امراو سلاطین کے منہ پر بلاخوف و خطر حق بات کہہ دیتے تھے اور ان کا رد اور انکار کر دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارؓ کی عورتوں سے بھی اس شرط پر بیعت لی کہ وہ میت پر نوحہ کرنے سے پرہیز کرینگے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے امور میں بیعت ثابت ہے اور وہ سارے امور تزکیہ نفس، امر بالمعروف نہی عن المنکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ بیعت صرف قبول خلافت پر منحصر نہیں۔

فالحق ان البيعة على اقسام منها بيعة الخلافة ومنها بيعة الاسلام ومنها بيعة التمسك بحيل التقوى ومنها بيعة الهجرة والجهاد ومنها بيعة التوتق فی الجهاد۔

حقیقت یہ ہے کہ بیعت کی کئی قسمیں ہیں، خلافت کی بیعت، اسلام لانے کی بیعت تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی بیعت، ہجرت کے لئے بیعت اور جہاد میں ثبات اور استقامت کی بیعت۔

وكانت بيعة السلام متروكة "فی زمن الخلفاء اما فی زمن الراشدين منهم فلا ن دخول الناس فی الاسلام فی ايامهم كان غالبا بالقهر والسيف لا بالتاليف واظهار البرهان ولا طوعا ورنجبة ومافی غيرهم فلانهم كانوا فی الاكثر ظلمة فسقة لايهتهون باقامة السنن۔

خلفاء کے زمانے میں متروک تھی، خلفائے راشدین کے دور میں بیعت اسلام اس لئے متروک تھی کہ لوگ اسلام کی شان وشوکت اور دبدبہ کی وجہ سے اس میں داخل ہو رہے تھے۔ اس کے لئے تالیف قلوب یا کسی قسم کی دلیل ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، خلفائے راشدین کو چھوڑ کر دوسرے دیگر خلفائے بنو مروان اور بنو

عباس کے دور میں بیعت اس لئے متروک تھی کہ ان میں سے اکثر ظالم اور فاسق تھے وہ دین کی سنتوں کے قیام اور اشاعت میں کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔

وکذلك بيعة التمسك بحبل التقوى كانت متروكة اما في زمان الخلفاء الراشدين فلكثره الصحابة الذين استناروا بصحبة النبي صلى الله عليه وسلم وتادبوا في حضرته فكانو لايحتاجون الى بيعة الخلفاء واما في زمن غيرهم فخوفا من افتراق الكلمة وان يظن بهم مبايعة الخلافة فتهيج الفتن وكانت الصوفيه يومئذ يقيمون الخرقة نقام البيعة ثم اندرس هذا الرسم في الخلفاء انتهزالصوفية الفرصة وتمسكوا بسنة البيعة والله اعلم۔

اسی طرح بیعت تقویٰ بھی زمانۂ خلفاء میں متروک ہوگئی تھی خلفائے راشدین کے زمانے میں صحابہ کرام کی کثیر تعداد جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے اپنے دلوں کو روشن اور منور کرلیا تھا اور ایک بڑی تعداد آپ علیہ السلام کی حکمت وتربیت میں رہ کر صاحبان ادب ہوگئے تھے ان حضرات کرام کے لئے اپنے تصفید باطن کے خاطر خلفاء سے بیعت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خلفاء کے سوا اور زمانے میں اختلاف وافتراق اور فتنہ کے خوف سے، نیز اس خوف سے کہ بیعت کرنے والوں کے ساتھ خواہ مخواہ بیعتِ خلافت کا گمان پیدا ہوجائیگا اور بیعت وشروفساد کا باعث ہوجائے گی اس خیال سے مذکورہ بیعت متروک تھی۔ تاہم بیعت کی یہ قسم بھی ایک دوسری شکل وصورت میں قائم رہی، چنانچہ اس زمانے میں صوفیہ کرام صرف خرقہ دینے کو بیعت کا قائم مقام قرار دیتے تھے، پھر ایک مدت گذر جانے کے بعد سلوک وسلاطین کے لئے بیعت خلافت لینے کی رسم ختم ہوگئی تو حضرات صوفیاء کرام نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پھر سے سنت بیعت کو اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ : حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات صوفیاء کرام بیعت کی رسم ختم ہوجانے کے بعد دوبارہ سنت بیعت کو جاری کرنے کی وجہ سے اس حدیث مرفوع کے مصداق ہوگئے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے" جوکوئی شخص کسی متروک اور مردو سنت کو زندہ کرے گا اس کو اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کا اجر بھی ملے گا جو اس سنت پر عمل پیرا ہونگے۔

جواهر الحقائق

تصنیف لطیف ماهر علم دین شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت
حافظ قرآن مجدد جنوب حضرت شاه محی الدین سید شاه عبد اللطیف قادری نقوی
المعروف به قطب ویلور قدس سرهٗ : المتوفی ١٢٨٩ھ

نوادرالدقائق ترجمۂ **جواهر الحقائق**

ترجمہ وتشریح: علامہ قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری
صدر کل ہند جمیعۃ المشائخ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ صوفی اعظم، حیدرآباد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوادرالدقائق ترجمۂ جواهر الحقائق

بائیسویں قسط

صاحب فتوحات مکیہ (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) نے (١٧٧) ویں باب میں فرمایا کہ "علم الخیال" علوم معرفت میں سے ہے اور اس کا عالم متصل اور منفصل ہے اور یہ معرفت کے ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے اور وہ ہے

(١) برزخ کا علم

(٢) عالم الاجساد (جسموں کی دنیا) کا علم جس میں روحانیت ظاہر ہوتی ہیں۔

(۳) سوق الجنت کا علم

(۴) قیامت میں تجلی الٰہی کا علم جو شکلوں میں تبدیل ہو جائیگا۔

(۵) ظہور المعانی کا علم جو جسمانی طور پر اپنی ذات سے قائم نہیں رہتا بلکہ ایک مینڈھے کی شکل میں موت کے مثل مجسم ہوگا۔

(۶) یہ ایسا علم ہے جسے لوگ نیند کی حالت (خواب) میں دیکھتے ہیں۔

(۷) علم الموطن جو مخلوق میں موت کے بعد اور بعثت (اٹھنے) سے پہلے ہوگا۔

(۸) علم الصور جو آئینہ کی طرح شفاف اجسام میں دکھائی دینے والی صورتوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

(۱) عالم خیال

پھر عالم خیال دو قسم پر ہے ایک خیال منفصل اور دوسرا خیال متصل، جن کے ادراک کے لئے دماغی قوتیں شرط نہیں انکو خیال منفصل و مثال منفصل اور خیال مطلق و مثال مطلق کہتے ہیں۔ روحوں کا جسمانی شکلیں اختیار کرنا اور جسموں کا روحانی شکل اختیار کرنا، انسان کے نیک و بد اخلاق و اعمال کا تشخص کرنا، اور مناسب صورتوں کے مطابق معنوں کی مثال دنیا، جسمانی صورتوں اور شکلوں میں اصل ذاتوں کا مشاہدہ کرنا اور معجزات و خوارقِ عادات (فطرت کے خلاف انوکھی باتوں) کے عجیب و غریب واقعات جیسا کہ کم مدت میں طویل فاصلے طے کرنا، مختلف مقامات اور دور دراز کے شہروں کا ایک لمحہ میں سامنے موجود ہو جانا، گھر کی دیواروں میں سے داخل ہو جانا اور بند مکانوں میں سے باہر نکل جانا اور دوسری عجیب و غریب باتوں کا واقع ہونا، منکر و نکیر کے سوالات اور قبر، جنت و دوزخ میں راحت و عذاب اور ثواب و سزا یہ سب اسی عالمِ خیال منفصل میں ہے اور وہ صورتیں جو آئینہ، پانی اور دنیا کے دیگر صاف و شفاف اجسام میں مادی طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب اسی عالم سے تعلق رکھتی ہیں۔

قیصری قصیدہ فارضیہ فی ہذا العالم" میں رقم طراز ہیں کہ اس عالم یعنی عالم مثال میں حق تعالیٰ کی بارگاہ سے نازل ہونے والے معانی جب سامنے آتے ہیں تو اس میں صورت حسّیہ ہوتی ہے جو صورت خیالیہ کے مثل ہوتی ہے اور جو ہم میں موجود ہے۔ پھر وہ عالم ملک کی طرف تنزل کرتی ہے اسی لئے اسکو خیال منفصل کا نام بھی

دیا گیا ہے اور اسی طرح ارواح میں سے ہر ایک اس سے عقلون اور مجرد و غیر مجرد نفسوں سے کُلی اور جزوی طور پر متعلق ہے۔ اسکے کمالات اور درجات کے مطابق اس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اور وہ ان انسانی ارواح کے جسموں میں ظہور سے پہلے بظاہر انہیں صورتوں میں مشہود ہوتی ہیں جو ارباب شہود اور تمام ارباب مکاشفہ کے لئے ہے جو اس عالم میں واقع ہونے والے غیبی امور کا انکشاف کرتے ہیں اور انسان کے نیک و بد اعمال و افعال کو انکی مناسبت سے جسمانی شکل دیتے ہیں۔ انہوں (قیصری) نے اس بارے میں یہ بھی فرمایا کہ اس میں جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب شامل ہے جیسا کہ احادیث نبویہ میں وارد ہوا ہے اور اسی میں قبر پر رحمت اور اس کا عذاب اور منکر نکیر کے سوال اور قبر سے اٹھنا اور جمع ہونا بھی ہے۔ جس کی خبر نبی اکرم صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین نے دی۔ اور اسی میں معراج اور معراج میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے قلبی حواس کے ذریعہ فرمائے گئے جنت و دوزخ وغیرہ سے متعلق مشاہدات کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسی عالم میں ہے اور صوری کشف وہ ہے جو ریاضت کرنے والوں کے لئے واقع ہونے والے سب احوال و حوادث سے متعلق ہوتا ہے۔ بیشک اس کے وجود سے جو کچھ حاصل ہو وہ ایمان والوں کے لئے غیر مخصوص ہے اور اللہ والوں کے دلوں کا زمانی حوادث کے باعث اس طرف کوئی میلان نہیں ہوتا، اور شرح فصوص (الحکم) کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اسکے ظہور کا ارادہ فرمایا جس کی اس عالم میں کسی قسم کی صورت نہ ہو خواہ عقول مجردہ وغیرہ کی طرح صورت حسیہ رکھتی ہو تو وہ محسوسات کی ایسی مناسب شکلیں اختیار کر لیتی ہے جو اس کے اور ان سب کے درمیان قابلیت کے مطابق ہو جیسے وحیہ کلبی کی صورت میں جبرئیل علیہ السلام کی شکل کا ظاہر ہونا اور دوسری (انسانی) صورت میں (جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہونا) جب کہ ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات (وجوابات) سے متعلق حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روایت فرمائی۔ نیز آسمانوں اور زمین کے باقی فرشتوں کے علاوہ جنات کا بھی یہی حال ہے کہ ان کے جسم سب ناری (آگ سے بنے ہوئے) ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرمایا ''خلق الجان من مارج من نار (رحمٰن۔۱۵)'' یعنی جنوں کو آگ کے خالص شعلے سے پیدا فرمایا۔ اور کامل انسانی نفوس کا بھی یہی حال ہے کہ ایسی شکلیں اختیار کرتے ہیں جو ان ہی محسوس ہونے والی شکلوں کے سوا ہیں اور وہ سب دنیا میں ان کے جسموں میں سے انکو نکالنے کی قوت کے لئے ہے۔ اور آخرت کی طرف ان کے منتقل ہونے کے لئے بھی ہے تا کہ بدنی رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے اس وقت میں اضافہ

ہو سکے۔اور ملکوتی عالم میں انکا داخلہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ فرشتوں کا اس عالم میں داخلہ ہوتا ہے اور انہیں مختلف شکلیں دی جاتی ہیں۔اور وہ ان پر منکشف ہونے والے خیالات میں اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں جس طرح کہ فرشتے اور جن ظاہر ہوتے ہیں اور یہ وہی ہیں جس کو ''بُدَلا'' کا نام دیا گیا ہے۔

قَصّ الیوسفی کی شرح میں ہے کہ جان لو کہ دکھائی دینے والی صورت اسکی اصلی صورت کے سوا ہے یا اسکی صورت پر ہو تو بیشک دکھائی دینے والے کے ارادہ کے ساتھ ہوتی ہے۔اور بیشک دونوں کے ارادہ کے ساتھ ہوتی ہے اور بیشک ان دونوں کے ارادے کے بغیر ہوتی ہے۔لہٰذا پہلی صورت یہ ہے کہ انبیاء میں سے کسی نبی پر فرشتے کی صورت میں ظاہر ہونا اور بعض صالحین کا اسکی صورت کے سوا کسی صورت میں ظاہر ہونے کی طرح ہونا لیکن دوسری صورت یہ ہے کہ ملکوتی اور انسانی روحوں میں سے کسی روح کا کامل تصرف کے ساتھ نزول کرنا یعنی اسکے عالم کی طرف اسکے علم کے ساتھ مختص ہونا ہے۔اور مگر تیسری صورت میں نبی کریم ﷺ کے لئے جبرئیل علیہ السلام کا ظاہر ہونا ہے جو گویا نبی کریم ﷺ کی طرف حق کا مبعوث ہونا ہے۔اور چوتھی صورت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں زید کی صورت کو قصد وارادہ کے بغیر عمر کی صورت میں دیکھے۔ان سب کے ادراک کیلئے دماغی قوت شرط ہے اور اسکو خیال متصل ومثال متصل اور خیال مقید ومثال مقید کہتے ہیں۔خیال منفصل بھی اسی طرح ایک عظیم نہر یا ایک وسیع سمندر کی طرح ہے اور خیال متصل اسی سمندر سے نکلی ایک خلیج اور اسی نہر سے نکلی ایک شاخ کی طرح ہے۔پس خیال متصل گویا مثال مقید ہے اور اسی طرح مثال منفصل گویا خیال مطلق ہے اور مقید جو کہ مطلق کی شاخ اور اسی کی مثال یا نمونہ ہے وہ ہر موجود معدوم پر تصور کا حکم رکھتا ہے۔

صاحب ''نقد النصوص'' فرماتے ہیں جان لو کہ خیال کے سامنے ہونا انسانی خواہش پر متصل قوت متخیلہ میں مرتسم صورتوں کے لئے مرتبہ جامد ہے۔اور متخیل کیا ہے اسی کو مثال مقید کا نام دیا گیا ہے جیسا کہ خیال مطلق کو عالم مثال کا نام دیا گیا ہے اور حضرۃ المثال کی طرف اسکی نسبت گویا نہر عظیم کی طرف نسبت ہے جو کہ اسی سے بطور شاخ نکلی اور یہی ہر موجود شئی کے لئے خارجاً جامعۃ الشاملہ ہے اور ہر غیر موجود شئے کے لئے اس میں تمام موجودات اور معدومات ہوں تو اسکے لئے تمام پر خیال کا پایا جانا یا ہر ایک موجودہ معدوم پر تصویر کا حکم ہونا خیال مقید کی طرح ہر انسان کو حاصل ہے۔لہٰذا ہر شخص مقید کو ملاحظہ کر کے راہ مطلق کی کوشش کرتا ہے۔اس پر فرع کی کیفیتوں کے ادراک سے اصل پر مطلع ہونے کی کوشش کرتا ہے۔قیصری نے شرح القصیدۃ الفارضیہ کے مقدمہ

میں کہا ہے کہ ہر انسان کے لئے خیال مطلق میں اس کا حصہ ہوتا ہے۔اور وہ قوت خیالیہ ہے جس میں خواب دکھائی دیتے ہیں اور اسکو خیال مقید کا نام دیا گیا ہے۔اور اس مقید کی نسبت باہر کی جانب مکانوں کی مطلق نسبت کی طرف ہے۔اول وہ ہے جو اس عالم جسمانی سے انسان کے لئے غیب کی طرف منکشف ہوتا ہے یہ دوسرا عالم ہے اور اس میں باطن کی صفائی اور قابلیت کی قوت کے لحاظ سے بندوں کے احوال کا مشاہدہ ہوتا ہے۔پس بیشک جو سال بعد واقع ہونے والے معاملہ کا مشاہدہ کرتا ہے اسکی قابلیت سب سے زیادہ قوی ہے اور اسی سے اس مدت کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اس کا بھی مشاہدہ کرتا ہے۔

شرح فصوص (الحکم) میں فرماتے ہیں کہ مثالات مقیدہ ہی وہ خیالات ہیں کہ جو مثال مطلق کے سوا کچھ نہیں اور اسکے سایوں میں سے ایک سایہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے روحانی عالم کے وجود پر بطور دلیل پیدا فرمایا۔ لہٰذا ارباب کشف کو اسی عالم سے متصل اور منور بنایا اسی طرح جیسا کہ ندیوں اور نالوں کو سمندر کے لئے دریچوں جیسا بنایا جس میں سے کہ گھر میں روشنی داخل ہوتی ہے اور سالک نے بھی اس سلسلہ میں کہا ہے کہ جب مثال مطلق کی سیر کے لئے اتصال ہو جائے تاکہ خیال مقید سے گذر جائے تو سب حاصل ہو جاتا ہے۔جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے اور اسدرجہ کو پالیتا ہے جو لوح محفوظ میں موجود عقلی صورت کے مطابق ہو۔اور موصوف نے اس خصوص میں یہ بھی کہا ہے کہ یہ سلوک کی ابتداء میں ہونے والے مکاشفات ہیں جو خیال مقید میں پہلے واقع ہوتے ہیں پھر رفتہ رفتہ اور ملائکہ کے ذریعہ عالم مثال میں منتقل ہو جاتے ہیں پس،عناصر اور پھر آسمانوں کے بارے میں جو خصوصیات ہیں اسکا علم حاصل ہو جاتا ہے پھر اوپر ہی سیر کرنے لگتا ہے۔حتیٰ کہ بالآخر لوح محفوظ اور عقل صورتی ام الکتاب تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔پھر علم الٰہی کے سامنے منتقل ہو کہ اعیان پر مطلع ہو جاتا ہے بلحاظ اسکے جیسا حق سبحانہ وتعالیٰ چاہتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ''یحیطون بشئی من علمہ الا بما شاء (بقرہ ۲۵۵) یعنی اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے''

نقوشِ طاہر

درود نجات

سالنامۂ اللطیف 1987ء میں حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور۔ کا ایک مفید و دلچسپ اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون ''درودِ نجات'' شائع ہوا تھا۔ اللطیف کے اس شمارے کی زینت ہے۔ ادارہ

حدیث شریف میں آیا ہے جو کوئی قبرستان میں ایک بار اس درود شریف کو پڑھے تو حق تعالیٰ اس قبرستان سے بیس سال تک عذاب اٹھالیتا ہے۔ اگر دو بار پڑھے تو چالیس سال تک اور اگر تین بار پڑھے تو ساٹھ سال کا اور اگر چار بار پڑھے تو اسّی سال تک عذاب اٹھالیتا ہے۔ اس قبرستان کی زیارت کے لئے دو ہزار فرشتے ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ بعد ازاں اس قبرستان میں جو کوئی مدفون ہوں گے وہ بھی ایسا ہی مستفیض ہوتے رہیں گے۔ اور جو کوئی اس درود شریف کو پڑھ کر اس کا ثواب اپنے والدین کی روح کو پہنچائے تو وہ کیسے ہی عذاب میں کیوں نہ ہوں نجات پائیں گے اور اس شخص سے ادائے حقِ والدین پورا ہوگا۔ اور ہر حاجت روائی کے لئے اس کا پڑھنا کافی ہے۔ اور اس سے کشفِ قلوب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اس درود شریف کے کثرتِ ورد سے اکثر لوگ صاحبِ ولایت اور کرامت ہوئے ہیں۔ روز اس درود شریف کے پڑھنے سے بہت سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

ایک قلمی نسخہ سے یہ درود شریف اخذ کیا گیا ہے۔ ناظرین اللطیف کے لئے ھدیۂ پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَا دَامَتِ الصَّلوٰۃُ

وَ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍمَادَامَتِ الْبَرَکَاتُ

وَ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍمَادَامَتِ الرَّحْمَۃُ

وَ صَلِّ عَلٰی نُوْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَنْوَارِ

وَ صَلِّ عَلٰی صَبْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الصُّبُوْرِ

وَ صَلِّ عَلٰی اِسْمِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَسْمَآءِ

وَ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَرْوَاحِ

وَ صَلِّ عَلٰی سِرِّ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَسْرَارِ

وَ صَلِّ عَلٰی قَلْبِ مُحَمَّدٍفِیْ الْقُلُوْبِ

وَ صَلِّ عَلٰی صَدْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الصُّدُوْرِ

وَ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَجْسَادِ

وَ صَلِّ عَلٰی بَدَنِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَبْدَانِ

وَ صَلِّ عَلٰی نَفْسِ مُحَمَّدٍفِیْ النُّفُوْسِ

وَ صَلِّ عَلٰی وَجْدِ مُحَمَّدٍفِیْ الْوُجُوْدِ

وَ صَلِّ عَلٰی اَنْفِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاُنُوْفِ

وَ صَلِّ عَلیٰ جَدِّ مُحَمَّدٍفِیْ الْاُجُوْدِ

وَ صَلِّ عَلیٰ قَدْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَقْدَارِ

وَ صَلِّ عَلیٰ بَصْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَبْصَارِ

وَ صَلِّ عَلیٰ شَعْرِ مُحَمَّدٍفِیْ الْاَشْعَارِ

وَ صَلِّ عَلیٰ صُوْرَتِ مُحَمَّدٍفِیْ الصُّوَرِ

وَ صَلِّ عَلیٰ تُرْبَتِ مُحَمَّدٍفِیْ التُّرابِ

وَ صَلِّ عَلیٰ رَوْضَۃِ مُحَمَّدٍفِیْ الرِّیَاضِ

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍوَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَo

اقطاب ویلور اور تصوف

ڈاکٹر سید شاہ عثمان پاشاہ قادری

ناظم، مدرسۂ لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور

آج کی دنیا میں لوگ صوفیائے کرام کی بابت کئی قسم کی باتیں کرتے ہیں کچھ لوگ تصوف کو ماننے والے ہیں اور کچھ لوگ اسکا انکار کرنے والے بھی ہیں۔

جو تصوف کو مانتے ہیں انکی یہ دلیل ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اللہ کے بہت قریب ہو جاتا ہے اس طرح اللہ کے قریب ہونا ہی صوفی کے معنی ہے اور اسی کو تصوف کہتے ہیں۔

حضرت مکان کے جو صوفی بزرگان دین تھے ان میں حسب ذیل باتیں پائی جاتی تھیں جو ایک سچے صوفی ہونے کے لئے ضروری ہیں اور یہ حضرات اپنی زندگی اس طریقہ سے گزارے ہیں کہ ان کے در پر آنے والا ہر شخص چاہئے وہ کسی بھی رنگ کا ہو اپنے خیال کو باہر چھوڑ کر آجاتا ہے اور جب ان حضرات سے ملتا ہے تو دھیرے دھیرے انکے رنگ میں مل جاتا ہے۔

صوفیائے حضرت مکان میں چند ایسی خوبیاں تھیں جو ہر ایک کے دل کو بھا جاتی تھیں اور وہ حضرت مکان کے پرسکون ماحول میں رہ کر اپنے خیالات اور اپنی وہ تمام باتیں جو اپنے ذہن میں رکھتا تھا بھول کر حضرت مکان کے خیالات کو اختیار کر لیتا تھا۔

مندرجۂ ذیل میں وہ باتیں پیش کی جاتی ہیں جو صوفیائے حضرت مکان میں پائی جاتی ہیں، صوفیائے حضرت مکان مذہبی اور اخلاقی حیثیت میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں صوفیائے حضرت مکان دنیا و مافیھا سے بے نیاز رہے۔

صوفیائے حضرت مکان رسم و ظاہرداری جو دل کو مردہ کردیتی ہیں اسکے خلاف ہمیشہ کوشش کرتے رہتے تھے صوفیائے حضرت مکان کی نظر ہمیشہ ظاہر پر کم اور باطن پر زیادہ رہتی تھی اور وہ ہمیشہ اپنی نگاہ ظاہر سے زیادہ باطن پر رکھتے تھے۔

صوفیائے حضرت مکان رسم ورواج پر بہت کم توجہ دیتے تھے اور حقیقت پسندی اور شریعت پر ہمیشہ زور دیتے تھے صوفیائے حضرت مکان میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہر انسان کے اندر چاہئے وہ کتنا بھی برا ہو اسکے اچھے پہلو پر نظر رکھتے تھے اگر اس انسان میں ننانوے ۹۹ برائیاں ہو اور ایک بھلائی ہو تو انکی نظر اس ایک بھلائی پر رہتی تھی اور وہ ننانوے ۹۹ برائیوں پر پردہ ڈالتے تھے۔

صوفیائے حضرت مکان کا ایک اور وصف یہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ نرمی اور ملائمت سے کام لیتے ہیں سختی صرف شرعی احکام میں جائز سمجھتے ہیں صوفیائے حضرت مکان ہمیشہ فروتنی اور خاکساری اور بوریہ نشینی اختیار فرماتے تھے۔کبھی کسی کی تعریف اور خوشامدی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم جو کچھ بھی خدمات انجام دے رہے ہیں اللہ اور اسکے رسول کی خوشنودی کیلئے ہے اور بزرگان اقطاب ویلور کے چلائے ہوئے اس مشن کو جاری رکھنے کیلئے ہے کبھی آرام طلبی کو پسند نہیں فرمایا بزرگان دین نے جو مکان بنایا اسی قدیم مکان میں اپنی پوری زندگی گزاردی۔

کبھی کوئی نیا مکان جو دور حاضر کے سہولتوں سے آراستہ ہو پسند نہیں فرمایا اور اپنے آپکو بزرگوں کے مکان میں رہ کر زندگی گزارنے کو بہتر سمجھا صوفیائے حضرت مکان ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہے اور شرعی پہلو کو اہمیت دیتے رہے اگر کبھی کچھ خیال بھی آئے تو اسے اقطاب ویلور کی زندگیوں پر ناپ تول کر دیکھتے اور اپنی نفسانی خواہشات کو درگذر کردیتے تھے۔

مندرجہ بالا باتوں کو غور سے دیکھا جائے تو ہم یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتے ہیں کہ جو باتیں ان بزرگان اقطاب ویلور میں پائی جاتی ہیں اگر وہ کسی میں ہوں یا اور اس سے بہتر باتیں پائی جاتی ہوں تو یقیناً وہ صوفی ہیں۔

اور اگر نہیں پائی جاتی تو وہ فوراً اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور صراط مستقیم پر گامزن ہو جائے۔

ایصال ثواب برحق ھے

منجانب : مولوی سید نیاز احمد جمالی الآمری
پرنسپل دارالعلوم جمالیہ، مدراس۔

علماء اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایصال ثواب کومشروع بتایا ہے، دورِقدیم میں معتزلہ اورخوارج نے ایصالِ ثواب کا انکار کیا۔آج کے اس پرفتن دور میں منکرین ایصالِ ثواب نے اس حد تک غلو کردیا ہے کہ اس مستحب اور مستحسن عمل کوشرک گردان رہے ہیں۔ایصال ثواب کے عقیدہ کوشرک بتانا بڑی جہالت اور گمراہی ہے۔

ناظرین! ایصال ثواب متعدد احادیث سے ثابت شدہ عمل ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس کی مشروعیت پر اجماع نقل کیا ہے چنانچہ شیخ صدرالدین ابوعبداللہ دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''رحمۃ الامۃفی اختلاف الائمۃ'' میں فرماتے ہیں، اجمعوا علی ان الاستغفار والدعاء والصدقۃ والحج والعتق ینفع لمیت ویصل الیہ ثوابہ۔یعنی علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ استغفار، دعا، صدقات، حج اور غلام آزاد کرنا، ان نیکیوں کو اگر مرحوم کی جانب سے کیا جائے تو مرحوم نفع یاب ہوتا ہے اوران نیکیوں کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔

حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ جلالین میں رقمطراز ہیں۔''من اعتقد ان الانسان لاینفع الا بعملہ فقد خوف الاجماع'' جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ آدمی کو اسکے اپنے عمل ہی سے فائدہ ملیگا تو اس نے اجماعِ امت کی خلاف ورزی کی۔

بزرگانِ دین اور اکابر امت کے اقوال سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایصال ثواب برحق ہے تو پھر اسکا انکار کرنا جہالت ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے کہ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کریگی۔اگر ایصال ثواب نادرست ہوتا تو علماء کرام کا نہ سوادِ اعظم

اسکی حقانیت پر اتفاق نہ کرتا۔ عہد قدیم میں دو گمراہ فرقوں نے ایصال ثواب کے اس اجماعی مسئلہ کی مخالفت کی ہے اور وہ ہیں خوارج اور معتزلہ، ان دو فرقوں کے انکار و مخالفت سے اجماع میں کوئی خلل نہیں آتا۔ لہٰذا اُنکی مخالفت کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائیگا۔

ایصال ثواب کے منکرین کی دلیل اور اسکا جواب:

منکرین ایصال ثواب اکثر و بیشتر اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں وان لیس للانسان الا ماسعی (سورہ نجم) یعنی ہر انسان کو وہی ملیگا جسکی اس نے کوشش کی، اگر اس آیت کریمہ سے ایصال ثواب کی نفی مراد لی جائے تو بہت سی آیتوں اور حدیثوں کا انکار لازم آئے گا۔ دیکھیے! اس آیت کا مفہوم منکرین ایصال ثواب یہ لیتے ہیں کہ کسی بھی انسان کا عمل دوسرے کو نافع نہیں۔ اگر یہ مفہوم درست مان لیں تو پھر کسی مومن کیلئے دعاء مغفرت یا دعائے خیر کرنا جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ دعا کرنا کسی کا عمل ہے اور اس سے نفع یاب دوسرا ہوتا ہے۔

حضرت علامہ شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ حاشیۂ صاوی بر تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت رقمطراز ہیں۔ استشکل ھذاالحصر بامور منھا ان الدوا علی الغیر کفاعله و منھا واتبعھم ذریتھم بایمان و منھا اذا مات ابن ادم انقطع عمله الامن ثلاث و منھا غیر ذلک۔

ترجمہ : آیت کریمہ میں جو حصر کا مفہوم ہے اس سے کئی باتیں مشتبہ ہو جاتی ہیں، حدیث میں ہے کہ خیر کا بتانے والا خیر کے فاعل کی طرح ہے، حالاں کہ فاعل خیر الگ انسان ہے اور خیر پر دلالت کرنے والا الگ انسان۔ پس ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچا ہے، یعنی فاعل خیر کے عمل سے دال بر خیر کو نفع ملا۔

قرآن مجید میں ہے کہ، اہل ایمان کی اولاد ایمان کی وجہ سے ان کے تابع ہوگئی، معلوم ہوا کہ والدین کا ایمان انکا اپنا عمل ہے، انکی اولاد کا عمل نہیں مگر والدین کے عمل سے اولاد کو فائدہ ملے گا اور وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اسکا عمل بند ہو جاتا ہے مگر تین راستوں سے جاری رہتا ہے اور تیسرا راستہ یہ ہے کہ اسکا نیک بیٹا اسکے حق میں دعا کرتا ہے، بیٹا تو باپ کا غیر ہے اور اس سے الگ انسان ہے، پس بیٹے کے عمل یعنی دعا نے باپ کو نفع پہنچایا لہٰذا یہ حقیقت ہے کہ انسان کو دوسرے کے عمل سے بھی فائدہ پہنچتا ہے، پس لامحالہ آیت کریمہ میں جو حصر ہے وہ اضافی ہے حقیقی نہیں۔

حضرت علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع الاحکام القرآن المعروف بہ تفسیر قرطبی میں اسی آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔ روی عن ابن عباس انهامنسوخة بقوله تعالی۔ والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنابهم ذریتهم (سورہ طور) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت کریمہ وان لیس للانسان الا ما سعی منسوخ ہے اوراسکی ناسخ آیت اللہ کا فرمان، والذین امنو واتبعتهم ذریتهم الخ ہے۔

علامہ قرطبی علیہ الرحمہ مزید رقمطراز ہیں کہ ویشفع الله تعالیٰ الآبای فی الابناء والابناء فی الآبای۔ یدل علی ذلك قوله تعالیٰ اباء کم وبناء کم لاتفرون ایهم اقرب لکم نفعا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بیٹے کے حق میں باپ کی شفاعت کو قبول کریگا اور بیٹے کی شفاعت کو باپ کے حق میں قبول کریگا جیسا کہ فرمایا کہ ابائکم وابناء کم لاتدرون ایهم اقرب لکم نفعا۔ یعنی تمہارے باپوں اور بیٹوں میں تمکو کون نفع دینے والا ہے اسکی تمکو خبر نہیں۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ باپ کی شفاعت اسکا اپنا عمل ہے اوراس عمل سے بیٹے کو نجات ملے گی اور بایں طور بیٹے کی شفاعت (جو کہ خود اسکا عمل ہے) سے باپ کو رہائی ملے گی یا اسکے درجات بلند ہونگے۔

احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ایصال ثواب برحق ہے اور زندوں کے عمل سے مرحوموں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ ثواب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ چند احادیث بطور دلیل پیش فرماتے ہیں۔ روی عن عائشة رضی الله عنها انها اعتکفت عن اخیها عبدالرحمان واعنقت عنه۔ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مرحوم بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف سے اعتکاف کیا اور غلام آزاد کیا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایصال ثواب کیا، یہ بھی پتہ چلا کہ بی بی عائشہؓ کے دونوں عمل اعتکاف اور اعتاق سے ان کے مرحوم بھائی کو فائدہ ہوا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں کہ ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل قال الماء فحفر بئرا وقال هذه لام سعد۔ یعنی یارسول اللہؐ! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے میں ان کی جانب سے کیا خیرات کروں، نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے سعد! پانی کا انتظام کردو۔ پس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا کہ یہ اُمِّ سعد کی جانب سے ہے مطلب یہ ہے کہ اس کنویں کا پانی لوگ پیئیں گے یا استعمال کرینگے تو اس کا ثواب میری ماں کو پہنچے۔

ناظرین! سنی مسلمانوں کے ہاں جو ایصال ثواب کی شکل رائج ہے وہ بالکل وہی ہے جو حضرت سعد بن عبادہ کا عمل ہے۔ یعنی کھانے یا پینے کی چیز سامنے رکھ کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنا کہ اے مولیٰ! اسکا ثواب فلاں بن فلاں کی روح کو پہنچادے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ وقال الربیع بن انس۔ وان لیس للانسان الاماسعی، یعنی الکافر واماالمومن فله ماسعی وماسعی له غیره ۔یعنی حضرتت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں انسان سے مراد کافر ہے مومن کو اسکی کوشش کا صلہ ملے گا اور اسکا مومن بھائی اگر اسکے لئے کوئی نیکی کرے تو اس کا ثواب بھی اسے ملے گا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت مذکور ہے کہ قال عکرمة کان ذلك لقوم ابراهيم وموسى واماهذه الامة فلهم ما سعوا وماسعى لهم غيرهم۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ یہ حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسی علیہ السلام کی قوموں کیلئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو انکی کوششوں کا ثمرہ ملیگا اور اگر دوسرے انکے لئے کوشش کریں تو دوسروں کے عمل کا ثواب بھی انہیں ملے گا۔ اس توجیہ کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے کچھ پہلے حضرت موسیٰ وابراہیم علیھما السلام کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے۔

مندرجہ بالا مباحث کا تذکرہ اس لئے کیا گیا تاکہ جو غلط فہمی مذکورہ آیت سے ہوئی ہے اسکا ازالہ ہو جائے۔ کسی بھی آیت کا مطلب اگر کوئی اپنے ذہن سے معلوم کرنا چاہے گا تو یقیناً بہت سی گمراہیوں میں مبتلا ہو جائیگا۔ اس کے لئے معتبر مفسرین کی رہبری از حد ضروری ہے۔

احادیث نبویہ اور ایصالِ ثواب

ایصال ثواب کی مشروعیت اور حقانیت پر بیسوں حدیثیں موجود ہیں، بطور نمونہ چند احادیث پیش

خدمت ہیں۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ عن ابی هريره ان رجلا قال للنبی صلی الله عليه وسلم ان ابی ترك مالا ولم ، يوص فهل يكفر عنه ان اتصدق عنه قال نعم ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے، میرے باپ نے کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں انکی جانب سے صدقہ دوں تو کیا انکے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری خیرات کی بدولت ان کے گناہ معاف کئے جائینگے۔

مشکوٰۃ حدیث میں حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اتينا رسول الله صلى الله عليه وسلم في صاحب لنا اوجب النار بالقتل فقال اعتقوا عنه يعتق الله بكل عضو عضوا منه من النار۔ رواه ابوداؤد والنسائی۔ یعنی ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پہنچ کر اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جو قاتل ہونے کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس قاتل کی طرف سے غلام آزاد کر دو، اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ اللہ اس مجرم کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔

بخاری شریف میں ہے کہ انامرأة من جهنية جائت الى النبی صلی الله عليه وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افا تحج عنها قال حجی عنها ۔یعنی قبیلہ جہینہ کی ایک عورت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی لیکن حج کرنے سے پہلے انکا انتقال ہو گیا، کیا میں اپنی والدہ کی جانب سے حج کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں یعنی تم اپنی ماں کی جانب سے حج کرو۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اموات کو ایصال ثواب کرنا مستحب عمل ہے۔ ایسے غیر شرعی عمل یا بدعت بتانا جہالت ہے۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین،

وما علينا الا البلاغ

استاد الاطباء حکیم جالینوس

علیم صبا نویدی
(مدیر اعلیٰ "نور جنوب" چینائی

طب یونانی کی ابتداء یونان میں یونانی فلسفی طیب بقراط ۳۷۷ تا ۴۶۰ ء میں ہوئی۔ طب یونانی کے تمام تر نظریات بقراط کی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ جالینوس کو(۱۳۱ء تا ۲۱۰ء) ممتاز مقام حاصل تھا۔ جالینوس نے طب یونانی کو جو بنیادی کرنیں عطا کی ان کرنوں کو ابن سینا نے نور علیٰ نور بنایا۔

تیرھویں صدی عیسوی میں علامہ ابن ابی اصیبعہ نے "عیون الانبیاء فی طبقات الاطباء" لکھی جس کا ذکر "تاریخ الاطباء" میں موجود ہے اور یہ کتاب مصر سے منظرِ عام میں آئی تھی اور اس کا ترجمہ اردو میں حکیم خواجہ رضوان احمد نے کیا۔ غالباً علم طب کا آغاز یونان کی سرزمین پر ہوا تھا۔ مصر، ایران، عرب اور یورپ نے اس علم میں ترقی کی منزلیں طے کیں۔ تیرھویں صدی عیسوی میں یہ فن ہندوستان میں آیا اور بے حد مقبول ہوا۔ کتاب "تاریخ الاطباء" علمی اور فنی اعتبار کے ساتھ ساتھ بہترین مواد اور پر مغز معلومات سے بھر پور ہے۔

"فن طب" کی ابتداء اور آغاز سے متعلق دو گروپ ملے ہیں۔

پہلا گروپ، اس فن کے قدیم ہونے کا قائل ہے۔ دوسرا گروپ، اس کے حادثات ہونے اعتقاد رکھتا ہے۔ چنانچہ جو حضرات اجسام کے حادثات ہونے کے قائل ہیں وہ طب کو حادث مانتے ہیں اور جو حضرات اجسام کو قدیم مانتے ہیں وہ طب کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ تخلیق انسانی کی طرح فن طب بھی قدیم اور ازلی ہے جو حضرات کو طب کو حادث قرار دیتے ہیں وہ دو گروہ میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

ایک گروپ کہتا ہے کہ تخلیق انسانی کے ساتھ ہی طب کی بھی تخلیق ہوئی ہے دوسرا گروپ جمہور کا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ طب مابعد کی ایجاد ہے۔ یہ گروہ بھی دو گرہوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ فن طب الہامی ہے اور اس خیال کو یونانی شعراء جالینوس اور بقراط نے ظاہر کیا ہے۔

دوسرا گروپ طب کو انسانی ایجاد تصور کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس فن کی ایجاد اہل فولوس نے کی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس فن کو ایجاد کرنے والے "موسیا وافروجیا" آگے چل کر یہ بھی معلومات ہمیں حاصل ہوتی ہیں کہ نغمہ وسرور اور سروں کے تال میل کی ایجاد کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ طب کا وجود اقلیم رابع کے تین وسطی جزیروں میں ہوا۔ ایک رودس، دوسرا قنیدس، تیسرا افو، بقراط اسی جزیرہ کا باشندہ تھا۔

جالینوس کا خیال یہ ہے کہ اس فن کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے صرف بندوں کو اس کا الہام عطا کیا ہے۔ لہٰذا اس فن سے متعلق دو باتیں کہی جاسکتی ہیں کہ یہ فن ہاتھوں سے ایجاد کیا گیا ہے۔ یا وحی والہام کے ذریعہ آیا ہے۔ چونکہ ایجاد کی کوئی بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے یہ فن وحی الہام کا نتیجہ ماننا پڑے گا۔ یہاں جالینوس کے خیال کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

جالینوس کی پیدائش بعد از مسیح ۵۹ء میں ہوئی اکثر تاریخ داں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ جالینوس حضرت مسیح کا ہم عصر تھا۔ اپنی تصنیفات میں جالینوس نے موسیٰ اور مسیح کا تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس کا زمانہ مسیح کے بعد کا ہے ابوالحسن بن علی بن حسین مسعودی کہتے ہیں جالینوس کا زمانہ مسیح کے دوسو سال، بقراط کے چھ سو پینسٹھ سال کے بعد کا ہے۔

یوسف ابن دایہ نے بتایا ہے کہ جالینوس کی پیدائش اور پرورش فرغاس میں ہوئی جو قسطنطنیہ کے مشرق میں ایک چھوٹا سا اشیائی شہر تھا۔ یہ شہر قسطنطنیہ کے ایک جزیرے میں آباد تھا۔ ایک تاریخ دان کا کہنا ہے کہ فرغامس بادشاہوں کا قید خانہ تھا۔ جالینوس حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ روی بادشاہوں کا خادم بھی تھا اور امیر المومنین کا ہم عصر بھی کتاب الکیموس الجید والردی میں جالینوس نے لکھا ہے کہ وہ بیس سال کا تھا تو اس کے والد کا انتقال ہوا۔ اس کے والد نے پندرہ سال کی عمر میں اس کو علمِ منطق کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر بھیج دیا تھا۔ فلسفہ کی تعلیم کے بعد اس نے سترہ سال کی عمر میں طب کی تعلیم مکمل کی۔

عربی زبان میں جالینوس کے معنی "فاضل" کے ہیں۔ ابوبکر محمد بن ذکریہ رازی نے اپنی کتاب "کتاب الحاوی" میں لکھا ہے کہ "یونانی جیم کو "غین" اور کاف بولتے ہیں۔ جالینوس "غالینوس" اور "کالینوس" کہتے

ہیں۔

اس حقیقت کو تجربے کے ذریعہ اس نے ایک ذی حس جانور پر چند دنوں غم طاری کئے اور پھر اسے ذبح کر کے دیکھا تو اس کا دل کمزور اور مرجھایا ہوا تھا۔ اس سے اس نے یہ استدلال کیا کہ دل پر جب غم مسلط ہوتا ہے تو دل مرجھا کر کمزور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے کئی ایک جسمانی بیماریوں اور کمزوریوں کی گہرائی تک پہنچ کر جالینوس نے اپنے بیانات دیئے ہیں۔ جالینوس کا مقام اور مرتبہ تاریخ طب یونانی میں بہت عظیم اور بلند تر ہے۔

جالینوس کی تصنیفات بے شمار ہیں۔ عربی میں اس کی جو تصنیفات منتقل ہوئی ہیں وہ منتشر ہیں۔ ہم یہاں چند کتابوں کے نام درج کر رہے ہیں۔

۱۔ کتاب الفرق : فن طب کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے بہت اہم کتاب ہے اس کتاب میں اصحاب تجربہ، اصحاب قیاس اور اصحاب الحیل اپنے دعووں کے ثبوت میں کیا دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل اور ان میں حق باطل کے لئے قول فیصل معلوم کرنے کا طریقہ ہے۔

۲۔ کتاب المزاج : اس میں دواؤں کے مزاج کے قسمیں اور انہیں پہچاننے کی ترتیب بتائی ہے۔

۳۔ کتاب الذبول: اس کتاب میں مرض کی طبیعت قسمیں اور تدابیر علاج بیان کئے ہیں۔

۴۔ کتاب ترکیب الادویہ : اس کتاب میں جالینوس کے بے شمار واقعات اور مفید حکایات، نوادرات اور مریضوں کے معالجات کے نقوش اور فن طب پر کمالات کے ہزاروں تذکرے تاریخ الاطباء میں مل جاتے ہیں۔

۵۔ نوادر تقدمۃ المعرفۃ : اس کتاب میں انوکھے معالجات اور امراض کی پیشگی علم و معرفت کے نوادرات پیش کئے گئے ہیں۔ جب جالینوس کے معالجات کے اندر معجزات ظاہر ہوتے ہیں تو لوگ انہیں ''فاعل للعجائب'' (محیر العقول کام کرنے والا) کہنے لگتے تھے۔

۶۔ ترکیب الادویہ : اس کتاب میں مریض کو ''ضیق تنفس'' کے ساتھ نزلہ کی شکایت ہوتی ہے۔ اسے کیا دوائیں دینی چاہئے اور اس کی ترکیب دکھائی ہے۔ اس بیماری کے لئے جالینوس نے ایک

ایسی دوا پلائی جس سے کھانسی اور نزلہ میں ہیجان پیدا نہ ہو، عمدہ نیند آئے اور پھیپھڑوں میں جو کچھ ہوا ہے یہ سہولت خارج کر سکے۔ جالینوس پہلا حکیم ہے کہ جس نے ادویہ اور انصاب نزلہ سے بیشتر پھیپھڑے کے اندر پیدا ہونے والے قرصہ کی معالجاتی ادویہ کا استعمال نہایت اہم ہے۔

۷۔ کتاب تشریح الاموات : اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مردہ حیوان کی تشریح سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کیا ہیں۔

۸۔ کتاب تشریح الاحیاء : اس کتاب میں ان اشیاء کو بیان کیا گیا ہے۔ جو زندہ حیوان کی تشریح سے روشنی میں آتی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کیا ہیں؟

۹۔ کتاب فی العرت : اس کتاب میں بتایا گیا کہ آواز کیا ہے؟ کیسے بنتی ہے؟ اور اس کا مادہ کیا ہے؟ کن آلات سے پیدا ہوا ہے؟ کون سے اعضاء آواز پیدا کرنے میں معاون ہوتے ہیں اور آوازوں میں اختلاف کیسے پیدا ہوتا ہے؟

۱۰۔ کتاب الاخلاق : اس کتاب میں اخلاق کے اقسام ، اسباب ،علامات اور معلجات کا بیان درج ہے۔ یہ کتاب شاید جالینوس کی آخری کتاب ہے۔

تعجب اس بات کا ہے کہ جالینوس کا جس مرض میں مرض ذرب (اسہال) انتقال کیا آج بھی وہ مرض لا علاج ہے۔

حضرت باقر آگاہ ویلوری کی مثنوی نگاری

ڈاکٹر امان اللہ۔ایم۔بی
لکچرر، شعبۂ عربی، فارسی واردو،
مدراس یونی ورسٹی

مولانا باقر آگاہ ۱۴/رجب المرجب ۱۱۵۸ھ م ۱۷۴۵ء میں بمقام ویلور پیدا ہوئے۔آپ کے والد مولوی محمد مرتضیٰ صاحب نے آپ کی ابتدائی تعلیم کے لئے اپنے بھائی شیخ حبیب اللہ کے حوالہ کیا۔مولانا باقر آگاہ نے اپنے چچا سے حصول علم کے بعد انہی کے ایماء پر حضرت قربؔی ویلوری کی خدمت میں حاضری دی۔حضرت قربؔی سے آپ نے فارسی کی اعلیٰ کتابوں اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔

مولانا باقر آگاہ نے حضرت قربی سے نہ صرف علمی طور پر استفادہ کیا بلکہ شعروادب میں بھی مہارت حاصل کی۔ حضرت قربؔی ویلوری کی نگاہوں نے آگاہ کی ذہنی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں خاص توجہ اور انہماک سے کام لیا۔آگاہ کو اپنے مربی اور مرشد سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔اس کا اظہار آپ نے ایک فارسی قصیدہ میں کیا ہے۔یہ قصیدہ آگاہ نے سترہ سال کی عمر یعنی ۱۱۷۵ھ میں لکھا اور یہی قصیدہ آپ کی پہلی شعری کاوش ہے۔

حضرت آگاہ نے عربی اور فارسی کلام میں اپنا تخلص ''آگاہ'' ظاہر کیا ہے اور دکنی کلام میں ''باقر'' استعمال کیا ہے۔اکثر مثنویوں میں 'آگاہ' ہی استعمال ہوا ہے ۱۱۸۴ھ سے ۱۱۸۵ھ کے دوران اردو کلام میں تخلص 'باقر' کا استعمال ہوا ہے۔انہوں نے اپنی مثنوی ''من موہن'' میں 'باقر' ہی تخلص استعمال کیا ہے۔اس غزل کا مقطع ملاحظہ ہو:

عفو باقؔر کی اب کرو تقصیر ☆ از برائے خدا تمہارا ہوں

مولانا باقر آگاہ نے اپنی اکثر مثنویوں میں اپنے شیخ کی عظمت اور منزلت کا اعتراف کیا ہے بطور نمونہ آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''ہشت بہشت'' کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خاصا قربؔی و شیخ زمن ☆ عرفان کے گھن کا پاک رتن

خاص شیخ دین و دنیا بوالحسن ☆ جس کی تھی ہر بات میں مومن لگن

مولانا باقر آگاہ نہ صرف تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور ادب میں مہارت رکھتے تھے بلکہ وہ متعدد زبانیں بھی جانتے تھے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر یوں رقمطراز ہیں:

''مولانا باقر آگاہ عربی، فارسی اور اردو کے شاعر نہیں بلکہ سنسکرت، برج بھاشا، تلگو اور اروی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے۔'' ۱

حضرت ذوقی ویلوری مولانا باقر آگاہ کے مرشد زادہ تھے۔ ان دونوں نے حضرت قربی ویلوری کے رو برو ایک ساتھ زانوے ادب تہہ کیا تھا۔ دونوں دینی اور علمی قابلیت و صلاحیت کے اعتبار سے بے مثال اور لا جواب تھے۔ میر اسماعیل خاں ابجدی چنگل پٹی جو نواب محمد علی والا جاہ کے درباری شاعر تھے۔ فارسی اور اردو کے بہترین استاد تھے۔ مولانا آگاہ اور ابجدی میں بڑے اچھے دوستانہ مراسم تھے۔ ابجدی مولانا آگاہ کے تبحر علمی، نکتہ رسی اور زہد و تقویٰ کے ہمیشہ قدر دان رہے۔ اور اپنی فارسی مثنوی میں آگاہ کو ''گنج جوہر معانی'' اور ''شمع دل و چراغ دین'' کے لقب سے نوازا۔

مولانا آگاہ ایک وسیع النظر اور مرنجاں مرنج طبیعت کے انسان تھے۔ آپ کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ آپ نے سیدھی سادی شائستہ وشستہ، عام فہم زبان میں علمی وفنی مسائل کو نظم اور نثر میں پیش کرنے کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تخلیقات بالخصوص آپ کی نثر دورِ قدیم میں شمالی ہند کی مروجہ نثر سے مختلف اور آج کی جدید نثر سے بہت قریب معلوم ہوتی ہے۔

مولانا آگاہ اپنے دور کے صاحب طرز انشا پرداز، قادر الکلام اور قد آور شاعر ہی نہیں تھے بلکہ اپنے وقت کے آفتاب فکر و فن تھے۔ جس کی کرنوں سے آج کا دور بھی منور نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر یوں رقمطراز ہیں:

''نواب صدیق حسن خاں نے اپنے تذکرہ ''شمع انجمن'' میں لکھا ہے کہ کرناٹک میں ان کے ایسا کوئی سر بلند نہ ہوا اور جنوب میں ان کا کوئی عدیل نہیں صاحب تصانیف کثیرہ اور بہت سے کمالات کے حامل تھے۔'' ۲

آپ کی کتابوں میں مختلف مقامات پر خواجہ میر درد، مظہر جان جاناں، فغاں، آرزو، آبرو، میر حسن اور سودا وغیرہ کا کثرت سے نام ملتا ہے۔ مگر کہیں بھی میر تقی میر کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے اس وقت تک میر کی شہرت مدراس نہ پہنچی

ہو۔قدیم کرناٹک میں تالیف کردہ تمام مستند تذکروں میں حضرت آگاہ کا ذکرِ خیر ملتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ ''گلزارِاعظم''، تذکرہ ''صبح وطن''، تذکرہ ''گلدستہ کرناٹک''، تذکرہ ''نتائج الافکار''، تذکرہ ''معدن الجواہر''، تذکرہ ''حدیقۃ المرام'' اور تذکرہ ''علمائے ہند'' وغیرہ کے مؤلفین نے آپ کی خوب تعریف کی اور آپ کی علمی وادبی خدمات کا کھل کر اعتراف کیا۔

حضرت باقر آگاہ چونکہ بنیادی طور پر عالم وفاضل اور صوفی طریق تھے۔لہٰذا آپ نے دیگر صوفی شعراء کی مذہبی تعلیم وتبلیغ کی غرض سے شاعری کو ذریعہ اظہار بنایا۔ بقول ڈاکٹر بدیع حسینی:

> ''دکنی زبان میں تصنیف وتالیف کا آغاز کرنے والے صوفی اور مذہبی رہنما تھے۔ان کی تعلیمات عوام کے لئے تھیں۔اس لئے انھوں نے عوامی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔ان کے مخاطب مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔انھوں نے عورتوں کے لئے علاحدہ ادب تخلیق کیا۔جس میں راست عورتوں سے تخاطب تھا۔'' ۳

مولانا باقر آگاہ کی شاعری کے مطالعہ سے اس بات کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ آگاہ شمالی ہند کے شعراء کی طرح فارسی آمیز شاعری کو پسند نہیں کرتے تھے۔حالانکہ خود بھی عربی، فارسی زبانوں کے ماہر تھے لیکن آپ دونوں زبانوں سے زیادہ دکنی زبان کی طرف راغب تھے اس کا اعتراف موصوف نے خود اپنے مختلف اشعار میں یوں کیا ہے۔

دیکھ تو ہندی کتابوں کو سبھی　　ہور قصائد ریختوں کو دیکھ کبھی
کیوں ہیں وہ الفاظ زیر و زبر　　خاص تازی فارسی اے بے خبر
ہے ہندی کر کے اس کو سہل مت جان　　بغور فکر اوس کی قدر پہچان
فخر نہیں کرتا ہوں میں اے نیک نام　　دیکھ تینوں بات میں میرا کلام
کہا ہوں صاف اسے ہندی زباں میں　　کیا میں شاعری کچھ اس بیاں میں
سوا رکھ مجھ کو اپنے دھیان کے ساتھ　　لجا آخر مجھے ایمان کے ساتھ

مولانا باقر آگاہ ان اشعار میں جس زبان کا ذکر کر رہے ہیں وہ درحقیقت 'ہندوستانی' ہے جس میں عربی اور فارسی کے نادر وغریب اور بھاری بھرکم الفاظ سے شعروادب کا دامن بچایا تھا۔ چنانچہ آج بھی اس ہندوستانی زبان کی سیاسی بلکہ ادبی اہمیت مسلم ہے۔ بہرحال اس نئی زبان کے بانی اور انوکھے انداز بیان کے موجد باقر آگاہ ہیں جیسا کہ متذکرہ بالا

اشعار سے پتہ چلتا ہے۔

رسالۂ عقائد:

مولانا آگاہ کی یہ پہلی تصنیف ہے۔ ۵۰۰ اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی۔ اس میں اہل السنّت والجماعت کے عقائد بڑی عمدگی سے پیش کئے گئے ہیں۔ مثنوی عقائد نامہ کو فرائد در عقائد، شواہد در بیان عقائد، عقائد مولوی محمد باقر آگاہ کے مختلف عنوانوں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کے دو قلمی نسخے کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، سالار جنگ میوزیم، مینوسکرپٹ لائبریری حیدرآباد میں موجود ہیں۔

ہشت بہشت:

حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر مشتمل یہ طویل مثنوی مولانا باقر آگاہ نے نواب امیر الامراء حافظ محمد منور خاں امیر کی خواہش پر تصنیف کی تھی جو آپ کی تمام تصانیف میں معرکۃ الآرا تصنیف مانی گئی ہے۔ آج بھی اردو شعر و ادب کی تاریخ میں اس کا مقام بہت نمایاں ہے۔ آٹھ مختلف و مکمل رسالوں کے مجموعہ پر مشتمل یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ تا ۱۲۰۶ھ کے درمیان لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی کے جملہ اشعار کی تعداد نو ہزار ہے۔ مولانا آگاہ نے ہشت بہشت کے آٹھ رسالوں کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ ربیع الاول کے بارہ دنوں کی تقاریر میلاد شریف میں ہر ایک ایک روز ایک ایک حصہ پڑھ کر عوام کو سنایا جائے تا کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کی حقیقی لذت سے لوگ آشنا ہو جائیں۔ ان آٹھ رسالوں کے نام درج ذیل ہیں

شمار نمبر	رسالہ	نام	نفس موضوع	سنہ تصنیف
۱	پہلا رسالہ	من دیپک	نور محمدی ﷺ کا ذکر	۱۱۸۵ھ
۲	دوسرا رسالہ	من ہرن	نبوت کی بشارت	۱۱۸۵ھ
۳	تیسرا رسالہ	من موہن	نبی ﷺ کی ولادت سے ۸ سال تک	۱۱۹۶ھ
۴	چوتھا رسالہ	جگ سوہن	نبی ﷺ کی حیات طیبہ یعنی آٹھ سال سے وفات تک کے واقعات	۱۱۸۵ھ
۵	پانچواں رسالہ	آرام دل	نبی ﷺ کے شمائل و فضائل اور عبادت کا تذکرہ	۱۱۸۵ھ

۶	چھٹا رسالہ	راحت جان	حضور ﷺ کے خصائص کی تفصیل	۱۱۸۶ھ
۷	ساتواں رسالہ	من درپن	معجزات نبوی ﷺ کا بیان	۱۱۶۵ھ
۸	آٹھواں رسالہ	من جیون	درود کے فضائل، زیارت بارگاہ نبوی کے آداب اور آپ ﷺ سے فرضیت محبت	۱۲۰۶ھ

حضرت آگاہ نے اپنی کتاب ''ہشت بہشت'' کے آٹھوں رسائل کے عناوین ایسے منتخب کئے ہیں کہ صرف عنوان پڑھتے ہی ایک گونا وارفتگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ ہشت بہشت کے عنوانات ہندی الفاظ کی ترکیب سے بنائے گئے ہیں جس سے آگاہ کی شاعری کا حسن وخوبصورتی کا اظہار ہوتا ہے یہ حضور ﷺ کی سیرت پر پہلی منظم تصنیف ہے۔ بقول کاوش بدری:

> ''آج سے دوسو سال پہلے آگاہ نے نظیر اکبر آبادی اور فراق گورکھپوری سے کہیں زیادہ اپنی شاعری میں ہندوستانی عناصر کو تخلیق حسن کے ساتھ برتا ہے۔آگاہ کی شاعری میں ہندی الفاظ کا استعمال اتنی خوبصورتی سے ہوا ہے کہ شاید ہی اس کی مثال شمالی ہند کے کسی قدیم یا جدید شاعر کے یہاں ملے۔آگاہ کی 'ہشت بہشت' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی طویل منظم تصنیف ہے۔اس سے پہلے کوئی اس قدر طویل مثنوی نہیں لکھی گئی۔اس کتاب میں ہندی سرخیوں کے ساتھ نو ہزار اشعار ہیں اور ہر حصہ ہندی کی ذیلی سرخیوں پر مشتمل ہے مثلاً من دیپک، من ہرن، من موہن، جگ سوہن، من درپن، من جیون وغیرہ۔'' [۴۲]

عقائدآگاہ (۱۱۸۶ھ-۱۱۸۵ھ):

مولانا آگاہ کی یہ دکنی مثنوی ہے۔اس مثنوی میں آگاہ نے عقائد صحیحہ کی جانکاری دیتے ہوئے اسکی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے۔

تحفۃ النساء(۱۱۸۶):

تحفۃ النساء بالخصوص عورتوں کے لئے لکھی گئی تھی۔عورتوں کی تعلیم وتربیت پر اردو میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں امہات المومنین حضرت فاطمہؓ، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، خدیجہؓ، عائشہ صدیقہؓ، زینب بنت خزیمہؓ، رابعہ

بصریہ معاذہؒ، شعرانہؒ، فاطمہ خراسانیہؒ، ام علیؒ، ام محمدؒ، رابعہؒ، حکیمہؒ، کے سوانحی حالات بطور پند و نصیحت بیان کئے گئے ہیں۔

رسالہ فقہ (۱۲۰۰ھ): یہ کتاب بھی فقہی مسائل پر مشتمل ہے۔

محبوب القلوب (۱۲۰۶ھ):

اس مثنوی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات زندگی کو منظم کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی کل گیارہ وصلوں (ابواب) پر مشتمل ہے۔ مختلف ابواب پر منقسم اس مثنوی کے ہر باب کو 'وصل' اور ذیلی باب کو 'جلوہ' کا نام دیا گیا ہے اور جملہ اشعار چار ہزار ترسٹھ ہیں۔ اس مثنوی کے آخر میں ۵۵-۵۵ اشعار کے دو قصیدے بھی الگ سے شامل کئے گئے ہیں۔ اس کے نسخے ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہیں۔ یہ مثنوی ۱۳۰۷ھ میں مدراس سے چھپی ہے۔

ریاض الجنان (۱۲۰۷ھ):

اس میں اہلِ بیت کا ذکر اور واقعات شہادت کے تذکرے قلم بند ہیں۔ اس مثنوی میں اہل بیت کرام کی تعریف و توصیف کا بیان، حضور ﷺ کا حضرت فاطمہؓ کی اولاد کے حق میں دعائے خیر و برکت، حضور ﷺ کی آخری وصیت، اہل بیت اطہارؓ کو عذاب و عتاب سے خلاصی، مسلمانوں کے لئے اہل بیت اطہار کی محبت کا وجوب، اہل بیت سے بغض کی حرمت، آل رسول ﷺ سے حسن سلوک کا وجوب، سادات کرام کے امت مسلمہ پر حقوق، شہادت امام حسینؓ اور امام حسنؓ کا بیان، قاتل اہل بیت سے قدرت کا انتقام وغیرہ واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

اس مثنوی کا نسخہ ذخیرہ شمس اللہ قادری ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں موجود ہے۔ اس کی طباعت ۱۲۸۵ھ میں ہوئی ہے۔

تحفۃ الاحباب: (۱۲۰۸ھ):

اس کتاب میں خلفائے اربعہ اور عشرہ مبشرہ کا تذکرہ بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پندرہ ابواب پر مشتمل اس مثنوی میں صحابہ کرام کی تعریف اور فضیلت بیان کی گئی ہے خصوصاً خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے احوال اور مناقبت کے علاوہ حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبداللہ بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابو عبیدؓ اور حضرت سعیدؓ کے احوال اور شخصی خوبیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس مثنوی کے کل ۳۴۲۶ ابیات ہیں، اس مثنوی کے متعدد مطبوعہ و غیر مطبوعہ نسخے مختلف کتب خانوں اور گورنمنٹ اورئینٹل مینوسکرپٹ لائبریری، مدراس یونی ورسٹی مدراس میں موجود ہیں۔

فرائد در بیان فوائد (۱۲۱۰ھ):

یہ مثنوی ہندی زبان میں ہے۔اس میں قرآن مجید واحادیث سے متعلق تذکرے موجود ہیں۔قرآنیات پر اردو کی اولین مثنوی ہے۔اس مثنوی کے جملہ اشعار ایک ہزار پانچ سودس ہیں۔یہ مثنوی اقسام وحی، کیفیت وحی، آسمان سے دنیا پر تمام قرآن مجید کا بیک وقت نازل ہونا، مکی اور مدنی سورتوں کی تعریف، قرآن مجید کے اجزاء اور سورتوں کے نام اور خصائص وفضائل کلام مجید، تدوین قرآن، قرآن سبعہ، اعجاز القرآن جیسے عناوین پر منقسم کی گئی ہے۔

روضۃ الاسلام (۱۲۱۴ھ):

فقہ شافعی کے مسائل پر مشتمل یہ مثنوی حضرت باقر آگاہ نے اپنی دختر فاطمہ کے لئے لکھی تھی۔اس میں ۲۴۲۴ ابیات ہیں۔فقہ شافعی پر یہ عمدہ کتاب ہے۔

مناجات آگاہ:

اس مثنوی کا قلمی نسخہ کتب خانہ رحمانیہ، مدراس میں محفوظ ہے۔یہ ۱۳ اوراق پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ مولانا باقر آگاہ نے کئی مختصر مذہبی رسالے بھی قلم بند کئے ہیں۔

میں نے اس مضمون میں مولانا باقر آگاہ کی مذہبی مثنویوں کا مختصر جائزہ لیا ہے۔مذہبی مثنویوں کے نفس مضمون پر اس طرح کی جرح اور اس قدر مدلل تنقید حضرت آگاہ سے پہلے کسی شاعر وادیب کی اردو تحریروں میں نہیں ملتی۔آگاہ نے عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے ان متعصب افراد پر سخت نکتہ چینی کی جن کی مذہبی حمیت کسی ایک خاص طبقے تک محدود رہتی ہے۔

مولانا باقر آگاہ نے ۱۴/ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ بروز پنجشنبہ کی رات وفات پائی اور ۱۵/ذی الحجہ ۱۲۲۰ھ بروز جمعہ بعد نماز بمقام کرشنام پیٹ، تدفین عمل میں آئی۔کئی شعراء حضرات نے تاریخ وفات نکالی۔لیکن مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر (مولانا باقر آگاہ کے بھتیجے) نے ''قدمات فرد العصر'' سے تاریخ وفات نکالی۔لیکن آپ کے مزار کے کتبہ پر جو قطعہ وفات کندہ تھا وہ درج ذیل ہے:

آگاہ گنج علم دین
زیر زمیں اور نہفت
تاریخ رحلت عامی

''قدمات فرد العصر'' گفت

۲۰ ھ ۱۲

حوالہ جات:

۱۔ 'مولانا باقر آگاہ جدید تحقیق کی روشنی میں' از ڈاکٹر محمد علی آثر۔

۲۔ 'مولانا باقر آگاہ جدید تحقیق کی روشنی میں' از ڈاکٹر محمد علی آثر۔

۳۔ دکنی میں ریختی کا ارتقاء، از ڈاکٹر بدیع حسینی، مطبوعہ، انجمن ترقی اردو حیدر آباد۔

۴۔ تمل ناڈو میں اردو کی تاریخ، از کاوش بدری، ماخوز از ماہنامہ ''آج کل' دہلی۔ تمل ناڈو نمبر جون -جولائی ۱۹۷۷ء

☆☆☆

ویلور کا طبِ یونانی منظر نامہ

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق قریشی، ایم،اے،پی،ایچ،ڈی،

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رفیق محترم وصدیق مکرم ڈاکٹر سید سجاد حسین صدر شعبہ عربی، فارسی و اردو، مدراس یونیورسٹی چنئی کا اطلاع نامہ اور قدرے وقفہ کے بعد دعوت نامہ میرے نام موصول ہوا۔ جس سے یہ آگہی ملی کہ شعبۂ اردو کی جانب سے طب یونانی پر ایک سیمنار منعقد ہونے والا ہے جس میں میری شرکت بحیثیت مندوب مقالہ نگار ضروری ہے۔ ان کی ذرہ نوازی وقدردانی اور دوستی کے سامنے بسروچشم قبول است کے سوا کسی قسم کی معذرت کے فقرات وکلمات نہ تھے جو ان کے گرامی نامہ کے جواب میں صدور پذیر ہوتے۔

عام طور پر یونیورسٹیوں کے اردو شعبے اردو زبان وادب سے متعلق تحقیق وتدقیق، تنقید وتاریخ اور ترجمہ کو اپنی بحث کا موضوع بنائے رہتے ہیں اور اب تک یہی روایت مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی بھی رہی ہے۔ رفیق محترم ڈاکٹر سجاد صاحب کی جدت پسندی، وسعت نظری اور ذوق علمی کے باعث مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک نئی روایت یہ قائم ہوئی کہ یہاں اردو زبان وادب کے علاوہ دیگر مفید علوم وفنون کی جانب بھی توجہ دی جارہی ہے۔ اسکی روشن مثال طب یونانی سے متعلق منعقدیہ سیمنار ہے، انشاء اللہ اس سیمنار سے مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک مثالی حسین وخوشگوار علمی وفنی دور کا آغاز ہوجائیگا۔

یہ ایک خوش آگین تعلیمی، تحقیقی اور تعمیری اقدام ہے جسکے لئے رفیق محترم ڈاکٹر سید سجاد حسین وتبریک کے مستحق ہیں ۔اور آج اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ اردو زبان میں مختلف قدیم اور جدید علوم وفنون سے متعلق تحقیقی ،تنقیدی، تدوینی، تعلیمی، تعمیری اور تدریسی مجالس مذاکرہ منعقد ہوتی رہیں تا کہ اردو زبان کا دامن مختلف علمی وفنی موتیوں سے بھر جائے ،اور یہ صورت حال اردو زبان وادب کے شاندار وتاب ناک اور پائیدار وروشن مستقبل کی علامت ہوگی۔

ڈاکٹر سید سجاد صاحب کو مدراس یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے وابستہ ہوئے ربع صدی سے زائد مدت گذر چکی ہے، اب تک ان کی سرپرستی میں مختلف علمی وادبی اور تحقیقی موضوعات پر طلباء اور طالبات نے ستر ایم فل اور بیس پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کئے ہیں اور ان کے یہ تلامذہ اردو زبان کی خدمت میں مصروف عمل ہیں جو بالواسطہ ڈاکٹر موصوف کی علمی وادبی خدمات کا ایک زرین باب ہے۔

آج کے اس سیمنار کا عنوان ہے ’’ریاست ٹمل ناڈو میں طب یونانی کا ارتقائی سفر‘‘ اس موضوع کے تعلق سے عرض یہ ہے کہ راقم الحروف اسلامیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے اور اسکی ساری تحریریں اسی کے نور سے روشن ہیں تاہم وہ طب یونانی سے بھی بالواسطہ منسلک ہے۔ اسی ربط وتعلق کے باعث یہ طالب علمانہ تحریر وجود میں آئی، الحمدللہ علی ذلک۔ طب کے موضوع پر اسکی یہ تحریر بھی اسلامیات اور درسیات کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے جس میں یہ پہلو نمایاں کیا گیا ہے کہ مدارس عربیہ کا طب یونانی کے ساتھ خاص رشتہ رہا ہے ۔ایک وہ بھی دور تھا کہ دینی درسگاہوں سے نکلنے والے اکثر وبیشتر فارغین علماء وفضلاء اپنے وقت کے ماہر اطباء اور حکماء ہوا کرتے تھے۔انہوں نے علم الادیان کے ساتھ علم الابدان کی حفاظت وصیانت اور اشاعت وافادیت کے باب میں تاریخ ساز کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں یہ موضوع اپنے

دامن میں بے پناہ وسعت لئے ہوئے ہے۔اس لئے راقم الحروف نے اپنے اس مقالہ کو ویلور کی دوعظیم درسگاہوں دارالعلوم لطیفیہ اور مدرسۂ باقیات میں فن طب کی تعلیم وتدریس اور اسکے سرپرست اکابرین وفارغین اور دیگر ویلور کے اطباء وحکماء کی طبی خدمات پر محدود رکھا ہے۔اور اسکے لئے سرخی یہ بنائی گئی ہے۔ویلور کا طب یونانی منظر نامہ،اب یہی تحریر آپ کے گوش گذار ہے۔

محترم ڈاکٹر سید سجاد حسین صاحب صدر شعبۂ اردو عربی فارسی مدراس یونیورسٹی چنئی ڈائرکٹر آف سیمنار، محترم ڈاکٹر حکیم کے حبیب احمد صاحب پروفیسر شعبہ اردو مدراس یونیورسٹی دست باز وڈائرکٹر آف سیمنار، محترم ڈاکٹر امان اللہ صاحب لکچرار شعبۂ اردو مدراس یونیورسٹی، معاون ڈائرکٹر آف سیمنار، محترمہ غوثیہ سعیدہ آرگنیزنگ سکرٹری آف سیمنار، محترم ڈاکٹر حکیم غازی امان صاحب اورنگ آباد چیرپرسن آف سیمنار، محترم ڈاکٹرس، حضرات اطباء وحکماء، عزیز القدر یونانی طلباء وطالبات، محترم اصحاب طب، ارباب اردو زبان وادب، محترم روسا وعمائدین، معزز خواتین، دیگر سامعین والا تمکین نمائندگان پرنٹ میڈیا والکٹرانک میڈیا۔

ریاست ٹمل ناڈو کے شہروں میں ویلور دارالسرور کو تاریخی، علمی، ادبی اور مذہبی اعتبار سے ایک مخصوص وممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ساتویں صدی، ہجری سے ملک کافور کے جنوب میں حملہ کے بعد ویلور میں مسلمانوں کی آمد اور سکونت کا سلسلہ شروع ہوا۔اسکے بعد میں بارھویں صدی ہجری کے ربع اول میں حضرت قربی علیہ الرحمہ نے ویلور کی سرزمین پر قدم رکھا اور یہاں مسند درس بچھائی تو آپ کا علمی وروحانی فیض چاروں طرف پھیلنے لگا اور ویلور علم وادب کا محور اور مرکز بن گیا اور یہاں جتنے بھی علماء اور فضلا ہیں وہ سب آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔علامہ باقر آگاہ ویلوری اپنی فارسی تصنیف تحفۃ الحسن میں فرماتے ہیں۔دریں ملک ہر کہ ہست از شاگرداں ایشاں یا شاگرد شاگرداں۔

ویلور اور اسکے قرب وجوار کے علماء وفضلاء کی سیرت وسوانح کا ایک باب طب وحکمت سے بھی مربوط ہے لیکن سیرت نگاروں نے ان حضرات کرام کی صرف علمی وادبی اور دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کے ذکر وبیان کو وسعت بخشی اور ان

کی طبی خدمات کی جانب کچھ کم ہی التفات کیا جو کہ اس علاقہ میں تاریخ طب کا ایک اہم ترین گوشہ ہے۔ مورخین کے عدم التفات کی بڑی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ طب میں ان حضرات علماء کی جو اصلاحات اور افادات رہیں، انہیں وہ شہرت نہ مل سکی جو شہرت کہ ان کی دینی و دعوتی سرگرمیوں کو نصیب ہوئی، اور یہ صورت حال اس لئے بھی پیش آئی کہ ان حضرات نے براہ راست طب کو اپنی اصل توجہات کا مرکز نہیں بنایا جس کی وجہ سے ان کی طبی خدمات کا پہلو اس علاقہ کی تاریخ طب میں دھندلا سا رہ گیا، ان کی طبی خدمات سے متعلق صرف یہی ایک بات کافی ہے کہ ان حضرات علماء سے طب وحکمت کے باب میں بے شمار کتابیں منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوئی ہیں جو اپنی جگہ ایک مستقل کتب خانہ کی عظمت اور شان وآن لئے ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر عربی اور فارسی میں لکھی گئی ہیں اور ان میں علمی وفنی تشریحات، اصطلاحات، ادویات، نسخہ جات، دواؤں کے استعمال کی تراکیب اور مریضوں کے لئے پرہیز واحتیاط کی تفصیلات ملتی ہیں۔ اگر ان کتابوں کو اردو وانگریزی اور علاقائی زبانوں کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو یہ کتابیں طبی دنیا کے شام وسحر بدل سکتے ہیں اور یہ ایک ایسی صبح ہوگی جس سے عباسی خلیفہ مامون الرشید کا قائم کردہ دارالحکمت اور دارالترجمہ کی نشاۃ ثانیہ ہوجائے گی اور ہندوستان میں طب یونانی ایک نئے دور میں داخل ہوجائے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز.

ویلور میں طب یونانی کو دو حیثیتوں سے ارتقاء اور عروج حاصل ہوا۔ اسکے ارتقاء کا ایک پہلو یہ ہے کہ ماضی بعید کے جتنے بھی علماء وفضلاء تھے، ان میں سے اکثر وبیشتر حضرات، حکماء اور اطباء بھی تھے، اور انہوں نے درس وتدریس، وعظ ونصیحت، تصنیف وتالیف اور شعروادب کے ساتھ ساتھ طب وحکمت کی جانب بھی اپنی توجہات مبذول رکھیں اور علاج ومعالجہ اور دواسازی کے علاوہ طبی موضوعات پر وقیع اور مبسوط کتابیں تصنیف کیں اور علم الادیان اور علم الابدان کے درمیان ایک حسین اور خوشگوار امتزاج قائم رکھا۔ اور ان حکماء کے ہاں پسر نمونہ پدر کی مثال بھی قائم رہی، جسکی برکت سے فن طب ان کی اولاد واحفاد میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ منتقل ہوتے رہا۔ اس طرح سے ویلور اور اسکے گردونواح میں ماضی قریب تک بھی طب یونانی کا ایک ارتقائی اور عروجی تسلسل اور تواتر برقرار رہا لیکن موجودہ زمانے میں طب کی یہ شاندار تاریخی روایت ضعف کا شکار ہوچکی ہے اور علماء کے ہاتھوں طب کا دامن چھوٹتا چلا جارہا ہے جسکے باعث آج علم الادیان اور علم الابدان کے درمیان خلیج بڑھتی چلی جارہی ہے اور **الولد سر لابیہ** (بیٹا، باپ کی صفات وکمالات کا مظہر ہوتا ہے) یہ مثال بھی خال خال ہی نظر آرہی ہے۔

ویلور میں طب یونانی کے ارتقاء اور عروج کا دوسرا پہلو دینی درسگاہوں سے وابستہ ہے، ویلور کی قدیم ترین اور

اولین درسگاہ دارالعلوم لطیفیہ ہے جس نے اسلامی وعربی علوم وفنون کے ساتھ فن طب کی تعلیم وتدریس کا نظم ونسق قائم کیا۔
اسکے سرپرست حضرات کرام میں حضرت قطب ویلور کی شخصیت علمی ودعوتی اور تصنیفی پہلو سے ہٹ کر طبی زاویہ نگاہ سے بھی بڑی روشن اور تابناک نظر آتی ہے۔ آپ اپنے وقت کے ایک ماہر حکیم اور حاذق طبیب بھی تھے۔ آپ کے علاج سے بے شمار مریضوں نے صحت وشفا کی نعمت پائی اور آپ کی تجویز کردہ دوائیں، ویلور ہی میں نہیں دوسرے شہروں میں بھی پہنچتی تھیں۔ چنانچہ آپ کے قلمی فارسی مکتوبات کے مطالعہ سے نہ صرف دواؤں کے نام اور ترکیب استعمال اور پرہیز واحتیاط سے متعلق آپ کی ہدایتوں کا علم ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ مریضوں کے علاج کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد واعمال کی اصلاح اور تعلیم جانب بھی خاصی توجہ فرماتے تھے۔

محمد قادر محی الدین مدراسی کے نام تحریر کردہ مکتوب میں فرماتے ہیں۔

نواب صاحب (محمد علی والا جاہ) کی بیگم صاحبہ کی یاد فرمائی اور محل نواب کے بانجھ ہونے کی اطلاع مکتوب کے ذریعہ ملی، سفوف کی چوبیس پوڑیاں ارسال کیا ہوں جو بانجھ کی ساری اقسام کے ازالہ میں نظیر نہیں رکھتی ہیں۔

نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کو تمام اسباب سے ہٹا کر قاضی الحاجات اور مجیب الدعوات کی جانب مائل اور متوجہ رکھیں اور کامل یقین کے ساتھ اسی کی ذات جل جلالہ کو فاعل حقیقی اور مختار سمجھیں اور دوا کو ایک واسطہ اور ذریعہ سے بڑھکر نہ سمجھیں۔

ایک اور مکتوب میں سید کریم الدین خان بہادر کی بیماری دور ہونے کے لئے دوا کے ساتھ ساتھ دعا کے اہتمام کی تاکید ان الفاظ میں فرمارہے ہیں۔

دعا، دوا کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو حیثیت جسم کے لئے دل کی ہوتی ہے۔ دعا میں قضا وقدر کو رد کرنے اور بدلنے کی صفت وصلاحیت ہے لیکن اس صفت اور صلاحیت کی توقع دوا میں نہیں ہے۔

سید محمد غوث صاحب صدر امین بہادر کے نام تحریر کردہ مکتوب میں علاج ومعالجہ سے متعلق یہ تفصیل ملتی ہے۔

آپ کے خانہ شریف کے افراد کی طبیعت ناساز رہنے کی خبر ملی اور ٹیپو صاحب کی زبانی بھی ضعف معدہ وقلب اور دردنیم سر کی شکایت سنی، شربت گل استعمال کریں، یہ ان تمام شکایات میں فائدہ مند ہے۔ سفرجل کا شکنجبین استعمال کریں یہ بھی نفع دے گا۔ اس کا تھوڑا سامر بہ رجسٹر ٹپال کے ذریعہ روانہ کیا ہوں۔ حاصل کرلیں۔ شکنجبین خود تیار کرلیں۔

حضرت قطب ویلور سے لوگ اپنے امراض کے علاج ومعالجہ سے متعلق خط وکتابت کیا کرتے تھے اور آپ خطوط

کے ذریعہ بیماروں کے احوال دریافت فرما کر دوائیں تجویز فرماتے اور ارسال کرتے تھے۔حمید الدین خان نیلور کے نام ارسال کردہ خط میں لکھتے ہیں۔

آپ نے مختلف امراض کے علاج سے متعلق دریافت کیا تھا۔اس قسم کے امراض میں مریض کا طبیب کے سامنے رہنا ضروری ہے۔اس حاضری اور موجودگی کے باوجود بھی ان کا علاج بہت مشکل ہے۔آپ ہی اندازہ کیجئے کہ سات روزہ مسافت پر ان کا علاج کس قدر مشکل ہوگا۔

ایک اور مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ تشخیص اور دوا سازی کے ساتھ قرآنی اور نبوی اشغال سے بھی خدمت خلق انجام دیتے رہے۔''نواب عظیم جاہ بہادر کو مختار النساء سے لڑکی تولد ہوئی۔بہو بیگم صاحبہ نے مریم بی کو میرے پاس اولاد صالح کی استدعا کے لئے بھیجا تھا۔دوا بھی طلب کی تھی اس لئے میں نے اسم المصور کے نقش اور سفوف کی پڑیاں جوازالہ بانجھ پن،تقویت رحم اور تقویت جنس کے لئے بڑی مفید اور مجرب ہیں روانہ کیا ہے۔جسکے دو ماہ بعد نواب صاحب کے حمل کی بشارت ملی۔

اور ایک مریض سے بذریعہ مکتوب یہ گفتگو فرما رہے ہیں۔

آپ کی طبیعت کی ناسازی کی خبر سے اندازہ ہوا کہ غذا اور ہضم میں کس طرح کا قصور اور فتور پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا غذا کے استعمال اور ہاضمہ کی درستگی کا خاص خیال رکھیں،زیادہ تر بیماریاں بسیار خوری کے باعث لاحق ہوتی ہیں۔

اور ایک مریض سے بزبان قلم مخاطب ہیں:

آپ بیماری کو نعمت الٰہی تصور کریں کیونکہ جو چیز جسم کے لئے تکلیف والم کا باعث ہے وہ روح کے لئے راحت رساں ہے اور جو جسم کے لئے راحت کا سبب ہے وہ روح کے لئے تکلیف والم کا باعث ہے۔

بیماری سے ایک غافل شخص اللہ کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور اپنی آخرت سنوارنے میں لگ جاتا ہے۔

حضرت قطب ویلور ایک اور مریض محمد یوسف خان شروانی کے نام تحریر کردہ مکتوب میں لکھتے ہیں۔

آپ نے خبر دی تھی کہ دہی کو زہر خیال کر رہا ہوں اور اس سے یک قلم محترز اور مجتنب ہوں،یہ بات دل کو اچھی معلوم ہوئی،آپ اسی طرح آب وطعام شب ماندہ،لیمو،اصناف نارنگی،ترشاہ،تربوز،کدّو،پیٹھ،سے پرہیز کریں۔

شہد،آنبہ،سیب،بہی،شفتالو،خربوزہ شیرین،بہی اور سیب کے مربّے شرطیکہ شہد کے ساتھ استعمال کریں۔

مرخیات اور مضرات اعصاب سے پرہیز کریں،اور مقویات کا استعمال رکھیں،خصوصاً موسم سرما میں چائے اور ہینگ کو لازم

کرلیں، اور شربت گل ٹھنڈے پانی کے ساتھ اور شیرہ سونف اولاً دو تولہ استعمال کریں۔ اگر فائدہ نہ ہوتو پانچ تا چھ تولہ تک اضافہ کرلیں، اور اسلوب مزاج سے آگاہی ضرور دیں۔

۱۳۰۲ھ میں دارالعلوم لطیفیہ ویلور کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی، اسکے معمار حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری نے زمانہ اور وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی میدان میں بڑی مفید اور عظیم اصلاحات کیں۔ اور مدرسہ لطیفیہ میں مختلف علوم وفنون اور انگریزی تعلیم کا بندوبست کیا۔ اور درس نظامیہ کے نصاب میں طب کو داخل اور شامل کیا، جلسہ دستار بندی وجلسہ بنائے مدرسہ لطیفیہ ویلور ۱۹ شعبان ۱۳۱۱ھ کی یہ روداد بڑی اہمیت، افادیت اور تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔

ارباب مجلس! طلباء کو طریقہ تعلیم میں جہاں تک ہوسکے، یہ بات مدنظر رکھنا چاہئے کہ ایک مدت معینہ میں ان کو تمام علوم سے فارغ کرادیں۔

ان کے لئے ایک صیغۂ انگریزی قائم کیا جائے، طلباء کے لئے ایک دارالفنون قائم کریں تاکہ ہمارے بھائیوں کی اولاد، رزق حلال کا ذریعہ پیدا کرلیں اور ہنر سے بہرہ ور ہوجائیں۔

انگریزی تعلیم درجۂ کفر تک پہنچاتی ہے! یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بھی ایک زبان ہے، متعدد زبانوں کا سیکھنا اور اس میں کمال پیدا کرنا، کمالات انسانی میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہمارے ملکی بودوباش کے لحاظ سے، اور معاشی امورات۔ کے سرانجام دینے کے لحاظ سے، اظہار حوائج ومطالب کی غرض سے اور ہمارے دین حق پر حملوں کے دفاع کی نیت سے انگریزی تعلیم بری نہیں ہے بلکہ وہ نہایت ضروری ہے۔

مدرسہ میں ایک حکیم بھی ایسا رکھنا چاہئے جس کو یونانی اور انگریزی طبابت سے واقفیت ہو، اور وہ طبیب طلباء کو فن طب کی تعلیم دیا کرے تاکہ فارغین اس علم شریف کی بدولت عزت کے ساتھ اپنی روزی پیدا کرلیں۔ اور لوگوں کو بھی نفع پہنچائیں۔ (روداد مدرسۂ لطیفیہ ص ۱۱۹)

مولانا رکن الدین کے اس علمی وعملی اقدام کے باعث ویلو اور اسکے اطراف وجوانب میں فن طب کو پھیلنے اور پھولنے کا موقعہ ملا اور اس درسگاہ کے فارغین نے علاج ومعالجہ کے ذریعہ طب یونانی کی بڑی مفید خدمات انجام دیں اور طب کے موضوع پر وقیع اور مفید کتابیں تصنیف کیں، اس طرح ویلور میں طب یونانی تدریس وتحریر اور تشخیص، دوا کی راہ سے پھیلتی چلی گئی۔

حضرت میر صاحب میسوری

آپ لطیفیہ کے فارغ التحصیل ہیں جن کا وطن کرناٹک کے شہر کولار کے قریب عظیم آباد تھا۔دس بارہ سال کی عمر میں ویلور آ پہنچے اور پانچ چھ سال تک مدرسۂ لطیفیہ میں تعلیم حاصل کی اور فن طب میں کمال پیدا کیا۔آپ کی طبابت وحکمت کے بارے میں حضرت صوفی احمد علی میسوری کا بیان ہے کہ علم طب میں مہارت کاملہ تھی، بڑے ذہین اور فہیم تھے، تشخیص مرض میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔(دارالعلوم لطیفیہ کا ادبی منظر نامہ)

حضرت مولانا مولوی محمد محی الدین حسین چیدہ ویلوری

آپ بھی مدرسہ لطیفیہ کے فارغ ہیں جنہوں نے عرصہ دراز تک مدرسہ لطیفیہ ویلور میں بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دیں،آپ ایک بہترین تجربہ کار حکیم تھے۔آپ کا مطب ویلور میں بہت معروف تھا ہزاروں مریض شفایاب ہوئے۔آپ صاحب تصنیف طبیب تھے،طب جسمانی کے نام سے بڑی معرکۃ الاراء مفصل اور مبسوط کتاب لکھی ہے جو ۱۳۲۰ھ میں ویلور سے شائع ہوئی ہے اس کتاب میں ضب (گھوڑ پھوڑ) سے متعلق آپ نے جو بحث کی ہے اس سے آپ کی تحقیقی نظر اور شرعی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں۔

''مدینہ منورہ میں بسنے والے عربوں سے اس بات کی تحقیق کی جائے،یا پھر مدینہ منورہ پہنچ کر یہ معلوم کریں کہ وہاں کے باشندے کس شکل وصورت کے جانور کو ضب کہتے ہیں۔جب تک یہ تحقیق مکمل نہ ہو جائے کہ ہمارے علاقہ مدراس کا جانور بھی وہی ہے جو مدینہ منورہ کا جانور ہے۔اس وقت تک اس جانور کا گوشت کھانا تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہے۔''

حکیم حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری

مدرسہ لطیفیہ ویلور کے بطن سے وجود میں آنے والی ایک اور درسگاہ مدرسہ باقیات صالحات ویلور ہے۔اس نے بھی تعلیم دین کے ساتھ ساتھ تعلیم بدن کا بھی بہترین نظم ونسق قائم رکھا اور خود اس درسگاہ کے بانی حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ایک اچھے حکیم اور طبیب تھے اور حضرت قطب ویلور کے شاگرد وخلیفہ تھے،مولانا خطیب عبدالمجید باقوی،رقمطراز ہیں۔

محلّے (بڑی گلی ویلور) کے ایک صاحب علم وفضل طبیب حاذق حکیم زین العابدین مائل ویلوری سے (مولانا عبدالوہاب کی) ابتدائی فارسی عربی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔تعلیم کا سلسلہ برسوں جاری رہا۔حکیم موصوف نے فارسی کی تکمیل اور

ابتدائی عربی کتابوں کی تعلیم کے بعد شاگرد عزیز کو اپنے ہنر خاص کا اہل پا کر طب وطبابت کی باقاعدہ تعلیم وتربیت دینی شروع کی، اور کچھ عرصہ میں علم ابدان سے سرفراز اور فارغ کردیا۔ تذکرہ مولانا عبدالوہاب (ص ۱۴)

مولانا عبدالوہاب قادری صاحب نے دوسروں کو بھی زیور طب سے آراستہ کیا اور اپنی قائم کردہ درسگاہ مدرسہ باقیات ویلور میں خود طب کی کتابوں کا درس دیتے تھے، آپ کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا اور مدرسہ باقیات صالحات ویلور سے علم طب کو بڑا فروغ ملا۔ ۱۹۳۵ء میں مدرسہ باقیات صالحات ویلور کی روئداد شائع ہوئی ہے جس میں بانی باقیات کے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج ضیاء الدین محمد، ناظر ومیر مجلس مدرسہ باقیات کا ایک بیان صفحہ ۱۱۳ اور ۱۱۴ پر درج ہے۔ اسکے مطالعہ سے باقیات میں فن طب کی تعلیم وترقی سے متعلق روشنی ملتی ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

آپ حضرات پر فی زماننا (ہمارے اس دور میں) علم طب کی ضرورت واہمیت پوشیدہ ومخفی نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جیسا علم دین کا سیکھنا سارے مسلمانوں پر فرض عین ہے۔ ویسا ہی علم طب کا سیکھنا ایک حد تک فرض عین نہ سہی فرض کفایہ تو ہے۔ بقول مشہور العلم علمان علم الادیان و علم الابدان (علم دو ہیں ایک دین کا علم دوسرا بدن کا علم)

اس کے لئے بھی مسلمانوں کی ایک جماعت کا تقرر وانتصاب کا ہونا ضروری ہے جس سے اور مسلمانوں کی سبکدوشی وفراغ الذمہ ہوجائے۔

اسی لئے والد ماجد شمس العلماء اعلیٰحضرت مولانا مولوی الحاج شاہ عبدالوہاب قادری صاحب قدس سرہٗ نے اپنی مبارک زندگی میں طلبۃ العلوم مدرسہ کو علم طب کا درس خود دیا کرتے تھے، اور وہ سلسلہ آپ کے وصال ورحلت کے بعد منقطع ہوگیا تھا۔ ارادہ ہوا کہ اس سلسلہ کو پھر دوبارہ جاری کیا جائے۔ اور جناب ساہوکار رئیس التجار سی عبدالحکیم صاحب بہادر رکن اعظم مدرسہ نے بھی اس کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ اسی وجہ سے چند سال قبل بمنظوری اراکین مدرسہ چند مخلصین (فارغین) مدرسہ ہذا کو مدرسہ کے خرچ سے طبیہ کالج لکھنو اور طبیہ کالج دہلی کے لئے روانہ کئے گئے کہ وہ (علماء) جب تکمیل طب کے بعد یہاں آئیں گے تو ان میں سے کسی ایک کو طب کی تعلیم وتدریس کے لئے انتخاب کرلیا جائے۔ چنانچہ وہ بعد فراغت وطن آئے مگر بوجہ نامساعت اسباب، اس وقت مدرسہ میں صیغۂ طب کا تقرر نہ ہوا تھا، الحمدللہ ثم الحمدللہ بقول کل امر مرھون باوقاتہ ،وہ وقت آ ہی گیا کہ گذشتہ جلسہ شوریٰ مدرسہ ہذا، منعقدہ آخر ماہ شعبان ۱۳۵۴ھ میں اسکی تحریک ہوئی اور باتفاق آرائے اراکین حاضرین مدرسہ منظوری ہوئی کہ بعد رمضان شریف کسی

نہ کسی طرح مدرسہ میں شعبہ طب اور ایک شفا خانہ کا افتتاح کیا جائے، چنانچہ سردست حکیم مولوی سید صدیق حسن صاحب گڈیاتمی، سند یافتہ (فاضل الطب و الجراحت) طبیہ کالج دہلی کا تقرر ہوکر ۱۶ شوال ۱۳۵۴ھ سے فن طب کا افتتاح ہوگیا۔ اور ایک شفا خانہ بھی ساتھ ہی کھولا گیا جس سے طلبائے طب کو تشخیص امراض و اقسام میں سہولت و تائید ہووے۔

اب بالفعل اس میں درجہ مختصر و مطول (عالم و فاضل) کے طلباء شریک ہوئے ہیں، طلبا کو صرف تعلیم کتب طبیہ یونانی نہیں دی جائے گی بلکہ عقاقیر وادویہ مفردہ کا مشاہدہ و معائنہ اور ادویہ مفردہ اور دواسازی کا طریقہ بھی سکھایا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ ارادہ ہے کہ اس شعبہ طب کو وسیع پیمانہ پر چلایا جائے، السعی منا و الاتمام من اللہ تعالیٰ۔

مدرسہ باقیات صالحات ویلور کا یہ وہ تاریخ ساز طبی کردار ہے جس کے باعث اس درسگاہ کے بعض فارغین درکف جام شریعت و درکف سندان طب کا مصداق قرار پائے۔ موجودہ زمانے میں میڈیکل کالج اور ہسپتال کے جلوے جو ہر سوے بکھرے ہوئے ہیں اسکی مثال جنوبی ہند کی طبی دنیا میں مدرسہ باقیات کے ذریعہ قائم ہوئی، اس مقام پر فارغین باقیات میں ایک دو کا مختصر تعارف بے محل نہ ہوگا جن کو طب میں درک اور کمال حاصل تھا۔ یہ تعارف ڈاکٹر راہی فدائی کے تحقیقی مقالہ برائے پی، ایچ، ڈی، سے ماخوذ ہے۔

حضرت مولانا حافظ قاری الحاج عبدالقادر باشاہ یمنی المتخلص بہ فخر ویلوری

آپ کی ولادت سعیدہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں بمقام ویلور ہوئی آپ کے والد مولانا قاری یوسف علی باشاہ یمنی اور جد امجد حضرت مولانا حافظ قاری ابراہیم علی باشاہ یمنی تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم شہر کی قدیم درسگاہ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان میں ہوئی، بعدازاں آپ نے اپنے خالہ زاد برادر بزرگ اعلیٰ حضرت عبدالوہاب قادری بانی مدرسہ باقیات صالحات ویلور (۱۳۳۷ھ ۱۲۶۷ھ) کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر نہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی بلکہ آپ اعلیٰ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے خلافت واجازت سے بھی بہرور ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو اپنے مدرسہ باقیات صالحات ویلور کی نہ صرف تدریسی خدمات تفویض کیں بلکہ مدرسہ کا مبلغ اور اپنا مشیر خاص بھی بنالیا۔ بالعموم آپ کو تمام علوم وفنون پر یکساں مہارت حاصل تھی۔ آپ نے جس طرح وعظ ونصیحت کے ذریعہ ایک عالم کو مسحور و مستفیض کیا تھا اسی طرح تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئے۔

آپ کی ایک تالیف ''المقاصد'' کو آپ کے انتقال کے بعد آپ کے لائق وفائق فرزند حضرت مولانا مولوی حسن

باشاہ صاحب باقوی (۱۹۵۲ء) نے تبلیغ الاسلام میل وشارم (ضلع شمالی آرکاٹ) سے شائع کیا، جس میں اشیائے محرمہ سے علاج پر مدلل بحث کی ہے۔

آپ ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۱۵ء بروز شنبہ بوقت ۳ ساعت ویلور میں واصل بحق ہوگئے۔ تدفین دوسرے دن بروز یکشنبہ بوقت عصر بمقام مسجد نواب میر اسد اللہ خان صاحب معروف ٹیک کی مسجد (موجودہ مکہ مسجد) عمل میں آئی۔

مولانا حکیم شاہ محمد اسماعیل صاحب باقوی

آپ نے اعلیٰ حضرت بانی باقیات کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا، جملہ علوم وفنون اور طب وحکمت سے فراغت کے بعد تروپتی منتقل ہوگئے اور وہیں خدمت طبابت میں آخر دم تک مصروف رہے۔

حکیم حضرت علامہ مولانا مولوی حافظ قاری الحاج عبد الصمد صاحب المتخلص بہ علمی

آپ کے والد بزرگوار عبد القادر صاحب نے آپ کو مدرسہ باقیات صالحات ویلور روانہ کیا یہاں آپ نے اعلیٰ حضرت کے علاوہ شیخ عبد الجبار، مفتی شیخ آدم، مولانا عبد الرحیم، مولانا حسن باشاہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کو اپنے ہی مدرسہ میں مدرس بنادیا اور اپنے سلسلہ بیعت وارشاد میں داخل فرمادیا۔

حضرت علمی کو علم وادب، شعر وسخن کے علاوہ طب وحکمت میں بھی خاصہ درک تھا۔ حضرت علمی کا وصال ۲۷ صفر ۱۳۶۵ھ یکم فروری ۱۹۴۶ء بروز جمعہ بمقام ویلور ہوا اپنے استاد شمس العلماء عبد الجبار کے بائیں بازو سپرد خاک کئے گئے۔

مولانا مولوی حکیم محمد قاسم انصاری باقوی قسیم

آپ کی تعلیم مدرسہ باقیات صالحات ویلور میں ہوئی اور آپ نے یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت قسیم ادیب وشاعر ہونے کے علاوہ حاذق طبیب اور خوش قلم وخوش رقم بھی تھے۔

مدرسہ لطیفیہ ویلو اور مدرسہ باقیات صالحات ویلور کے بعض سرپرست اکابرین اور مخصوص فارغین کے مختصر سوانحی اور طبی تذکرہ کے بعد ویلور کے بعض غیر لطیفی اور غیر باقوی حکماء اور اطباء کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے جن کی طبی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ویلور میں قریشی النسل خانوادہ کی طبی خدمات نہایت وقیع اور اہم ہیں جس کے اطباء اور حکماء میں حکیم عبد الحق قریشی المعروف بہ ہزاری حکیم، حکیم ظہیر الدین قریشی وغیرہ معروف اور مشہور ہیں۔

حکیم محمد عبدالحق قریشی

آپ ہزاری حکیم کے نام سے غیر معمولی شہرت اور مقبولیت رکھتے تھے 1882ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے، طب کی تعلیم نظامیہ طبی اسکول سے حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدرآباد ہی میں پرکٹس کرتے رہے اسکے بعد مدراس چلے آئے یہاں بھی دو تین مقامات پر اپنا مطب کھولا اور بے شمار مریضوں کا علاج کیا۔ آپ کا نکاح ویلور میں ہوا، اس عقد کے باعث ویلور مدراس آمد ورفت رہی، اسکے بعد ویلور ہی کو اپنا وطن بنالیا اور مستقل رہ گئے۔ حکیم ہزاری خود دوائیں تیار کرتے تھے، جڑی بوٹیوں کی شناخت میں درک اور بصیرت حاصل تھی۔ ویلور کے قریب واقع جواد پہاڑ اور ویلی ملائی پہاڑ میں جاکر جڑی بوٹیاں حاصل کرتے تھے۔ آپ کا دواخانہ، دواساز بھی تھا، کینسر، ٹیومر اور عورتوں کے مخصوص امراض کا علاج کرتے تھے۔ سی، یم، سی، ہسپتال کے ڈاکٹروں کے ساتھ گہرے دوستانہ روابط تھے، بعض امراض کے معاملہ میں یہ ڈاکٹرس آپ سے صلاح ومشورہ لیتے تھے۔ 1972ء میں دارفانی سے کوچ کر گئے، ویلور کی خاک میں محوخواب ہیں۔

مذکورہ تفصیلات مسٹر بس بالاجی مدراس کے تحقیقی مقالہ سے ماخوذ ہیں جوانہوں نے ڈاکٹر ٹی امروز جیاسیکرن ریڈر، ڈپارٹمنٹ آف ہسٹری، مدراس کرسچن کالج چنئی، کی نگرانی میں سپرد قلم کیا ہے، اس مقالہ پر مدراس یونیورسٹی نے مسٹر لیس بالاجی کو ایم، فل، کی ڈگری تفویض کی ہے۔

حکیم اقبال قریشی

مذکورہ قریشی خاندان کی طبی وراثت کے حامل اور امین حکیم اقبال قریشی ہیں جو ہزاری حکیم کے پوتے ہیں، چنئی میں مقیم ہیں اور طب سے جڑے ہیں انہوں نے انا یونانی میڈیکل کالج چنئی سے B.U.M.S کی سند حاصل کی ہے۔

حکیم ظہیر الدین قریشی ویلوری

آپ ایک نباض اور حاذق وماہر حکیم تھے، آپ صاحب تصنیف حکیم تھے، طب وحکمت میں غیر معمولی صلاحیت و قابلیت کے مالک تھے۔

حکیم رحمت اللہ صاحب

آپ ویلور کے حکماء قریش کے تربیت یافتہ تھے، آپ کا مطب کوچہ باقیات ویلور میں تھا، اللہ نے حکیم موصوف

کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، مریضوں کا تانتا لگا رہتا تھا مدرسہ باقیات کے مقررہ حکیم خاص تھے۔ خالصۃ لوجہ اللہ اساتذہ اور طلباء کا علاج کیا کرتے تھے۔

حکیم سید ناصر علی

آپ بھی ویلور کے ایک نامور حکیم تھے۔ ان کے علاج سے بے شمار مریضوں نے صحت وشفا کی نعمت پائی۔ آپ جامعہ دارالسلام عمر آباد کے سند یافتہ عالم تھے۔ مریضوں کے علاج کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح بھی فرماتے تھے۔

حضرت مولانا قاری سید افسر پاشاہ صبغۃ اللہی گڑیاتمی ثم ویلوری

آپ بھی ایک نامور تجربہ کار حکیم ہیں انہوں نے طبیہ کالج کرنول سے طب وحکمت کی سند حاصل کی ہے۔ طب کے ساتھ ساتھ شعر وسخن اور تصنیف وتالیف سے بھی وابستہ ہیں۔ نصف صدی سے بیماروں کا علاج کررہے ہیں۔ گردے اور پتہ کی پتھری کے اخراج اور ازالہ میں معروف ہیں ویلور میں شفا ڈسپنسری کے نام سے اپنا مطب کھول رکھا ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے حکیم سید عمر فاروق اور حکیم سید عثمان غنی بھی طب سے منسلک ہیں اور دونوں نے بھی اپنا اپنا مطب ویلور میں کھول رکھا ہے۔

حکیم محمد علی صاحب ویلوری

سرزمین ویلور سے وابستہ اور منسلک حکماء اور اطباء کا تذکرہ کیا جائے اور اس میں حکیم محمد علی صاحب کی حکمت اور طبابت کا ذکر نہ چھیڑا جائے تو ایک طبی خیانت ہوگی۔ آپ کا دودمان عالی شان بیسویں صدی کی شروعات میں میسور سے ویلور وارد ہوا۔ حکیم محمد علی صاحب کے جد محترم حکیم محمد عبدالرحمٰن صاحب ایک صاحب علم اور ذی نسبت بزرگ تھے اور سلسلہ قادریہ سے مربوط تھے۔ آپ اپنے وقت کے بہترین حکیم تھے۔ آپ کی رہائش گاہ چِنّام بوکار گلی ویلور میں تھی جو اپنی جگہ ایک مطب کی حیثیت رکھتی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔

حکیم محمد علی صاحب کے والد ماجد حکیم محمد عبدالجبار صاحب کو بھی طب یونانی سے گہرا شغف تھا، آپ نے اپنے والد ماجد کے پاس تربیت پائی اور ان کے نسخوں سے دوائیں تیار کرتے تھے۔ سعید آباد ویلور میں سکونت پذیر تھے۔ آپ کا گھر بھی اپنی ذات سے ایک مطب تھا۔ آپ کی ذات گرامی سے بے شمار مریضوں نے

صحت وشفا کی نعمت پائی۔۱۹۶۲ء میں دار بقا کی طرف چل دیے۔مذکورہ دونوں حکیم حضرات جامع مسجد ویلور قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری علیہ الرحمہ بانی مدرسہ لطیفیہ ویلور کے جوار میں مدفون ہیں۔

حکیم محمد علی صاحب کو حکمت وطبابت اپنے باپ اور دادا سے وراثت میں ملی، اسی خاندانی اثرات اور کیفیات کا اثر تھا کہ آپ کے اندر علم طب کا ذوق عہد طفولیت سے پروان چڑھتا چلا گیا۔آپ نے ایم،اے،بی،ایڈ، کی تکمیل کی،اور درس وتدریس سے جڑے رہے لیکن فن طب کا مطالعہ اور تحقیق آپ کا ذاتی ذوق وشوق اور ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا۔آپ کے اندر یہی ذوق اور لگن ہنوز باقی ہے۔آپ نے فن طب کی تعلیم وتربیت ویلور کے ایک نامور حکیم ہمایون شریف سے پائی اور حکیم ہمایون شریف نے استاذ الاطباء حکیم عبیداللہ شریف المعروف حکیم گل فام دادا سے فن طب کی تعلیم پائی۔اس طرح حکیم محمد علی صاحب ایک واسطہ سے حکیم گل فام کے طب میں شاگرد ہیں۔یہی وہ خارجی عوامل اور خاندانی وخونی اثرات ہیں جن کے زیر اثر حکیم محمد علی صاحب کی طبی شخصیت نکھرتی اور سنورتی چلی گئی۔اور آپ نے یونانی جڑی بوٹیوں کے علاوہ مقامی جڑی بوٹیوں کو بھی اپنے مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنالیا اور ان عقاقیر کے خواص اور ان کے اثرات وفوائد سے متعلق مفید نتائج اخذ کئے اور اپنے خاندان کی قلمی بیاضوں اور نسخوں کے ذریعہ علاج ومعالجہ اور دواسازی کا عمل جاری رکھا ہے۔آپ کا یہ طبی تحقیقی اور معالجاتی سفر نصف صدی سے جاری وساری ہے۔آپ نے بھی اپنے باپ دادا کی طرح اپنے ہی گھر کو دواخانہ بنا رکھا ہے، جو ویلور کے ایک مشہور محلّہ قصبہ میں واقع ہے۔حکیم محمد علی صاحب ایک خاموش طبیعت، صلح پسند، گوشہ نشین اور متواضع علمی وادبی شخصیت کے مالک ہیں۔آپ کا گھر ایک عظیم کتب خانہ بھی ہے جس میں عربی، فارسی اور اردو کی کتابوں کے علاوہ فن طب کی بے شمار کتابیں موجود ہیں راقم الحروف کو اس مقالہ کی تصنیف کے دوران حکیم محمد علی صاحب کے ذریعہ استاذ الاطباء حکیم عبیداللہ شریف صاحب ویلوری کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس پر ۲۰،اکتوبر۱۹۱۳ء کی تاریخ درج ہے۔اس طرح یہ تحریر اپنی زندگی کے ایک سو سال مکمل کر رہی ہے۔اس مقام پر حکیم عبیداللہ شریف ویلوری کا تعارف بے محل نہ ہوگا۔

حکیم عبیداللہ شریف ویلوری

آپ کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع ہے۔ ویلور اور اسکے گرد و نواح کے اکثر و بیشتر حکماء اور اطباء بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے خوشہ چین ہیں۔ حکیم عبید اللہ شریف ویلوری کو فن طب کے اندر استادانہ اور قائدانہ صلاحیت حاصل تھی۔ آپ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ اپنے عہد کے حالات پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ فن طب سے متعلق سرکاری ریشہ دوانیوں سے پوری طرح واقف اور باخبر تھے۔ اور اس فن سے جڑے ہوئے افراد کی سستی و کاہلی اور غفلت پر حد درجہ متاسف تھے۔ آپ کی اس تحریر سے آپ کے تعمیری واصلاحی اور انقلابی خیالات کا ایک ہلکا سا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ذیل میں اس تحریر کے بعض حصے نقل کئے جا رہے ہیں۔ جو انہوں نے ایک جلسہ میں پیش کیا ہے۔

عالی جناب حضرت صدر مجلس و حضرات اہل مجلس،

آج ہم سب مدعیانِ مشرقی طریقہ ہائے علاج یعنی ویدوں اور طبیبوں نے اپنی قومی تفریق کو بالائے طاق رکھ کے کیوں اور کس لئے ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ اور کس طرح دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ (دو دل ایک ہوجائیں تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں) کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کس امر نے ہمارے تخیلات و محسوسات میں ایک تغیر عظیم برپا کیا ہے۔

ہم اپنے بزرگوں کی جانہار کوششوں سے جمع کئے ہوئے، بیش بہا خزینۃ العلوم جس سے ہمارے آباء و اجداد اور ہم صد ہا سال سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں، اس پر زمانے کے کورانہ تعصب کا قفل پڑنے کو ہے۔ یہ امر نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم بھی زمانے کے ساتھ کش مکش کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہوجائیں۔ آپ حرکت کریں، زندگی کا ثبوت دیں ورنہ یاد رکھیں کہ ہماری تغافل شعاری، آخر موت کا موجب ہوگی، اور یہ فن شریف (طب یونانی) بھی اسی قعر مذلت میں جا سوئے گا جہاں قبل ازیں ہمارے کئی علوم و فنون دفن ہو چکے ہیں۔

حضرات یہ تک تو تمہید تھی اب میں اصل مطلب کے چند فقرے عرض کرکے ہمارے کاملین، صائب الرائے حضرات اطباء پر اس مسئلہ کو چھوڑ دوں گا، حضرات ہمارے بزرگوں کا خزینۃ العلوم کیا ہے؟

وہی علم الابدان کا بیش بہا ذخیرہ، اور اس پر قفل کیوں کر پڑے؟ سنیئے، بعض خام خیال کوتہ اندیش ارکان دولت گورنمنٹ کو مغالطہ میں ڈال کے ہماری ہستی کو ملیامیٹ اور نابود کرنے کے لئے سیاسی چالوں سے کام لینے کا ارادہ کرر ہے ہیں۔

فرمایئے کہ جب ہم ہی نہ رہیں گے تو ہمارے علوم وفنون کس کام کے؟ چنانچہ قانون رجسٹری اطباء گورنمنٹ مدراس کے ایوان عالی شان میں پاس کئے جانے کے لئے پیش ہونے والا ہے۔

حضرات کرام! چند متعصب کوتہ بین ماہرین طب جدید اپنے زعم میں کچھ کا کچھ سمجھ کے ہمارے مٹانے کے درپے ہو رہے ہیں۔ یہ محض ان کے اس کوچہ (طب یونانی) سے نابلد ہونے کا ثبوت ہے۔

کاش انہیں علم ہوتا کہ طب یونانی کے مجموعہ میں سے کتنے اجزاء، طب جدید کے لئے بنیاد بنے ہوئے ہیں۔

بعض منصف مزاج اصحاب یورپین و محققین طب قدیم کو سرچشمہ جانتے ہیں اور کھلے دل سے اسکا اعتراف کرتے ہیں۔ جہاں تک خیال کیجئے اس کس مپرسی کی حالت میں بھی ہمارے حضرات اطباء اور وید صاحبوں کا چشمۂ فیض، اکثر بنی نوع انسان کی سیرابی کا باعث ہو رہا ہے۔

ہم اپنی محافظ مال وجان گورنمنٹ سے نہایت عاجزانہ ومودبانہ عرض حال کریں کہ مشرقی طریقہ ہائے علاج بالکل موافق ہمارے ملک کی آب و ہوا کے واقع ہونے سے ہندوستان کا ایک حصۂ کثیر اس سے مستفیض ہو رہا ہے۔ صدہا مایوس العلاج ہمارے مطبوں سے شفایاب ہو کے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری فنی عزت ووجاہت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے حقوق کو پامال ہونے سے بچائے، اور ہمیں بھی میڈیکل رجسٹریشن کونسل میں جگہ دے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہماری سنوائی نہ ہو، اور گورنمنٹ ہم کو اپنی سرپرستی کا مستحق تسلیم نہ کرے۔ گورنمنٹ مادر مہربان کا درجہ رکھتی ہے۔ ہم مسلسل اپنے جائز حق کا مطالبہ کریں گے تو کیا وجہ ہے کہ ہماری مہربان سرکار ہمارے استدعاء پر کان نہ دھرے۔ ہمارے اندر استقلال چاہئے، کوشش چاہئے، ہمت چاہئے بقول سعدی شیرازی،

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد — اگر خارے بود گل دستہ گردد

(ہمت وحوصلہ اور عزیمت سے کام لیا جائے تو خار دار وادی بھی گلستاں بن جائے گی)

ورنہ یقین جانئے بقول حالیؔ۔ — اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے۔

حکیم سید ابراہیم صاحب طبقاتی مداری ویلوزی

آپ ویلور کے حذاق اطباء کرام میں سے تھے۔تپ، دق،ضیق النفس، فالج اور دیگر عام امراض کے ماہرین میں آپ کا شمار تھا۔ بیسویں صدی کے پہلے دہے میں آپ نے انتقال فرمایا۔آپ کے فرزندان، پسر نمونہ پدر کے مصداق تھے۔

حکیم سید حاتم صاحب ویلوری

حکیم سید حاتم صاحب ویلوری حکیم سید ابراہیم صاحب طبقاتی مداری ویلوری کے پہلے فرزند تھے اور آپ ایک ماہرفن طبیب ہیں، مریض کا چہرہ دیکھ کر مرض کی نشان دہی کردیتے تھے۔اور مرض کے حملے سے پہلے لوگوں کو بیماری سے آگاہ کردیتے اور علاج کی صلاح دیتے تھے، عالم شباب میں ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔

حکیم سید عبدالقادر صاحب ویلوری

آپ حکیم سید ابراہیم صاحب طبقاتی مداری ویلوری کے دوسرے فرزند نے بھی طبی خدمات انجام دیں، ویلور کے ایک وسیع محلّہ قصبہ میں ایک منسپل ڈسپنسری قائم کی اور ایک عرصے تک اسکو جاری رکھا۔ کچھ دنوں بعد اسی ڈسپنسری میں ان کے فرزند سید جعفر صاحب اپنے والد صاحب کے مقام پر فائز ہوئے اور بڑی مفید طبی خدمات انجام دیں۔

حکیم سید ابوالحسن صاحب

آپ حکیم سید ابراہیم صاحب طبقاتی مداری ویلوری کے تیسرے فرزند ہیں اس خاندان کے درخشاں ستارے ہیں۔ ہزارہا مریضوں نے آپ کے دستِ شفا بخش سے صحت وتوانائی حاصل کی۔اپنے دور کے ماہر فن تھے۔اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے خاندان کے مجربات تیار کرتے اور فیض پہنچاتے تھے۔

آپ نے تپ، دق، لقوہ، فالج،ضیق النفس، اور دیگر مزمن امراض کا کامیاب علاج فرمایا ہے۔اور کئی لاولد جوڑوں نے آپ کے علاج سے بفضل تعالیٰ اولاد پائی ہے۔آپ کا انتقال 1964ء میں ہوا۔ اسکے بعد آپ کے فرزند حکیم سید سلطان محی الدین صاحب (المتوفی 1996ء نے آپ کی جگہ سنبھالی اور انکے مطب کو جاری رکھا۔

حکیم سید مصطفیٰ صاحب ویلوری

آپ نے اپنے والد بزرگوار سے خصوصی طبی تربیت پائی، آپ نے ویلور کے قریب کنوٹم نامی محلہ میں اپنا مطب قائم فرمایا تھا اور آپ کا مطب بڑا کامیاب تھا۔ اور 1950ء اور 1955ء کے درمیان آپ کا انتقال ہوا۔

حکیم سید مرتضٰی صاحب

آپ اپنے بڑے بھائی حکیم سید ابوالحسن صاحب۔ کے دواخانے سے تادم زیست جُڑے رہے اور انہیں کے ساتھ مل کر اپنی طبی خدمات کو جاری رکھا۔ مذکورہ حضرت اطباء کے بعد اس خاندان میں فن طب سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد نہیں رہا۔ حکیم سید مرتضٰی اس خاندان کے لئے خاتم الاطباء ثابت ہوئے۔

حکیم پروفیسر سید محمود الحسینی چشتی القادری ویلوری

آپ ایک بزرگ شخصیت کے مالک تھے۔ تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ عربی، فارسی سے واقفیت رکھتے تھے، آپ کا شمار فن طب کے اساتذہ میں تھا، شہر مدراس کے مشہور ومعروف حکیم سید مسعود مدنی صاحب کے خاندان سے آپ کی قریبی رشتہ داری ہے۔ آپ سید مسعود مدنی صاحب کے حقیقی پھوپھا لگتے ہیں۔ آپ کے کئی شاگرد مدراس پریسڈنسی میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ کے فرزند حکیم ڈاکٹر سید رشید احمد ویلوری (المتوفی L.I.M1985) نے قصبہ ویلور کی میونسپل ڈسپنسری میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے کافی عرصہ خدمات انجام دی ہے۔ اور آپ کا نجی مطب بھی قصبہ ہی میں رہا، فن طب میں کمال اور درک حاصل تھا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ڈاکٹر سید طفیل احمد صاحب نے آپ کے مطب کو جاری رکھا کچھ دن ہوئے کہ وہ امریکہ منتقل ہوگئے۔

ڈاکٹر سید احمد صاحب ویلوری

آپ نے سعید آباد نالہ میں مطب قائم کیا تھا اور کافی عرصہ تک علاج ومعالجہ کرتے رہے۔

حکیم سید تاج الدین صاحب ویلوری

آپ نے اپنے برادر کلاں ڈاکٹر سید رشید احمد صاحب سے اکتساب علم کیا اور ان ہی کے مطب سے جڑے رہے۔ ویلور ڈسٹرکٹ پنچایت یونین کے ڈسپنسریز میں میڈیکل آفسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے اور وظیفہ یاب ہوئے۔ ایک اچھے تجربہ کار طبیب وحاذق حکیم ہیں۔

حکیم سید غضنفر حسین صاحب ویلوری

آپ حکیم سید محمود الحسن مرحوم ویلوری کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے، فن طب میں کافی درک رکھتے تھے۔ آپ حضرت خواجہ امین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف (پرانا بس اسٹانڈ) کے ورثاء میں تھے اور اسکی خدمت آپ کے ذمے تھی۔

شہر ویلور کے مشرقی پہاڑی سلسلے کے قریب انکے باغات تھے، دوسری خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے زبردست پہلوان تھے۔ جن کی جوانمردی اور قوت بازو کا ایک زمانہ قائل تھا۔

حکیم مظفر خان صاحب ویلوری

آپ حکیم عبداللہ خان ویلوری سعید آباد، نالہ، ویلور کے پہلے فرزند تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح ایک ماہر اور کامیاب حکیم تھے ہمیشہ آپ کے مطب میں مریضوں کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ کا دواخانہ سعید آباد نالہ میں قائم تھا۔ آپ اس فن سے تادم حیات جڑے رہے۔ تقریباً 75 سال کی عمر 1965ء میں انتقال کیا۔

حکیم احمد خان ویلوری

آپ حکیم عبداللہ خان صاحب کے دوسرے فرزند ہیں آپ بھی ایک اچھے تجربہ کار حکیم تھے نواب چندہ صاحب مسجد کے قریب ہی آپ کا دواخانہ تھا۔ بڑے وضع دار آدمی تھے۔ اس علاقے کے لوگ طب کے علاوہ دیگر امور و معاملات میں آپ سے ہمیشہ رجوع ہوتے تھے۔

حکیم منور خان صاحب ویلوری

آپ حکیم عبداللہ خان صاحب کے تیسرے فرزند ہیں۔ آپ نے حکیم حاذق استاد حکماء عبیداللہ شریف صاحب سے باقاعدہ فن طب کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم مکمل فرمانے کے بعد استاد محترم نے فرمایا ''میاں! ہم نے اپنے استاد محترم قبلہ گاہی علیہ الرحمہ سے جس فن کو حاصل کیا تھا اور جیسے حاصل کیا تھا، اسی طرح تمہیں تعلیم دی ہے۔ ابھی تمہیں ایک طبیب کہلانے کے لئے مکمل بیس سال کا عرصہ درکار ہے۔ حکیم منور خان صاحب ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص تھے۔ انہوں نے امتحانات پاس کرکے ریلوے میں نوکری حاصل کرلی، اور حیدرآباد جا بسے، مگر آپ نے اپنے استاد سے حاصل کئے ہوئے فن کے ذریعہ خدمت خلق کو جاری رکھا۔

حکیم ننھے جان صاحب ویلوری

آپ حضرت مکان کے علاقے میں رہتے تھے، ایک اچھے حکیم مانے جاتے تھے، اور آسان اور سستا علاج کیا کرتے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند حکیم عبداللطیف، صاحب ویلوری نے علاج و معالجہ جاری رکھا اور اپنے والد صاحب کے طریقے پر گامزن رہے۔ غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کا علاج توجہ کے ساتھ کرتے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں بھی مریضوں سے بہت ہی کم فیس لیتے تھے اور اس پیشہ کو خدمت خلق کے طور پر اختیار کر رکھا تھا انہوں نے 1960ء میں انتقال کیا۔

حکیم پیارے جان صاحب ویلوری

آپ کا مطب سعید آباد میں تھا۔ بچوں کا علاج بڑی مہارت سے کیا کرتے تھے۔ لوگ نماز فجر کے ساتھ ہی آپ کے مطب میں جمع ہو جاتے تھے، اور شفایاب ہونے کا موزوں وقت خیال کرتے تھے، وقت کی تاثیر کہئے یا اعتقاد کی کرشمہ سازی آپ جو بھی نسخہ تجویز کرتے یا جو بھی دوا اس وقت میں دیتے تھے، تیر بہدف ہوتی تھی۔ اور لوگ صحت و شفا کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ اور اسی وقت میں آپ سے علاج کرواتے اور دوائیں لیتے تھے۔

حکیم عبدالسلام صاحب ویلوری

حکیم عبدالسلام ویلوری رحمت پالہ ویلور کے ایک مشہور طبیب گذرے ہیں، اس علاقے کے لوگوں کے علاوہ اطراف و اکناف کے قریوں سے لوگ آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر دوائیں، آپ کے مطب میں تیار ہوتی تھیں، آپ کے بعد یہ دوا خانہ آگے نہیں چل سکا۔ کیونکہ آپ کے فرزندان کاروباری مصروفیات کے باعث دور دراز مقامات پر روانہ ہو گئے۔

حکیم سید شاہ محی الدین صاحب

آپ شہر ویلور کے مشہور و معروف حکماء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کئی دہوں سے مریضوں کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ایک متحمل مزاج کے مالک ہیں، اور کافی نظر رکھتے ہیں، رحمت پالہ کی منسپل ڈسپنسری میں کافی عرصہ تک آپ نے خدمات انجام دی ہے، اور آپ سے طبی خدمات کا سلسلہ آج بھی جاری و

ساری ہے، غریب طبقہ آپ سے مانوس اور آپ کا نہایت شکر گذار ہے۔

ڈاکٹر حکیم علی احمد خان اقبال صاحب ویلوری

بی، یو، یم، یس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد منسپل یونانی ڈسپنسری میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، اور اپنا ذاتی دواخانہ اپنے ہی مکان پر جاری رکھا تھا۔

نہایت سادہ مزاج، خوش اخلاق اور صاحب تحمل انسان تھے، ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، اور نہایت ہی سستے داموں پر اچھی اچھی دوائیں مہیہ فرماتے یا نسخہ لکھ دیتے تھے۔ کچھ دنوں پہلے آپ کا انتقال ہوا۔

حکیم یس، کے، عبداللطیف

ویلور سے متصل چدوال میں بھی خاندانی حکماء کا ایک سلسلہ قائم ہے۔ اس سلسلہ کے ایک فرد حکیم یس کے عبداللطیف قریباً نصف صدی سے طب یونانی کی بیش بہا خدمت انجام دیتے آرہے ہیں۔ ان کے والد حکیم یس قادر صاحب اور ان کے دادا حکیم یس سلیمان صاحب اور ان کے پردادا حکیم نعمت اللہ صاحب بھی اپنے وقت کے مایہ ناز حکیم اور طبیب تھے، این خانہ ہمہ آفتاب است کی یہ ایک روشن مثال ہے۔ حکیم یس کے عبداللطیف کے صاحبزادوں میں حکیم یس حمید الدین طب سے منسلک ہیں انہوں نے بھی ویلور میں مسجد نواب چندہ صاحب ویلور کے بغل میں اپنا مطب کھول رکھا ہے۔ اس طرح سے یہ بھی اپنے آباءواجداد کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

حکیم سلیم احمد خان مدراسی

آپ ویلور میں مقیم ہیں، انہوں نے بی، یو، یم، یس کی ڈگری حاصل کی اور اپنا مطب حضرت مکان کے علاقہ میں کھول رکھا ہے اور میڈیکل افسر کی حیثیت سے سرکاری ملازم ہیں۔

حکیم جلیس احمد صدیقی

آپ نے انا یونانی میڈیکل کالج چنئی سے 1991ء میں طب یونانی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کے والد مولانا راجی صدیقی (1989 - 1927) اور ان کے دادا حضرت شاہ محمد عمر صدیقی (1941 - 1860) مدراس کے نامور حکیم تھے۔ حکیم عمر صدیقی صاحب قلم بھی تھے انہوں نے طبی نسخوں پر مشتمل ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جسے حکیم جلیس صدیقی نے رہبر حکمت کے نام سے 2009ء میں شائع کیا ہے۔

حکیم محمد قیصر

ویلور کے موجودہ حکماء میں حکیم محمد قیصر کا نام بھی نمایاں ہے ان کی پیدائش 1978ء میں ہوئی انا یونانی میڈیکل کالج سے 2000ء میں بی یو ایم ایس ، کی ڈگری حاصل کی ہے ویلور میں اپنا مطب قائم کرر کھا ہے۔ انہیں دواسازی سے غیر معمولی دلچسپی ہے، مریضوں کو زیادہ تر اپنی تیار کردہ دوائیں دیتے ہیں۔ تحقیق وریسرچ سے بھی اپنا رشتہ مضبوط رکھا ہے، یونانی مفرد جدوار پر اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ سنٹرل کونسل فار یونانی میڈیسن کے جرنل میں آپ کا مقالہ شائع ہوا ہے۔

1999ء سے ویلور اور دیگر شہروں میں طب یونانی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ڈاکٹر سید خلیل اللہ قادری صاحب مدراس اور حکیم مبارک علی پیارم پیٹ کی سرپرستی میں ویلور ڈسٹرکٹ سطح پر طب یونانی کے کلاسس کا آغاز ہوا۔ اس طبی کارگزاری میں ڈاکٹر محمد صالحہ صاحب، حکیم وصی اللہ صاحب، حکیم پرویز صاحب، حکیم نعیم الرحمٰن صاحب کا موثر ومفید اور کلیدی کردار رہا۔ انا یونانی میڈیکل کالج کے اساتذہ کرام، حکیم امام الدین صاحب، حکیم شاہ الحمید صاحب، حکیم جاوید صاحب، حکیم عزیز احمد حسینی، حکیم رضی الدین صاحب، حکیم عزیز پاشاہ حسینی صاحب، حکیم عبدالمجید صاحب، محترمہ چاند عثمانی صاحبہ، محترمہ فریدہ بیگم اور محترمہ شاہ ناز اختر وغیرہ ہر ہفتہ درس کے لئے تشریف لاتے رہے۔ یہ کلاسس سال بھر چلتے رہے، اختتام سال پر تحریری امتحانات منعقد ہوے۔ ان کلاسوں اور امتحانات میں ستر سے زائد افراد شریک ہوئے جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ اس بات کا اظہار بطور تعلّی نہیں، تحدیث نعمت کے طور پر شائد بے محل نہ ہوگا۔ ان امتحانات میں راقم الحروف کو امتیازی کامیابی حاصل ہوئی اور اسے انعام اول سے نوازا گیا ۲۰۰۰ء میں چنئی میں ایک عظیم الشان جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا گیا جس میں ستر افراد کو طب کی سند تفویض کی گئی اس ساری کاروائی میں ڈاکٹر عزیز الدین ہمدرد ڈسٹبیوٹر صوبہ ٹمل ناڈو ابتداء تا انتہاء خود کو وقف کرر کھا تھا موصوف کی یہ طبی خدمت ناقابل فراموش اور مثالی ہے۔

حکیم محمد نعمان قریشی

حکیم محمد نعمان قریشی راقم الحروف کے اکلوتے فرزند ہیں، ان کی پیدائش 1983ء بمقام رائچور کرناٹک ہوئی خانقاہ حضرت قطب ویلور کے آخری صلبی سجادہ نشین اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری نے ابوالحسن نام رکھا، نام رکھائی کی تقریب شہر ادھونی میں ہوئی جس میں رائچور، کرنول ادھونی اور گنتکل کے مریدین و متوسلین اقطاب ویلور اور علماء ومشائخ اور رشتہ داروں کی خاصی تعداد شریک رہی اس تقریب میں حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور نے شرکت کی۔ حضرت موصوف اور ان کے برادر

۔ رگ سجادہ نشین کے اعزاز میں شاہی جامع مسجد ادھونی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں اہالیان ادھونی او
سکے قرب وجوار میں پھیلے ہوئے فارغین لطیفیہ اور مختلف شہروں کے لوگ شریک ہوئے۔ خطیب جامع مسجد حضرت مولا نا
می ہاشمی نے ایک طویل تاریخی سپاس نامہ سجادہ نشین اور حضرت ناظم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقعہ پر اعلیحضرت سجادہ
نشین نے ایک مختصر تقریر کی اور آپ کی دعا پر یہ پُر رونق مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ پیدائشی نام ابوالحسن اور عرفیت اور قلمی نام
نعمان ہے۔ چار سال چار ماہ چار دن کے بعد ان کی رسم بسم اللہ خوانی خانقاہ حضرت قربی ویلور میں ادا ہوئی۔ دارالعلوم
لطیفیہ کی علمی وروحانی فضا میں ان کی پرورش اور پرداخت ہوئی۔ قرآن کی تعلیم مولوی حافظ قاری رفیق احمد صاحب باقوی
ویلور سے حاصل کی۔ راقم الحروف سے گھر پر تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ اسلامیہ ہائی اسکول میل وشارم سے نعمان قریشی نے
2000ء پلس ٹو کی تعلیم مکمل کی۔ نعمان قریشی نے 2005ء میں انا یونانی میڈیکل کالج سے بی یو یم یس کی ڈگری حاصل
کی ہے۔ مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور ادیب فاضل کی ڈگریاں بھی حاصل کی ہیں۔ تحریری سلسلہ بھی جاری
رکھا ہے ان کے قلم سے طب کے موضوع پر متعدد مضامین صادر ہوئے ہیں جو سال نامہ اللطیف ویلور کی زینت بنے ہیں
انہوں نے ہمدرد کلینک کے نام سے اپنا مطب کھول رکھا ہے۔ اس طرح وہ بھی طب سے وابستہ اور منسلک ہیں۔

حاصل کلام! سیاق میں ویلور میں طب یونانی کے ارتقاء اور اطباء وحکماء سے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مشتے
نمونہ از خروار کے مصداق ہے۔ یہ موضوع مزید تحقیق اور تفصیل طلب ہے۔ سیمنار کی متعین تاریخ اور وقت فرصت کی قلت
کے باعث اس مقالہ میں بہت سارے حکماء اور اطباء کے نام شامل نہ ہو سکے جو ویلور میں اپنی طبی خدمات انجام دے رہے
ہیں۔ الحمد للہ موجودہ زمانے میں ویلور میں سرکاری سند یافتہ جوان سال حکماء اور اطباء کی اچھی خاصی تعداد میدان طب میں
قدم رکھ چکی ہے اور اسکے علاوہ بعض حکماء کی اولاد بھی اپنے آبائی اور موروثی پیشہ طبابت کی جانب راغب اور مائل ہے۔
اور اس نئی پود اور جدید نسل سے پوری توقع ہے کہ وہ طب یونانی کو بام عروج پر پہنچا دے گی۔ مردے از غیب بیروں آید
وکارے بکند۔ کی مثال انفرادی نہیں اجتماعی حیثیت سے ظہور پذیر ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں موجودہ زمانے میں قدرتی اور
فطری طور پر طب یونانی کی ترقی کی راہیں ہموار ہوتی جارہی ہیں۔ لوگوں کے سامنے انگریزی دواؤں کے ضمنی نقصانات
نمایاں ہورہے ہیں اور جو لوگ یونانی دوائیں استعمال کر رہے ہیں، انہیں ان کی افادیت کا علم ہو رہا ہے۔ اور ان دواؤں
کے ضمنی نقصانات اور مہلک اثرات سے امن وتحفظ کا احساس ہو رہا ہے۔ یہی وہ پہلو ہے جسکے باعث لوگ ایوان طب میں
داخل ہو رہے ہیں۔ ایک اور خوش آگیں پہلو یہ بھی ہے کہ ہماری مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتیں بھی ہندوستانی علاج اور

ادویات کوفروغ وترقی دینے کے مسئلہ میں پوری طرح مخلص اور معاون نظر آرہی ہے۔ اس اہم ونازک اور حساس موڑ پر ہمارے اطباء اور حکماء مزاج شناسی، زمانہ شناسی اور موقعہ شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے سرکاری نوازشوں اور عنایتوں سے فائدہ اٹھائیں اور مریضوں کے ساتھ حسن اخلاق اور اخلاص کا مظاہرہ کریں اور علاج اور دوا کے مسئلہ میں مادہ پرستانہ ذہنیت سے بلند وبالا ہوکر انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کا ثبوت دیں تو طب یونانی کو چار چاند لگ جائیں گے۔ ویسے بھی ہمیں اس باب میں نبی کریم ﷺ کی ہدایت ہے کہ مریضوں کے ساتھ محبت والفت اور اپنائیت سے پیش آؤ۔ اوران کی ضرورت وتکلیف اور آرام وسہولت کا پورا پورا خیال رکھو۔ اگر ہمارے اطباء اور حکماء اس نبوی پہلو کو اپنے سامنے رکھیں تو ہمارے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ ہوگا۔ وماذلك على الله بعزيز۔

اس مقام پر ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ کوئی بھی علم اور فن بدلتے ہوئے زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں کو نظر انداز کر کے وسعت اور ترقی کی راہ پر گامزن نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا طب یونانی کی جدید کاری بھی آج وقت کا اہم ترین اور قابل اعتناء مسئلہ ہے۔

میں اپنی اس طالب علمانہ تحریر کو اپنی ان تمناؤں، آرزؤں اور گذارشوں پر ختم کئے دیتا ہوں اور رفیق محترم ڈاکٹر سید سجاد حسین صاحب، ڈین آف فیکلٹی شعبۂ اردو عربی وفارسی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس عظیم طبی سیمنار میں راقم الحروف کو مندوب مقالہ نگار کی حیثیت سے مدعو کیا۔ اور آپ تمام سامعین وحاضرین کا مشکور وممنون ہوں کہ بڑے سکون واطمینان کے ساتھ اس طالب علم کی طالب علمانہ باتوں کو غور اور توجہ کے ساتھ سنا۔ من لم يشكر الناس لم يشكر الله۔ جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں کرتا۔

واخر دعونا ان الحمدلله رب العلمين.

تذکرہ آستانۂ عارفیہ چتور

مولوی ابوالنعیم سید شاہ محمد کمال اللہ ظہوری لطیفی یم،اے،
عرف صاحب پیر چشتی القادری جنیدی
گورنمنٹ قاضی، چتور ضلع وسجادہ نشین آستانہ عارفیہ چتور، (اے، پی)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے حبیب سرکار دوعالم نور مجسم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری امت جب گمراہی کی طرف چل پڑتی ہے تو اللہ کی رحمت اولیاء کرام کی شکل وصورت میں ان کی اصلاح کے لئے اور صراط مستقیم پر چلانے کے لئے ان پاک نفوس قدسیہ کو مقرر فرمایا ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملائیں کیوں کہ یہ منبع شریعت وصاحب زہد وورٰی ہوتے ہیں ان کی زبان پاک دل پاک، شخصیت بھی بے داغ ہوتی ہے۔ ان کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ ضرور اثر رکھتی ہے شاید ایسے ہی موقعہ پر شاعر اسلام حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

انہیں میں ایک ولئی کامل مصلح قوم حضرت تاج العارفین سراج السالکین سلطان الواعظین سیدنا ومرشدنا مولانا مولوی قاضی سید شاہ محمد عبدالجبار صاحب باقوی معروف بہ حضرت ابوالجلال سید شاہ محمد عارف اللہ صاحب ظہوری چشتی القادری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس ہے۔ آپ کی ولادت شہر ویلور (ٹملناڈو) میں ہوئی۔ اپنی تعلیم کا آغاز مدرسہ باقیات صالحات ویلور سے ہوئی، آپ کے نانا حضرت مولانا سید عبدالقدوس صاحب وجئے واڑہ میں کسی مسجد میں منصب امامت وخطابت پر فائز رہے وہاں پہنچ کر کچھ عرصہ قیام فرمایا۔

1945 میں مرشد برحق پابند شریعت و معمار طریقت حضرت ابوالنور سید شاہ محمد ظہورالدین صاحب قبلہ پراثوری ضلع کڈپہ و کرنولی قدس سرہ العزیز چتورتشریف لے آئے۔ آپ کے مریدین کا یہاں ایک حلقہ بنا رہا کہ راقم کے والد بزرگوار علیہ الرحمہ آپ سے شرف بیعت و خلافت سے نواز دئے گئے۔ رہبر کامل کا ہونا بالکل ضروری ہے ان سے وابستگی عین نجات ہے ورنہ بقول ایک بزرگ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ داخلہ سلسلہ ہوجانے کے بعد ریاضت و مجاہدات منازل سلوک پر گامزن ہوگئے بیانات میں اصلاح کے ساتھ ساتھ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم و عقیدت اولیاء کرام اور ان کے نقش قدم پر چل کر ہی منزل مقصود پا سکتے ہیں فرمایا کرتے تھے۔

1952ء میں شہر کے عمائدین و معزز حضرات کے اتفاق رائے پر حکومت کی جانب سے سرکاری طور پر منصب قضاوت پر مامور ہوئے جس کو بحسن و خوبی ادا کرتے رہے، عیدین تا حسین حیات ویلور روڈ گریمس پیٹ چتور عیدگاہ میں بحیثیت گورنمنٹ قاضی صاحب نماز و خطبہ کی ذمہ داری بہتر طور سے انجام دیتے رہے۔

یہاں پر اس بات کی وضاحت کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ 1964ء میں راقم کا داخلہ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور میں والد بزرگوار علیہ الرحمہ بنفس نفیس ابتدائی جماعت میں کروادئے۔

اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ والد بزرگوار علیہ الرحمہ کے پیرومرشد ابوالنور حضرت سید شاہ محمد ظہورالدین رحمۃ اللہ علیہ ساتھ دیگر مریدین کے پہلی مرتبہ شہر ویلور پہنچکر سب سے پہلے مکان حضرت قطب ویلور تشریف لے گئے اقطاب ویلور کے حضور میں حاضر ہوکر فاتحہ خوانی پیش کئے اور صاحب سجادہ سے شرف ملاقات حاصل کرکے رخصت ہوئے۔ مدرسہ باقیات صالحات کے راستہ سے گذر ہوا تو والد بزرگوار علیہ الرحمہ نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ صاحب یہی وہ مدرسہ ہے جہاں میری تعلیم ہوئی یہ سنکر آپ آگے بڑھ گئے۔

والد بزرگوار علیہ الرحمہ کو اپنے مرشد سے کتنا لگاؤ اور عقیدت رہی کہ خود باقوی ہوئے محض اس وجہ سے کہ اپنے مرشد کے قدم وہاں پہنچے راقم کا داخلہ کروادیا۔

بی، ٹی، سی، روڈ سیدہ پیٹ میں جد امجد حضرت علی پیراں شاہ قادری عرف دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے شہر چتور لوٹ آئے۔

تعلیم کا سنہرا دور اور ہمارے مربیان کرام میں تقدس مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب

الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری سابق سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ اور عزت مآب حضرت مولانا ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر صاحب عرف میراں پاشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نگران کتب خانہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور فضیلت مآب حضرت ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری عرف حضرت پیر صاحب سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور ان بزرگوں کے احسانات وعنایات اور فرمودات کی یادیں جب ذہن میں متصور ہوتی ہیں تو آج بھی آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔ سراٹھا کے فخر سے جو جی رہے ہیں انہیں بزرگ ہستیوں کا صدقہ وطفیل ہے۔ ان کے ہدایات ہماری زندگی کے لئے مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ قابل صد احترام ہمارے اساتذہ کرام جن سے حصول علم میں کمال حاصل کئے درج ذیل اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا سید حمید اشرف صاحب اشرفی کچھوچھوی (یو، پی)

حضرت مولانا محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری، بہار

حضرت مولانا محمد علوی صاحب ملیباری ویلور

حضرت مولانا عبدالواحد صاحب جونپوری (یو، پی)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اکرمی لطیفی بھٹکلی

حضرت مولانا محمد حاتم صاحب اشرفی مبارکپور

حضرت مولانا ابوالمکارم سید مصطفیٰ حسن صاحب بخاری لطیفی کڈپہ مدرس تھے۔

حضرت مولنا قاضی شاہ محمد انوار اللہ صاحب لطیفی گورنمنٹ قاضی نورگلی، ویلور مدرس ہیں۔

حضرت مولانا پی، محمد ابوبکر صاحب لطیفی ملیباری ویلور مدرس ہیں۔

شعبہ حفظ میں حضرت حافظ سید عابد صاحب مدرس رہے تھے، حضرت ناظم صاحب قبلہ رحمہ اللہ علیہ کی نظامت و مدرسہ کے بڑے بڑے طلباء کا اجلاس فرما کر حوصلہ افزائی کی ترغیب دیا کرتے پست ہمتی کو دل سے دور کردینے کی تلقین کیا کرتے۔ آپ فرماتے کہ شہسوار ہی میدان میں گرتے ہیں۔ اس سے پست ہمت نہیں ہونا چاہیئے۔ ہماری کوتاہیوں ولغزشوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تنبیہ فرماتے آپ کے الفاظ تیرونشتر بن کر دل

ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور سے ملاقات پر آپ فرماتے کہ قدیم طلباء کو چاہئے کہ اللطیف میں اپنا مضمون پیش کریں۔ 1972 میں فراغت ہونے کے بعد حضرت کے ترغیب پر 2006 کے شمارہ میں بعنوان ''قطب الاقطاب حضرت شیخ دکن گلبرگہ''اور 2011 میں نظر کا کمال ہے کے عنوان سے سپرد قلم کیا گیا۔

ضمناً دوران تعلیم اور ہمارے بزرگان دین کے تعلق سے کچھ باتیں کچھ یادیں زیر قلم آ گئیں۔

راقم کے والد بزرگوار علیہ الرحمہ آخری دنوں میں مسجد سے مستعفی ہو گئے زیادہ حالت جذب میں ہوتے رزق کا مالک اللہ کی ذات ہے۔توکل علی اللہ اسی کو کہتے ہیں۔ ہر وقت آپ کے دولت کدہ (کرایہ کا مکان) پر لوگوں کی آمدورفت ہوتی، مہمان نوازی آپکا وطیرہ تھا۔ ہمیشہ دینی اصلاحی وتصوفانہ نکات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔آپ کی یہ کرامت کہ جو کوئی آپ سے شرف ملاقات سے مشرف ہوتے فیض حاصل کرتے اپنے دل میں یقین کرتے کہ حضرت سب سے زیادہ مجھ کو چاہتے ہیں۔آپ ذاکرین ومخصوص مریدوں اور شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ پیدا کر گئے۔

آپ پابند شریعت وکامل رہبر طریقت تھے۔صوفیانہ وزاہدانہ اور متوکلانہ زندگی کے عملی نمونہ تھے۔آپ مجالس، محرم الحرام وگیارھویں ومحافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے عورتوں ومردوں کے لئے وعظ فرمایا کرتے آخر سلام وفاتحہ خوانی وشیرینی تقسیم ہوتی۔

آپ کے جد امجد حضرت سید شاہ محمد علی پیراں قادری مکہ عرف دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فرزند حضرت سید شاہ محمد جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ ان کے مزار پر انوار بی ٹی سی روڈ، سعید آباد، ویلور میں ں مکہ مسجد کے روبرو دادا پیر کے نام سے مشہور ہے۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے جاملتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ مقابل تالاب رہا اسمیں نواب سعادت اللہ خان صاحب آرکاٹ کے فرزند گر گئے آخر حضرت کی کرام سے نئی زندگی آئی۔نواب صاحب کے عرض کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ فقیر کو عبادت کے لئے مرنے پر دفن ہونے کے لئے جگہ کافی ہے۔اس پر نواب صاحب نے وہ جگہ مرحمت فرمادئے آج بھی عقیدتمند حاضر ہو کر اپنے جائز تمناؤں کی مراد حاصل کرتے ہیں۔آپ دادا پیر کی اولاد ہیں۔۴ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ مطابق 21 مارچ 1972ء بروز سہ شنبہ وقت عصر یہ شریعت وطریقت، معرفت وحقیقت کا آفتاب ہمیشہ ہمیشہ غروب ہو گیا، آپ کے جنازہ پر دوسرے دن شہر کے عام وخاص مسلمان اور بیرونی مقامات سے کثیر تعداد میں لوگ

شریک رہے۔ بقول شاعر

جنازہ آگے بڑھ کر کہہ رہا ہے اے جہاں والو
چلے آؤ میرے پیچھے تمہارا رہنما میں ہوں

6 نومبر 2000ء میں راقم کے پیرو مرشد الحاج حضرت شاہ محمد تاج الدین صاحب جنیدی قبلہ سجادہ نشین بارگاہ حضرت شیخ روضہ گلبرگہ آستانۂ عارفیہ پر حاضری دئے اور فاتحہ خوانی کئے اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب یہاں مجھے روحانی سکون حاصل ہوا بمصداق ولی را ولی می شناسد۔

ہر سال ۴ صفر المظفر کو جشن صندل و عرس شریف کے تقاریب مقدر ہوتے ہیں، زائرین حاضر ہو کہ من کی مرادیں پاتے ہیں۔ آپکا آستانہ مرکز عقیدت بنا ہوا ہے۔

اکتالیس سال کے بعد شاندار گنبد و آستانہ تعمیر ہوا ہے اس شعر پر میں مضمون کو ختم کیا ہوں۔

وہ ذات جس نے گلستان بنایا صحرا کو اسی کو اپنا ہمیں رہ نما بنانا ہے

نزھۃ الارواح

فارسی

ازمولانا عبدالواحد ابراھیم

اردو ترجمہ

پروفیسر رفیق فاطمہ
(سابق صدر شعبہ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

المقدمہ : علم الیقین اور عین الیقن اور حق الیقین کے بارے میں آگاہی شریعت کا طریقہ علم الیقین سے ہوتا اور حقیقت کا حصول حق الیقین سے۔ کے سالک شریعت جانتا ہے اور سالک طریقت دیکھتا ہے اور سالک حقیقت محسوس کرتا ہے۔ پس شریعت سیکھنا ہے اور طریقت فنا ہونا ہے، اور حقیقت چمکنا ہے۔ پس پہلے شریعت کا علم سیکھو پھر خود کو طریقت کی راہ میں مٹادے پھر حقیقت کی شمع کو روشن کر، اہل شریعت حق کو پہچاننے والے ہیں اور اہل طریقت حق دیکھتے ہیں اور اہل حقیقت بن جا، ای عزیز شریعت آئینہ کے مانند کہ تجلی کے دیکھنے کا مقام ہوتی ہے۔ اور طریقت پاکی کی مثال جیسا کہ گرد آلود آئینہ کام نہیں آتا اسی طرح طریقت کے بغیر شریعت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور حقیقت جمال ذات جب تک پاک نہ ہوگا جمال کا پانا آئینہ میں ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ جمال کا پانا آئینہ میں پاکی کے ذریعہ سے ہے اسی طرح حقیقت سے شریعت کا ربط طریقت کے واسطے سے ہے اور جب شریعت کا آئینہ طریقت کی پاکی کے قابل ہوگا اس میں حقیقت کا منظر حاصل ہوگا۔ جان لے کہ وجود کو فلسفی تین درجہ میں بیان کئے ہیں واجب الوجود اور ممکن الوجود اور ممتنع الوجود،

واجب الوجود حق ہے اور اس کا وجود قائم بالذات ہے اور ممکن الوجود عالم ہے اور اس کا وجود عدم میں مقید اور ممتنع الوجود باری تعالیٰ کا شریک اور اس کا وجود عدم میں صرف پہنا اور اس جگہ نکتہ یہ ہے کہ ممکن الوجود ہر دو جانب ہے۔ اس طرح سے کہ اس کا وجود ارادت سے تعلق رکھتا ہے واجب ہے۔ اور خود اپنی طرف سے غیر واجب کہ اس کا وجود ارادت کے بغیر لازم نہیں ہوتا پس تحقیق کی نظر میں موجود نہیں ہے۔ شائد واجب الوجود اور دوسرے غیر ممکن۔ فاینما تولو افتم وجه الله۔ چہرہ نظر آتا ہے۔ مافي الوجود الاالله ذات کے پردے سے کام آسان ہوتے ہیں۔ بیشک وہ وجود کہ وجود سے مضبوط ہوگا اسکو حقیقت میں وجود نہ ہوگا۔ اور تحقیق کرنے والوں کو ثبوت نہیں۔ شهدالله انه لااله الاهو ۔ جب الاھو پرآتا ہے جو کچھ کہ اس کے سوا ہے لاھو بنتا ہے۔ لاھوالاھو یہ ہوگا ای عزیز جو کچھ کہ عقل کی نظر میں ناممکن ہے عشق کی نظر میں ممکن ہے اور تحقیق کرنے والوں کو اس سے ایمان واجب اور یہ ہے اس مثال سے معلوم ہوگا ان کلمات کو غور سے سن کنت کنزا مخضيا فاحببت ان اعرف مختلف الخلق لاعرف ۔ واجب کو شخص سمجھ، اور ممکن کو عکس کی صورت تصور کر اور غیر ممکن کو آئینہ سمجھ، واجب کہ اس کے حسن سے لیس کمثلہ کی خاصیت رکھتا ہے چاہا حق کا مثال جمال ظاہر کرے۔ نظر آئینہ میں بے مثل عدم کو واجب کیا عقل کی۔ نظر میں ناممکن کو ممکن بتایا، اگر وہ پوشیدہ یا پنہاں خزانے کو خلق کی صورت میں آشکار نہ ہوتا قاعدہ فاحببت ان اعرف جب سچ ظاہر ہوا پس ثابت ہوا کہ عشق کی نظر میں ظہور واجب ممکن ہے کہ ناممکن پردہ اس جگہ واضح ہے اور حسن وہ نکتہ بی مثل سوای عشق کے درک نہیں ہوگا۔ یہ درویش اس معنیہ میں کہتا ہے۔ بیت ''آنچہ اندر تیق غیب نہاں میگوید'' تجھ میں تمام ظاہر ہے لیکن، عرف من عرفست شائد، المومن میراث المومنین۔ یہ حدیث کہتی ہے لیکن اس جگہ پر لطف بات یہ ہے کہ مومن کہا انسان نہ کہا یعنی آئینہ ایمان کی صفت ہے نہ ذاتِ انسان کہ وہ اس خوبصورتی کے عکس کی نظر گیر ممکن مثال ہے۔ یہ ہیں مین نہیں کہتا ہوں نبی صادق سے سنو کہ انہوں نے کہا ان اللہ خلق ادم علی صورت الرحمٰن۔ یہ ہے حدیث جمالیت انسان کو ثابت کرتی ہے اور دو کو نفی کی طرح لایا تا کہ من رانی فقد رای الحق، کہتا ہے اور شربت کے پوست سے حقیقت کا جوہر تلاش کرتا ہے یہ ہے درویش اس معنی میں کہتا ہے بیت سر بیت درین عبد خفی کر شود بی شبہ نمون صورت معبود برآید۔ ای عزیز عزت کا تاج انا الحق اور کبریائی کمبل لیس فی جبتی سوی اللہ وسر سر پر سبحانی ما اعظم شانی وبار قدس هل فی الدارین غیر اللہ یہ ہے دوری اور تجلیات وہ جمال ہے کہ عقل کی نظر میں یہ وجود غیر ممکن اور محال لیکن عشق کی نظر میں فاحبب ان اعرف کے ربط سے اسکو پہچاننا ممکن ہے ہاں جب لازم ظہور ممکن ہوتا ہے ان معانی کا اظہار اسکی صورت سے ناممکن نہیں کہہ سکتے ای عزیز خطاب فانظر الی آثار رحمۃ اللہ غور سے سن اور نظر فاینما تولو فثم وجہ اللله پوری توجہ رکھو تا کہ تو

جانے بیت برنقش خوداست فتنہ نقاش کس نیست درین میان تو خوش باش۔

نقاشی کے نقش پرخوداس کا فتنہ ہے کوئی درمیان میں نہیں ہے خوش رہ۔

اس جگہ نکتہ یہ ہے کہ جب لازم ظہور نہ ضروری ہے نہ ناممکن پس ممکن ہوتا وھذا اسرلایمکن کشفتہ۔ ہاں جب حسن کا ظہور لازم ہوا۔ ممکن عشق اس سے لازم ہوگا۔ الم یعلم بان اللہ یریٰ۔ یہی عشق پیدا کرتا ہے کہ ان اللہ جمیل ویحب الجمال۔ عشق واجب ممکن سے ظاہر ہوتا ہے ای عزیز حسن کے مالک کو کہ جمال میں بے نظیر ہے۔ اسکو خود دیکھنا کسی بھی طرح حاصل نہیں ہوگا سوای آئینہ میں۔ پس آئینہ کے واسطے سے جو کچھ ناممکن ہوتا ممکن کیا۔ فھم من فھم یعنی کہ عقل مشکل سوال کو طلب کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ واجب جب خودی وجود میں لاتی ہے فتنہ انگیز عشق کہتا ہے۔ ممکن ہوتی نہ واجب، پس اس کی مثال وجود میں ناممکن ہوتی یہی لمحہ مشکل ہے سمجھ میں نہیں آتا سوای پورے کشف اور سچی فکر، شاید حلاج نے اس مقام سے حرکت کی کہ کہا، لافرق بني وبين ربي الا بصفتين وجودنا منہ وقیامنا بہ۔ یعنی گواہ کی نظر سے وہ صورت کے آئینہ میں ظاہر ہے اس کو اس کے ساتھ جمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوای اس کے کہ اس کا وجود اس سے ہے اور اس کا وجود اس سے۔ انا من اللہ والخلق منی۔ آئینہ، آئینہ میں اور صورت صورت میں اور نظر نظر میں ہے، بیت

خانہ مصقل همہ جاروی تست دان بیقین دیدہ تو سوی تست

صاف اور روشن دل میں ہر جگہ تیرا جلوہ ہے یقین سے جان لے کہ تیری نظر تیری ہی طرف ہے

عالم پر نظر کہ علم ہستی ہے حسن بے مثال یالاثانی اپنی صورت کو باندھا آدم بنا۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ عناصر کا امتزاج اور طبایع کا بن جانا ثبوت کے لئے وہ حسن کی صورت ہے۔ فاذا سوتیہ ونفخت فیہ من روحی۔ خود سے نسبت کرتا ہے۔ وہ سب سے بلند صفات ذات سے مضبوط کہ اسکی ذات مستحب ہے۔ حیات اور طاقت اور علم اور سننا اور دیکھنا اور سخن کہ اسکو اعلیٰ صفات کہتے ہیں چاہا کہ ان معانی کی صورت میں ظاہر کرے اور عزت کا حجاب ذات کے ذریعہ سے آشکار کرے مٹی کو پیدا کیا اور اسکے ثبوت کی وجہ قدرت سے متعلق کیا اور پانی کو پیدا کیا اس کا اظہار کی وجہ حیات سے متعلق کیا اور ہوا کو پیدا کیا اور اس ہوا کی وجہ ارادت سے متعلق کیا اور آگ کو پیدا کیا اس کی روشنی کی وجہ کو علم سے متعلق کیا۔ یہاں تک کہ مٹی اس کے ثبوت کی وجہ سے سرد اور خشک ہوئی اور پانی اس کے اظہار کی وجہ سے ٹھنڈا اور نم اور ہوا اس کے ابر سے گرم اور تر اور آگ اور روشنی کے ذریعہ گرم اور خشک، اس امتزاج کے ذریعہ سے اسکی نسبت کو ایک دوسرے سے ملایا اور اس صورت پر حسن کو اس مادہ سے ابھارا۔ خمرت طینت ادم بیدی اربعین صباحا۔ ایسی خبر سے اشارہ ہے۔ پھر اس تشکیل شدہ مادہ

کو رنگین کیا کہ شکل کا ظہور بے رنگ نہ ہو گا ہر ایک عضو کو شکل سے بنیا درکھی اور ایک شکل کو ایک رنگ سے ظاہر کیا یہاں تک کہ اس کے حسن کی صورت مختلف رنگوں اور اشکال سے اس کے عشق کی صورت پر ظاہر ہوا۔ اور حقیقت کا اشارہ اس وجہ سے بیان بے مثل چھ روز کہ دنیا کے بنانے کی نسبت سے ہے ظہور کی کمی، کا نشان ہے، جیسا کہ انسانی صورت لڑکپن کے دنوں میں چالیس روز کہ آدم کے بنانے کی نسبت ہے۔ ظہور کے کمال کا بیان ہے، چنانچہ انسان کی صورت کا ظہور خوش بیانی کی حد میں کہ صورت کے کمال کی زیادتی بھی اس حد میں ہے یہی درویش کہتا ہے بیت

مرد چہل سال کہ او آدم است کودک شش روز کہ او عالم است

چالیس سالہ مرد کہ وہ آدم ہے چھ دن کا بچہ کہ وہ دنیا ہے (عالم ہے)

پس قیمتی موتیوں والی صفات ذات کے خزانے سے اس کو مامور کر کے اور جب مٹی کو قدرت سے ثبوت کی وجہ تھی۔ اس وجہ سے بھی اس صورت میں ظہور کیا۔ کذلک (ایسا تقدیر) ارادت اور علم اور حیات ہر ایک اس وجہ سے کہ اس سے تعلق رکھتا تھا اس میں ظہور پایا تا کہ صورت معنی سے ہم آہنگ ہو۔ روح کا بھڑکنا ایسی خبر سے عبارت ہے جب چاہا وہ صورت علم کے ظہور سے اپنے حسن کو پہچانا چاہا کہ اپنے آپ کو دیکھے۔ عشق علم کی سواری پر سوار ہوا اور پانچوں حواس کے راستے سے حسن کی طلب میں باہر آیا۔ اس واسطہ سے پانچ حواس جو کہ علم کی نظر میں تھے۔ ہر طرح آراستہ ہو کر آشکار رہا۔ دیکھنا اشکال اور رنگوں سے متعلق ہوا۔ اور سننا سونگھنے، آوازوں اور سریلے الفاظ خوشبودار ہوا کے حسن سے اور خواہش طاقت اور لمس کی لذت کے حسن سے گرمی اور خشکی اور سردی اور تری سے اس صورت کا مادہ کہ لطیف جسم ہے گونا گوں اور شکر کیا ہوا ہو گا۔ حواس کے محسوس کرنے کے لحاظ سے اور سخنگو کی تقریر کے لحاظ سے کہ حروف کا استعمال اور آواز کا حسن رکھتا ہے پس اس کی آواز چشم رسا ہو گی، حواس کے ذریعہ سے سامع کا سننا ایسا تیرے لئے تقدیر کو پسند ہے اور (مذاق) بھی اور نافہ کی خوشبو بھی ہے اور مخاطب بھی (لموس ھم) یعنی مکمل صفات سے انسان حساس بھی ہے اپنا محسوس بھی عاشق بھی ہے اور معشوق بھی۔ جب حقیقت میں دیکھیں حواس میں عشق کے سوائے کچھ نہیں ہے کہ سواری پر علم دوڑا یا ہے۔ اور محسوسات میں سوائے حسن نہیں ہے کہ آبرو کا پردہ بھی مثلیت کے سبب سے خود ڈال دیا بیت۔ ہر نقش خود است فتنہ نقاش، کس نیف در ین میان تو خوش باش۔ پس اس طرح سے حسن اپنی وسعت میں رنگین ہے اور عشق اپنی خوبیوں میں براجان، ہر چند حسن کی تیزگی عشق کی طاقت کے آگے زیادہ کہ عشق کا التفات حسن کی نیرنگی سے، عشق کے التفات سے کل یوم ھو فی شان۔ حسن کی نیرنگی کو بیاں لا یشغلہ شان عن شان، التفات عشق کو ہے نشان ای عزیز ہر اس چیز کو کہ ہمیشہ ایک مشکل اور ایک ہئیت پر دیکھتے ہیں مزاج اس

کو قبول نہیں کرتا۔اس سے بیزار یا افسردہ ہوتا ہے۔یہ رنگ آمیزی عشق کی فتنہ انگیزی کے لئے ہے۔انھی الافسلک یہی اشارہ ہے قطعہ عشق مشاطہ است رنگ آمیز، کہ حقیقت کند برنگ مجاز تا جینگ آورد دل محمود، بطراز دبشانہ زلف ایاز۔عورت کی مانند عشق تصویر بنانے والی آراستہ کرنے والی، کہ حقیقت کر مجاز کے رنگ میں ظاہر کرتی ہے۔تاکہ پسندیدہ دلوں کو اپنے پنجہ میں لے لے۔ایاز کی زلفوں کنگھی سے سجائی ہے۔

یہی حسن کی تجلیات کو سخنگو یا فلسفی مذہبی جوش یا عقیدت کی مثالوں کا احیاء کہتے ہیں۔لیکن جس وجہ سے کہ لوگ کہتے ہیں اگر درست ہونا چاہئے کہ رنگوں کی مہربانی سے نقصان ظاہر ہوتا کہ نقصان زمانے کے لیل ونہار کی مہربانی سے نسبت رکھتا ہے۔پس مثالوں کا تازہ کرنا سوائے حسن کی مثال کے سمجھ نہیں آتا۔فھم من فیھم اگر یہی معنی تم چاہتے ہو مثال سے سمجھ لو آیت کے آخر میں۔اللہ، نور السموت والارض۔دیکھو۔کہ کہا مثل نور کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا دری یوقد من شجرہ مبارکہ زیتونۃ لاشرقیہ ولاغربتہ یکاد المشکوٰۃ ھو الصدر والزجاجۃ ھی القلب والمصباح ھوالروح۔ای عزیز روح کو شخص کی حیات سمجھ اور اس کا جسم توانائی اور اس کا دل ارادت اور اس کی جان علم اور اس کی بینائی آنکھ سے متعلق اور اس کا سننا کان سے متعلق اور اس کی گویائی زبان سے متعلق اور وہ اس حسن کی صورت ہے کہ بغیر کسی مثال اس کا وصف ہے مثل نورہ، اور وہ حسنِ بے مثال کو روح کی قندیل سے مثال بتاتا ہے تاکہ آئینہ کے واسطے سے حسن کے ظہور کا شبیہ لاگو ہوا کہ ناممکن ہوجائے۔ہاں حسن وہ صورت ہے کہ جز مادہ حیات اس کو قبول نہیں کرتی، نفخت فیہ من روحی۔اس بات کا راز ہے اور حیات کے مادہ کو عشق کے جوہر کے بغیر یہی صورت قبول نہیں ہوگا جب حیات کے مادہ نے اس صورت کو قبول کیا روح کہتے ہیں۔پس روح اس صورت کو جنم ہی زندگی ہوئی اور عشق مضبوط جوہر اور حسن اظہار رنگینی، اس واسطہ سے روح اور عشق اور حسن کو اتحاد اور ہمسری اور ہستی میں ظاہر ہوا۔اور معنی کی نظر اس پیاری صورت کے جمال کا اظہار ان اللہ جمیل یحب الجمال۔اس صورت سے ہے، لیکن ہر شخص کی سمجھ اس جگہ تک نہیں پہونچی۔ہاں اگر صورت میں وہ حسن نہ ہوتا ملائکہ کو آدم کے سجدہ کا حکم کس وجہ سے دیا۔وہ بھی کہ سجدہ کے لائق ہے جو کہ حسن کے متعلق سے معبود ہے۔اپنی ذات سے نہیں ہے۔لیکن وہ خود سے نہیں ہے کہ خود سے غائب ہے سدرس سے موجود اگر اس وجہ سے دیکھیں تمام حسن لافانی ہے اور اگر نظر اس وجہ پر کریں تماز شت اور فانی ہے۔ما اصابك من حسنة فمن الله و ما اصابك من سئية فمن نفسك۔ یہ بھید ہے، یہ درویش اس صور کے بیان کی زبان میں ایک غزل کہتا ہے؛

غزل

تیرا عشق تھا میں تھا اس لحہ کہ میں نہ تھا
نابود کو ہستی کی ماہیت خود سے نہیں ہوتی تونے
تیرے حسن کی بنا میں نے بڑھایا ہر وہ راز کہ
کہ جسکی بنا میں اپنی آرزو میں قدم آگے بڑھاتا ہوں
وہ جو کہ پھونکنے سے خیر خواہ ہوئی انسان تین آراستگی
آنکھ ماں کے مانند ہم میں تیرا حسن بڑی بلندی پر
تونے کہا ہمارے پاس آ تاکہ تجھ سے راز کہوں
خودمبارک کب ہوگا میرے عشق سے جب تک تیرے عشق میں جیوں

جب تیرا عشق وجہ ہوا میرے وجود میں انقلاب آیا
مجھے بتایا میں نے دنیا میں بتایا ہر سامان کے میں نے بنایا
میں نے کہا میرے عشق سے آگاہ ہوا تیرا عشق میرے لئے سواری ہے
کہ وہ آگ کی مانند آیا میں اسی کے سر پر دھویں کے مانند
عشق سے دل میں آگ لگاتا کہ میرے جلنے سے خوشبو آئے
پوری میلان سے دل اور جان سے سجدہ کیا
جب تیرے در پہنچا دیکھا کہ میں نہ تھا
اس دم کہ تو دل میں آیا اس وقت میں نے راز پائے

نکتہ فنا اور بقا کے علامات میں قال اللہ تعالیٰ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ جان لے کہ وہ وجود جسکو دوطرف بقا ہے اور وہ واجب الوجود ہے کہ ہمیشہ تھی اور ہمیشہ رہیگی اور وہ وجود کہ جسکو دوطرف فنا ہے اور وہ دنیا ہے کہ اس کی ہستی ہستی کی صورت نہیں تھی ظاہر ہوئی پھر فنا ہو جائیگی۔ وہ ہستی کہ یہ اسکو دوطرف فنا ہے اور وہ دنیا ہے کہ اس کا وجود ہستی کی صورت ہے نہیں تھی ظاہر ہوئی اور پھر فنا ہو جائیگی اسطرح معلوم ہوا کہ ممکن الوجود دو شکل یا سبب والا ہے۔ اسطرح کہ اس کا وجود ذات خود سے ہے خالص فنا ہے۔ اس سبب کو دنیا کہتے۔ وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو۔ اس رعایت سے کہ اس کا وجود ارادت سے تعلق کے سبب ہوتا ہے۔ عین بقا ہے اور اس وجہ کو آخرت کہتے ہیں۔ پس اس سبب سے کہ خود سے ہے فانی ہے اور اس سبب سے کہ حق سے ہے ملک بقا کو بری صفات کا مالک اور اسطرح تمام ناپسندیدہ اسی سے نسبت رکھتے ہیں کہ خود سے ہے اور تمام پسندیدہ اعمال اور بہترین اوصاف تمام اس ذات کی جانب سے کہ ایک طرف حسن ہی حسن ہے اور اس طرف برا ہی برا۔ اگر ساعت نیک مدد کرے اس طرف سے ترک التفات سے نظر اس جانب پڑتی ہے۔ بقا کی خوبصورتی فنا کے آئینے میں نظر آتی ہے۔ وجہ یومیلانا فرۃ ای ربھا ناظرہ۔ فنا کی شکل کا پیوند ہے بقا کی صورت کو ویبقی وجہ ربک۔ اسی سبب سے فنا سے مراد کہ صوفیہ اسطرف اشارہ کرتے ہیں نظر کا دھوکا ہے اس طرح سے کہ خود ذات سے ہے اور بقا سے اس ذات کا جاننا کہ اس سے متعلق ہے اور اس جانب سے نظر کے دھوکے کے بغیر جو خود سے ہے اس ہستی کا جاننا ممکن نہ تھا جو حق سے ہے پس فنا بقا کا آئینہ ہے جب تک کہ فنا خود سے ظاہر نہ ہو بقا حق سے نظر نہیں آتی، من فنی عن المراد النفس بقی بالمراد الحق۔ یعنی وہ نظر کہ اپنے وجود کی ہستی پر ہوتی ہے اٹھا دیتی اور حرص وشھوات وغیرہ کو عبادت اور محنت سے ناامید کرتی ہے خدا سے اس عمل کی ہدایت چاہتی ہے۔ پس خواہشات کی فنا سے نفس باقی رہتا ہے حق کی مراد سے حق جیسا کہ تھا وجود سے پہلے آلان کما کان پس اس سے دو بے سرور طریقے ظاہر ہوتے ہیں۔ بغیر تعریف کے فنا اور بقا نظر آتے ہیں اور پہلے درجہ میں نفس کے۔

علامہ عبدالکریم قابل آدونی

منجانب : یس محمد یوسف شماس یم اے اکنامکس
ادونی

استاذ الشعراء علامہ عبدالکریم قابلؔ شہر ادونی محلّہ قاضی پورہ میں 1902ء میں پیدا ہوئے ۔ آپ کو جوانی کے عالم ہی سے شعر وسخن کا فطری شوق تھا۔ اسی دور میں شہر ادونی میں اکابرین شعراء علماء فضلاء اور اولیائے کرام کا بہت چرچا تھا۔ علماء اور حفاظ میں محمد حسین آزادؔ، حاجی عبدالکریم توقیرؔ، حفاظ وفضلاء اور اولیاء میں سید محبوب پیر حسینیؒ، سید احمد باشاہ قادری، عبدالصمد قریشی، اکابر شعراء میں داروغہ محمد ابراہیم فصیحؔ نظامی، شیخ احمد شبیرؔ، قاضی قادر محی الدین وغیرہ کا چرچا تھا۔ اس وقت بھی شہر ادھونی گنجینۂ علوم کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ اس وقت امراء اور اکابرین کی معقول سرپرستی ہوتی رہی۔ جنوبی ہندوستان میں علاقۂ مدراس اور اسکے بعد علاقۂ رائل سیما میں علم وفن، شعر وسخن میں ادونی اپنا امتیازی مقام رکھتا ہے۔ شہر ادھونی تقریباً ڈھائی ہزار سال سے زائد اپنی تاریخی حیثیت سے مشہور ہے۔ اور اسلامی تاریخ تقریباً آٹھ سو سال سے زائد اپنی چھاپ رکھتی ہے۔

علامہ عبدالکریم قابلؔ مقامی ہائی اسکول سے ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے منشی فاضل کی تعلیم 1934ء میں مدراس یونیورسٹی سے حاصل فرمائی۔ اور اسکے بعد ادونی میونسپل ہائی اسکول میں درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا، تقریباً 35 سال تک اردو زبان کے علاوہ زبان عربی اور فارسی میں اپنی مہارت کے چار چاند لگادئے۔

شعر وسخن میں آپ نے علامہ محویؔ لکھنوی سے تلمذ حاصل کیا۔ علمِ عروض اور دیگر اصناف سخن میں مہارت حاصل کی۔ 1930ء سے 1960ء کی دہائیوں میں پچاس سے ساٹھ شعراء کی تعداد ہوا کرتی تھی۔ اور ادونی کے اطراف کے شہروں مثلاً رائچور، بلہاری، کرنول، کڑپہ وغیرہ کا بھی یہی حال تھا۔ گلی گلی میدان اور محلوں میں بھی مشاعروں کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔ ہر شہر میں چار تا پانچ اساتذہ ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح قابلؔ صاحب کے

شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔ان مشاعروں میں بیرونی شعرائے کرام بھی شرکت کیا کرتے ۔زبان اردو کا رواج کثرت سے ہونے لگا۔اور حکومت کی آفیسوں کا کام بھی زبان اردو میں چلا کرتا تھا۔

قابلؔ کو قدیم رنگ میں سخن طرازی کی عادت تھی۔کلام میں شستگی اور شائستگی ،ندرت الفاظ کی پختگی، اشعار میں روانی اور چستی تھی ۔آپ کو رباعی ،قطعات،علم امجد،نظم ،حمد،نعت ،منقبت،غرض کہ سخندانی کے ہر فن میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھی ۔آپ اپنا کلام اردو اور زبان فارسی مین اکثر کہا کرتے تھے۔ بیت بازی اور فی البدیہہ اشعار میں آپ کے شاگرد ہر مقام پر کامیابی حاصل کرتے تھے۔ نہ صرف آپ کے شاگرد ادونی بلکہ جنوبی ہندوستان کے مختلف مقامات پر تھے،اصلاحات کا سلسلہ جاری تھا۔ بیشتر مقامات پر آپ صدارت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔آپ کے شاگردوں میں عبدالسلام،عبدالستار ماہر ادھونی،شہید جمالی،خطیب سید حافظ ہاشمی،نظام الدین شوق،سرور رنگی،شیخ احمد اشرفی،الحاج بشیر احمد نظامی،محمد شریف گرامی،ڈاکٹر میر رضوی، سید محمد شفاف،شجاع،مستان ولی،اور دیگر کئی شعرائے کرام تھے۔آپ کا کلام ہندوستان کے مختلف رسالوں کی زینت بنتا رہا۔اہلیان ادہونی نے آپ کے اعتراف خدمات پر ادھونی ٹاؤن ہال میں ۲۱ نومبر ۱۹۶۶ء میں جشن قابلؔ منایا۔اور اس دور میں ایک ہزار روپئے کی گراں قدر رقم کے انعام سے نوازا گیا۔

قابلؔ کو مختلف مقامات سے مختلف خطابات اور القاب سے نوازا گیا۔ممبئی کے روزنامہ ''اقبال'' کے بزم مصحفی سے ''مفکر نو'' آستانہ مخدوم الٰہی کڈپہ سے ''اکمل الشعراء'' اور 1966ء میں بزم بہار سخن ادھونی سے پہلوان سخن وغیرہ کے خطابات سے نوازا گیا۔

افسوس کہ صرف چند غزلیات پر مشتمل آپ کا کلام ''نگارستان قابلؔ'' ہی طباعت سے آراستہ ہوا۔دیگر کلام منتشر حالت میں ہے،اور کلام نعت خوانوں کے پاس ہے،آپ کا وصال 1972ء میں ہوا۔

نمونۂ کلام: چند اشعار ماخوذ از نگارستان قابل،

کرشمہ تو کوئی دیکھے جنوب فتنہ ساماں کا — کہ میرے ہاتھ میں ہے آج کل دامن بیاباں کا
ستارے چرخ پہ غیرت کے مارے چھپ گئے سارے — اُجالا اس قدر پھیلا ہمارے داغِ سوزاں کا

تیری ساری عبادت حور کی خاطر ہے اے زاہد — جسے تو حق پرستی کہہ رہا ہے بت پرستی ہے

تری رفعت کا وہ عالم ہے سن اے حسن کے بانی — بلندی آسماں کی بھی ترے کوچہ میں پستی ہے

وہ سوز کیا ہے جگر کو نہ جو گداز کرے — وہ اشک کیا ہے جو افشا تمام راز کرے
زمانہ کیوں نہ ہو گرویدہ اسکا اے قابلؔ — جو اپنے آپ کو فرشِ رہِ حجاز کرے

چراغِ عشق جس دل میں ازل ہی سے فروزاں ہے — اسی دل پر فدائی صورت پروانہ رقصاں ہے
مثال گل دہک اٹھتا ہے ہر آں یادِ جاناں میں — جو دل میں داغ ہے میرے وہ اشک صد گلستاں ہے

آئی خزاں بہار کے ساماں کدھر گئے — گُل بھی گئے ثمر بھی گئے اور شجر گئے
دنیا میں کیا رہے ادھر آئے ادھر گئے — جینے کا لطف ہی نہ اٹھایا کہ مر گئے

ملتے ہی اس نے قلب کے ٹکڑے اُڑا دیئے — قابلؔ اسی کو کہتے ہیں حُسنِ نظر کی چوٹ
مری ہمدردیاں اے راہ گیرو دیکھتے جاؤ — دکھا کر داغِ دل شب میں اجالا کر رہا ہوں میں

رباعی

معمور خزانے سے جو گھر ہوتا ہے — وہ کعبۂ حاجات کا در ہوتا ہے
دنیا اسے آنکھوں پہ لئے پھرتی ہے — جس شخص کی تحویل میں زر ہوتا ہے

جناب عبدالکریم قابلؔ نے کئی مواقع پر مثلاً کسی کتاب کی اجراء پر، مساجد وعمارت کی بنیاد پر، کسی مشہور جشن پر، یا کسی معروف ہستی کے سانحۂ ارتحال پر ابجد نگاری، قطعے وغیرہ رقم فرمائی ہے۔ ایک قطعہ پیش خدمت ہے۔

قطعہ تاریخ وصال مولانا عبدالصمد قریشی

مصلیوں نے جن سے فیض پایا — گئے وہ فیض گستہ سوئے جنت
رہیگی حشر تک مسجد میں رخشاں — لکھو قابلؔ یہ تنویر امامت

۱۳۵۷ھ بمطابق 1938ء ہے

نظم تاثیر دل گداز:

ناقوس میں جرس میں نہ بانگ اذاں میں ہے — تاثیر دل گداز جو میری فغاں میں ہے

خوشبو کو جس کی سونگھ کے ہوتے ہیں مست سب
وہ پھول بھی ازل سے مرے گلستاں میں ہے
آئی بہار باغ میں قابل تو کیا ہوا
مہمان بن کے برق مرے آشیاں میں ہے

مسجد جامع

سراپا حسن کی صنعت ہے مسجد جامع
زمیں پہ گلشن جنت ہے مسجد جامع
بڑی ہے تاج محل سے بھی اسکی عظمت و شاں
سراپا بابِ فضیلت ہے مسجد جامع

ناچیز نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس مضمون کو مختصر کر دیتا ہے۔

اردو غزل کا پھر نیا ساماں کئے ہوئے
قابل کی یاد شمع فروزاں کئے ہوئے
پھر آج مہکی بزم سخنداں کئے ہوئے
دکن کے گلستاں میں بہاراں کئے ہوئے

حوالہ جات: کرنول میں اردو شاعری قیسی قمر نگری، بہار سخن (سلام یسیری) نگارستان قابل، برق سخن فصیح نظامی، وغیرہ

حضرت قربی ویلوری

ڈاکٹر جاویدہ حبیب
اردو عربک لکچرار، اسلامک ریسرچ سنٹر، چنائی

سید العارفین حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابوالحسن قربی قدس سرہ العزیزؒ

آپ کا نام آپ کے والد بزرگوار کے نانا حضرت سید ابوالحسن کے نام پر رکھا گیا آپ کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری قدس سرہ العزیز ہیں جن کا تذکرہ میں نے ابھی کیا ہے۔ آپ کی پیدائش بیجاپور میں 14 شعبان المعظم 1118ھ م 1706ء میں ہوئی۔ آپ اس طرح ایک مقدس رات یعنی شب برأت کو پیدا ہوئے تھے۔ جب اورنگ زیب عالم گیر ایک سال کے بچے تھے تو آپ کی پیدائش ہوی تھی آپ کا سن پیدائش ''نتیجہ فکر'' ہے۔ (مولوی محمد حسین موصوف حضرت قربی کے فارسی کے استاد رہ چکے ہیں جوان دنوں بیجاپور سے کرناٹک آگئے تھے) جب آپ تین چار سال کے تھے آپ کے والدین بیجاپور سے ہجرت کر کے 1121ھ م 1709ء میں ''شاہ نور'' (ہبلی کی نواح کا ایک شہر) میں دو سال قیام کیا اور وہاں سے میسور کے قریب ایک مقام ''سرا'' آئے اور دس بارہ سال وہاں رہ کر آرکاٹ کا رُخ کیا۔ 1138ھ م 1725ء میں آرکاٹ سے ویلور آگئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ جب آپ ویلور پہنچے تھے تو آپ کے عمر چودہ سال کی تھی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ قیام آرکاٹ کے دوران آپ نے مولوی محمد حسینؒ بیجاپوری سے فارسی کتب پڑھیں۔ استاد اور شاگرد کے درمیان بڑا گہرا رشتہ قائم ہوا اور برکتِ صحبت سے قربیؒ نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ استاد کو بھی اپنے شاگرد پر بڑا ناز تھا۔ ویلور آنے کے بعد آپ نے حضرت شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساویؒ (عرف دستگیر) کے مرید اور خلیفہ خاص حضرت مولانا مولوی فخر الدینؒ مہکری سے فارسی کی فن تصوف میں چند کتابیں پڑھیں اور اسی دوران آپ کو عربی پڑھنے کا شوق بھی لاحق ہوا۔ جس کے لئے آپ نے آرکاٹ میں مقیم پذیر حضرت مولانا محمد ساقی (شاگردِ رشید حضرت مولانا عبدالرحیم) سے ہفتہ میں پانچ دن متواتر درس لینا شروع کیا مگر یہ سلسلہ بعض وجوہات کی بنا پر تا دیر قائم نہ رہ سکا اور حضرت قربیؒ نے بذات خود عربی کتابوں کا مسلسل مطالعہ شروع کر دیا۔

حضرت قربیؒ نے جس وقت اپنی آنکھیں کھولی تھیں خود کو ایک صوفیاء وعرفاء کے درمیان پایا۔آپ کی تربیت میں بھی آپ کے والد بزرگوار نے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ شریعت وطریقت میں آپ نے زندگی بھر کسی طرح کی لوچ اپنے اندر آنے نہیں دی۔آپ نے اپنے استاد شیخ فخرالدین مہکری کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ قادریہ میں آپ کو اجازت خلافت واذکار واشغال حاصل ہوئی۔ پھر موصوف ہی کی ایما پر آپ اپنے دادا پیر حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدوم سلویؒ کی خدمت اقدس میں بھی پہنچ گئے اور شیخ موصوف کے تصرف بزرگانہ سے یگانہ وروزگار ثابت ہوئے۔حضرت قربیؒ نے آپؒ کی خدمت میں رہ کر جملہ منازل سلوک طئے کئے۔حضرت مخدوم ساویؒ کے جملہ خلفاء ومریدین میں صرف حضرت قربیؒ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا کہ آپ کو حضرت ساویؒ کی زندگی ہی میں بیعت کرانے کی اجازت ملی تھی۔حضرت ساویؒ ہی کی ایما پر حضرت قربیؒ نے آرکاٹ کے مشہور بزرگ اور آپ کے عم بزرگوار حضرت سید علی محمد الحسنیؒ قادری صبغۃ اللہی قدس سرہ کے بھی طالب ہوئے۔حضرت سید علی محمد الحسینیؒ اس وقت آرکاٹ کے مشہور صوفیاء میں سے تھے اور آخر وقت میں بالکل جذب کے عالم میں رہتے تھے۔حضرت قربیؒ نے اپنے اندر بھی جذب کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر معلوم نہیں بعد میں آپ اس سے کیوں باز آگئے تھے۔

حضرت قربیؒ نے چھبیس خانوادوں سے اکتسابِ فیض کیا تھا اور ایک سو اکیانوے 191 سلاسل میں خرقہ خلافت واجازت حاصل کی تھی جن میں تین بزرگمشائخ 1) آپ کے عمِ بزرگ حضرت سید علی محمد الحسینیقادری صبغۃ اللہی 2) حضرت شیخ محمد فخرالدین مہکری قادری 3) حضرت شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساوی کے نام گرامی قابل ذکر ہیں۔آپ بڑی تیزی سے لوگوں کو اپنے حلقہ ارادت میں لیتے تھے اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ جتنی تیزی سے راہ سے بھٹکی ہوئی مخلوق راہ راست پر آجائے بہتر ہے اور وہ صحیح معنوں میں شریعت مصطفویہؐ کی اتباع کرے آپ شریعت وطریقت دونوں میں بہت سخت تھے آپ مریدوں میں اس بات کی سخت تلقین کرتے تھے کہ وہ حرام کھانے ،ترک صلوٰۃ اور گناہِ کبیرہ سے ہمیشہ بچے رہیں۔آپؒ حضرت غوث پاک شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی زندگی کے عین موافق اپنے آپ کو بھی ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی نصیحت کیا کرتے تھے۔آپؒ کے اندر استغناء، توکل، خلق دوستی، راست گوئی، نرم مزاجی جیسی اعلیٰ خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔آپؒ بے جا دولت جمع کرنے کے سخت خلاف تھے۔ایک مرتبہ نواب محمد علی والا جاہ آپ کی خدمت میں جاگیر کا پروانہ لے کر حاضر ہوئے تو آپؒ نے اسے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ’’قربی شاہی اور ملک شاہی دونوں کا متلاشی نہیں ہے بلکہ وہ فقر ومستی کے عالم میں سب سے بلند وبالا ہے جس کا مسند بوریا ہی اس کے لئے

باعث فخر ہے‘‘۔آپ بردبار اور حلیم الطبع بھی تھے اور سخاوت میں اتنے عظیم تھے کہ کوئی سائل آپ کی بارگاہ سے کچھ پائے بغیر واپس نہیں ہوتا تھا۔آپ نامحرموں کے سامنے کشف الٰہی کی قطعی گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ شریعت کے احکام کو زنانہ میں پہنچانے کے لئے اپنے خانوادے کی عالم خاتونوں کا سہارا لیتے تھے تاکہ شریعت کی پابندی میں کسی طرح خلل نہ پیدا ہو۔اسلام کے فرائضی احکام میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔نمازوں کو ان کے متعینہ اوقات میں ادا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سخت علالت کی حالت میں بھی بیٹھ کر یا لیٹ کر یا اشاروں سے نمازیں ادا کی تھیں۔اس قدر عمل کا تواتر اور عمل کی صحت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ 1101ھ میں آپ بیمراج ہالہ (Bimraj Hala) تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ سید لطف اللہ اور سید عمر نامی دو مریدین بھی ہمراہ تھے ان کا کہنا ہے کہ ایک دن آپ کو ناشتے کے بعد قئے ہونی شروع ہوئی یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہوگئے اور آپ کو قطعی خبر ہی نہ ہوئی۔جب ظہر کا وقت آیا تو آپ کو اچانک ہوش آ گیا اور دریافت کیا کہ کیا وہ وقت ظہر تھا۔اثبات میں جواب پانے کے بعد آپ نے وضو فرمایا اور بیٹھ کر نماز ظہر ادا کی۔نماز کی ادائیگی تک مریدین انہیں تھامے رہے پھر آپ نے لٹا دینے کا حکم دیا جب لیٹ گئے تو دوبارہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ٹھیک عصر کے وقت آپ ہوش میں آگئے اور بدستور سابق آپ نے نماز ادا کی۔دونوں حالتوں میں آپ انتہائی تکلیف میں تھے مگر حضور اکرمؐ کی اتباع اور اتباع شریعت دونوں کی پاس داری دکھائی دے رہی تھی۔

آپ کے فرزند حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف ذوقیؒ ویلوری کا کہنا ہے کہ ’’میں 1175ھ م 1761ء میں آرکاٹ میں سکونت پذیر تھا اور اکثر قصیدہ بردہ شریف پڑھا کرتا تھا ایک رات میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک معاملے میں دیکھا کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا مجھ کو عنایت فرمایا جس میں لکھا تھا یا (حضورؐ نے خود فرمایا تھا) کہ تمہارے والد (یعنی حضرت قربیؒ) غوث الاعظم کے مقام پر ہیں۔اللہ اس پر البتہ گواہ ہے۔‘‘

اس خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قربی کا مقام سلطان الاولیاء کے مقام کے مترادف ہے اور آپ یقیناً اپنے وقت کے بہت بڑے قطب تھے جس کی شہادت خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔۔۔۔۔۔۔الحمدللہ

حضرت قربیؒ کی ذات برکات سے بہت ساری کرامتوں کا ظہور ہوا ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ اولیاء سے کرامتوں کا صدور خالقِ کائنات کی قادریت مطلقہ اور اس کے وجود پر دلیل ہے اور ساتھ ساتھ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کائنات کے اندر تصرف کی طاقت اور قدرت عطا فرمائی ہے جو کچھ ان سے خرقِ عادات کا صدور ہوتا ہے یہ کوئی شعبدہ نہیں بلکہ منجانب اللہ عطا کردہ ایک حقیقت ہے جو صاحبِ کرامات کی بزرگی اور مقبولیت عنداللہ ہونے

کی دلیل ہیں۔

(حضرت مولانا محمد حبیب الدین اشرفی مونگیری، عاشق خانوادہ اقطاب ویلور)

حضرت ذوقیؒ فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ ایک دن سید فضل اللہ نامی ایک آدمی جو اِدھر اُدھر پھر رہا تھا پکڑ کر حضرت کی خدمت میں لایا گیا'' ....میں نے حضرت سے کہا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا اور نازیبا حرکتیں کرتا رہتا ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا........دوسری مرتبہ ایسا نہ کرنا اور بہت سمجھایا اس پر اس نے بہت زیادہ گستاخانہ کلمات استعمال کئے حضرت نے فرمایا........اس مردود کو باہر کردو.....وہ شخص وہاں سے نکلتے ہی اُسی دن دق میں مبتلا ہو گیا اور ریح وخون اس کے سینے سے نکلنے لگا یہاں تک کہ وہ چند روز میں ختم ہو گیا۔ (از کتاب انشائے عقائد ذوقی)

ایک دوسرا واقع اسی مذکورہ کتاب میں درج ہے۔

''ایک مرتبہ حضرت شیخ ایک لڑکے کو ایک درخت پر جو صحن مسجد میں (غالباً حضرت مکان کی قدیم ترین مسجد کی طرف یہاں اشارہ ہے) واقع ہے بکریوں کے لئے پتے توڑنے کو چڑھایا اور خود حضرتؒ درخت کے نیچے کھڑے رہے قضا را وہ لڑکا درخت کی بلندی سے سقف مسجد پر گرا اور پھر وہاں سے صحن مسجد میں آگرا اس وقت آپ کی زبان سے نکلا.....خدا حافظ پھر آگے بڑھ کر اُٹھایا تو بحمد للہ وہ محفوظ تھا اور اسے کسی قسم کی ضرب نہ پہنچی'' ....

حضرت ذوقیؒ دوراویوں سید مصطفیٰ اور سید اسمٰعیل کے حوالے سے ایک واقعہ کی تفصیل میں یوں فرماتے ہیں۔

''یہ لوگ فرماتے ہیں کہ 1180ھ م 1766ء میں حضرت شیخ قربیؒ سید پور (موجودہ مدراس کا محلّہ کرشنا پیٹ) میں شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساویؒ کے مقبرے کے قریب قیام پذیر تھے اور ہم لوگ (مرید اور چار راوی جن کے نام حضرت ذوقیؒ نے سید لطف، نوراللہ شاہ، سید عمر اور سید یسین بتائے ہیں) آپؒ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک دن صاحب زادہ غلام احمد (فرزند حضرت عبدالحق محمد مخدوم ساویؒ) نہایت عتاب میں آپ کے سامنے آئے اور بیٹھ گئے اور کہا کہ آپ نے اپنی کتاب میں شریعت کو ''اصل'' اور حقیقت کو ''فرع'' لکھا ہے، بہتر یہی ہے کہ آپ لکھی ہوئی عبارت کو مٹا دیں۔شیخ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اور حضرت (حضرت مخدوم ساویؒ) نے اس کا مطالعہ فرمایا ہے لیکن وہ کچھ نہ بولے بلکہ یہی فرمایا کہ اگر میں لکھتا تو یہی لکھتا۔اس بات پر صاحب زادے نے کان نہ دیا اور عبارت مٹانے میں مشغول ہو گئے ہمارے شیخ ان کے استاد زادے ہونے کی وجہ سے حرمت مرشد کا لحاظ کرتے ہوئے خاموش رہے۔مزید صاحب زادے نے نازیبا باتیں اور گستاخیاں کیں پھر بھی حضرت خاموش رہے۔اس شب حضرت مخدوم ساویؒ کو خواب

میں دیکھا کہ آپ کے ساتھ نہایت شفقت کلامی سے پیش آئے اوران کی نازیبا حرکتوں کوتسلیم فرمایا۔ابھی دوتین دن بھی نہیں گذرے تھے کہ صاحب زادے کے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہوگیا اسی سراسیمگی کے عالم میں حضرت کی خدمت میں آکر پاؤں پر گر گئے اور رونے لگے تو حضرت نے خطائیں درگذر فرمائیں اور صاحب زادے کوشفا ہوگئی۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حسن امام خان اور مرتضٰی نامی دوشخص جو بہت کٹر رافضی تھے اُن دونوں نے حضرت قربیؒ کو قتل کرنے کے لئے چار آدمیوں کو متعین کیا وہ چاروں گھات میں تھے تا کہ شیخ کو شہید کرڈالیں۔ابھی دوتین دن نہیں گذرنے تھے کہ ان چاروں میں سے ایک مرگیا اور تین بالکل دیوانے ہوگئے جن کا بعد میں بہت ہی برا حشر ہوا۔

حضرت قربیؒ کے دور میں نواب سعادت اللہ خان کی اولاد حکومت کررہی تھی نواب رضا خان ویلور کا قلعہ دار تھا جو بڑا ہی ظالم اور غریبوں کے گھر اُجاڑ دیا کرتا تھا۔جب حضرت قربیؒ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً فرمایا۔

رضا خان کی دولت کا ٹٹتا ہے پایہ غریباں فقیراں کا توڑیا ہے سایہ

چند دن بھی نہیں گذرے کہ نواب رضا کے قبضے سے قلعہ جاتا رہا اور اس کا بھائی مرتضٰی خان ویلور کے قلعے پر قابض ہوگیا۔

حضرت قربیؒ کے ایک مرید سید لطف اللہ نے بھی حضرت کی کرامت کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

''حضرت کی وفات کے بعد 1185ھ م 1771ء میں محمد جعفر نامی ایک بچہ پانی کے حوض میں گر کر ڈوب گیا ہر چند میں نے تلاش کیا نہ ملا، حاضرین میں سے ایک شخص نے غوطہ لگا کر تلاش کیا اور اچانک ان کے ہاتھ میں آگیا لیکن اُس میں زندگی کی ایک رمق بھی باقی نہ تھی آخر بچے کو حضرت قربیؒ کے مزار مقدس پر لاکر لٹادیا گیا تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور روتے ہوئے اپنی ماں کو تلاش کرنے لگا''۔ (انشائے عقائد ذوقی)

حضرت ذوقیؒ کے قول کے مطابق حضرت قربیؒ کا وصال 20 رمضان المبارک 1183ھ م 1769ء پنجشنبہ بمقام ویلور ہوا مگر حضرت باقر آگاہ ویلوری نے آپ کا سنِ وفات 1182ھ م 1768ء بتایا ہے اور آپ کے مزار مبارک پر بھی کتبہ میں جو مولانا باقر آگاہ ویلوری کا لکھا ہوا ہے سنِ تاریخ 1182ھ ہی نکلتا ہے۔

رکن الدین شاہ ابوالحسن قربی

پیشوائے مقربان الہ

چوں کہ دریافت قرب حق سالش

غاب قطب البلاد گفت آگاہ

1182

سن وفات میں اختلاف محض ایک سال کا ہے ممکن ہے کہ حضرت ذوقیؒ نے ''انشائے عقائد ذوقی'' میں سہواً ایسی غلطی کی ہے.

آپ کی تدفین حضرت مکان کے احاطہ میں مسجد کے مشرقی حصہ میں عمل میں آئی جس پر ایک قبہ بھی تعمیر کیا گیا۔ آج کل اس میں خانوادۂ قطب ویلور کے پانچ بزرگوں کے مزارات بازو بازو ہیں۔ ہر جمعہ بعدِ نماز درگاہ کے پھاٹک کھولے جاتے ہیں اور بعد نماز جمعہ وہاں سلام بڑی خوش الحانی سے نسل درنسل پڑھنے کا رواج ہے جس کے بعد فاتحہ خوانی بھی ہوتی ہے۔ ہر چودھویں شعبان کو حضرت کا عرس بھی بالالتزام منایا جاتا ہے اور ٹمل ناڈو سے ہی نہیں بلکہ پورے جنوبی ہند سے عقائدین خانوادہ اقطاب ویلور پروانہ وار شریک ہوکر زیارت فاتحہ سے مستفیض ہوتے ہیں۔ (استفادہ انوار اقطاب ویلور مطبوعہ 1383ھم 1963ء)

تذکرہ

سلطان دکن

حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس اللہ سرہ العزیز

محمد شفاعت احمد سلیم یم،اے،بی،ایڈ
اسکول اسسٹنٹ اردو، وی آر. ہائی اسکول، نیلور، آندھرا پردیش

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صحبت یک ساعت با اولیا　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
(۱)

سرآمد اولیاء جنوب ہند، خواجہ دکن، شہنشاہ آندھرا پردیش، چراغ شاہراہ ہدایت، شمع محفل ولایت، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول رحمت اللہ علیہ، جن کا روضہ اطہر آندھرا پردیش کے ضلع نیلور سے تقریباً ۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر رحمت آباد شریف (اے، یس، پیٹا) میں ہے۔ آج سے ۳۲۸ (۲) سال قبل بلگام میں رونق افروز (تولد) ہوئے، آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ عالم نقشبندی علیہ الرحمہ افغانستان کے شمالی علاقہ توارن سے ہندوستان تشریف لائے کچھ عرصہ آصف جاہ اول کے ساتھ رہنے کے بعد ریاست کرناٹک بیجاپور

(۱) اوپر دیئے گئے فارسی شعر کا ترجمہ: (اولیاء کے ساتھ ایک ساعت کے لئے رہنا ایک سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے) (۲) سن ہجری کے حساب سے ۳۲۸ سال ہوئے ہیں۔

کے متصل موضع بلگاؤں (بلگام) آئے اور بلگام کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے وہیں آپ نے شادی کی اور وہیں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نائب رسولؐ ۱۱۰۵ھ مطابق 1694ء میں پیدا ہوئے۔ اکثر تذکروں میں آپ کا پورا نام حاجی سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہؐ لکھا ہے، آپ حسینی سادات سے ہیں، آپؒ سے عالم شیر خواری میں ایسی علامات کا ظہور ہونے لگا کہ جن سے دیکھنے والوں کو آپؒ کے ولی اللہ ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ ابھی کم عمر ہی تھے کہ آپؒ کی والدہ ماجدہ صاحبہ اس دنیا سے پردہ فرما گئیں اور والد محترم نے دوسرا نکاح کر لیا، تب آپؒ نے اپنے والد بزرگوار سے اجازت طلب کی اور کرنول میں اپنی خالہ صاحبہ کے ہاں رہنے لگے، کرنول کے مستند علمائے کرام سے آپؒ نے بہت جلد قرآن حکیم، حدیث شریف، فقہ کلام، منطق، فلسفہ، شعر وحکمت وغیرہ میں سند تکمیل حاصل فرمائی۔ آپؒ کے اساتذہ کو آپؒ کی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت پر رشک آتا تھا، آپؒ کے بچپن اور شباب کا بہت بڑا زمانہ تحصیل علم میں گذرا، آپؒ نے اپنی خالہ صاحبہ کے کہنے پر ضلع کے ایک امیر کے ہاں ملازمت اختیار کر لی، ماہانہ تنخواہ میں سے آدھی رقم اللہ کی راہ میں خیرات فرما دیتے تھے اور آدھی رقم سے اپنی اور اپنی خالہ جان کی ضروریات زندگی کی تکمیل فرماتے۔ اسی دوران بیجاپور کے مشہور و معروف مشائخ حضرت علوی بروم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر سخت ریاضت و مجاہدات میں رہے، ایک دن حضرت علوی برومؒ نے فرمایا: رحمۃ اللہ اب عطاء نعمت کا وقت آ گیا، آج ہم تمہیں چاروں سلاسل طریقت میں مرید بناتے ہیں، اس طرح بیک وقت چاروں سلاسل یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور شہروردیہ میں مرید فرمایا۔ داخل سلسلہ ہونے کے بعد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل میں عرصہ دراز تک مجاہدات فرماتے رہے، آپؒ کے اس زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادات کو دیکھ کر آپؒ کے مرشد فخر کے ساتھ شکرِ خداوند تعالیٰ بجالایا کرتے تھے کہ اس نے انہیں ایسا صالح مرید اور جانشین عطا فرمایا، آخر ایک دن حضرت علوی بروم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ کو چاروں سلاسل میں خلافت عطا کی اور صاحبِ اجازت بنا دیا۔

''اخبار اہل عرفان'' میں لکھا ہے کہ کثرت انوار کے باعث حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ نائب رسول کے چہرہ مبارک کے سامنے سورج کی ضیاء بھی شرما جاتی تھی، آپؒ کے رنگ کی صباحت اور ملاحت دیکھ کر شبنم زدہ پھول بھی عرق عرق ہو جاتے تھے، نور حق کی کثرت اور ان کی ذات کے رعب و داب کی شدت سے کسی کی یہ مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ آپؒ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔ پہلی ہی نگاہ میں لوگوں کی نظریں جھک جاتی تھیں، آپؒ روح سالک کی طرح اتنے نیک رفتار تھے کہ آپؒ کے خدام دوڑنے کے باوجود مثل نقش پا آپؒ سے پیچھے ہی رہ جاتے تھے، اکثر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ دلائل

الخیرات (۱) ہاتھ میں لئے پڑھتے ہوئے کھیتوں کے بیچ سے مثل نسیم بہار تیزی سے گذر جاتے تھے، نہ ہی آپؒ کا قدم مبارک کسی پودے پر پڑتا اور نہ ہی کوئی شاخ ٹوٹتی۔ آپؒ دستار عربوں کی طرح باندھتے تھے اور جبہ بھی پہنتے تھے۔

ایک دفعہ کرنول میں سات سال شدید خشک سالی آئی اور بہت سخت قحط پڑا، کرنول کے ناظم نواب الف خان پسر ابراہیم خان نے مشائخین وفقرائے وقت سے نزول باراں کی دعاؤں کیلئے التجا کی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، نواب کرنول بے حد فکر مند اور مضطر تھا کہ ایک روز اچانک ایک مجذوب صاحب نے اس سے بجلی کی طرح کڑک کر کہا ''اٹھ اور سید رحمت اللہؒ'' کے پاس جا انکی ایک توجہ سے تیری مراد بر آئے گی۔ نواب کرنول نے اپنے خادموں سے دریافت کیا یہ سید رحمت اللہؒ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ خادمین نے کہا یہ ولی صفت بزرگ فی الوقت ملازم سرکار ہیں اور فلاں رسالے سے منسلک ہیں، فوراً نواب کرنول سلطان دکن حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ کی طرف روانہ ہوا، نواب کرنول کے آنے سے پہلے ہی آپؒ نے اپنے معتقدین کو نواب کے آنے کی اطلاع دے دی، نواب کرنول نے سرکار نائب رسول کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر بڑی عاجزی وانکساری سے اپنی پریشانی ظاہر کی اور دعاؤں کی درخواست کی، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی، چند ہی لمحات میں آسمان پر بادل امنڈ اٹھے اور زوردار بارش شروع ہوگئی۔ نواب اور اسکے ساتھی بھیگتے ہوئے گھٹنوں برابر پانی سے ہو کر محل پہنچے۔ کسبِ حلال کی خاطر آپ نے کرنول کے حاکم کی ملازمت کی تھی اور یہ ملازمت اس وقت چھوڑ دی جبکہ لوگ آپؒ کی دعاؤں کی مقبولیت کے راز سے واقف ہو گئے اور آپؒ کو یہ گوارا نہ تھا کہ شہرت ہو اور خلائق کا مجموعہ بڑھ جائے جسکی وجہ سے آپؒ کی عبادت وریاضت میں خلل ہو۔

پھر حضرت رسالت مآب ﷺ کے حکم مبارک پر آپؒ نے حج وزیارت مدینہ منورہ کا قصد کیا، ایک دن آپؒ پر جذب واستغراق کی عجیب وغریب کیفیت طاری ہوگئی۔ اس حالت کو نہ تو عالم بیداری سے تعبیر کیا جاسکے گا اور نہ ہی عالم خواب کہا جائے گا۔ یعنی آپؒ نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھے کہ اتنے میں آنحضور تاجدارِ دو عالم سرکارِ مدینہ ﷺ کی زیارت ہوگئی، خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہی اپنی زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا: ''رحمت اللہ تو ہمارے پاس آ'' اتنے میں خواجہ صاحب کو حضرت سید اشرف مکیؒ نظر آئے۔ حضور والا ﷺ نے ان کی جانب اشارہ کر کے ارشاد فرمایا ''رحمت اللہ تیرا حصہ اس کے پاس ہے'' (۱) تذکرۂ اولیائے دکن میں لکھا ہے کہ ادھر آنحضور سرور کائنات ﷺ نے سید اشرف مکی کو اپنے

(۱) ''دلائل الخیرات'' درود پاک کا مشہور مجموعہ ہے، ہفتے کے تمام دنوں میں یہ پڑھا جاتا ہے۔ ہر دن کا وظیفہ الگ الگ ہے، عموماً بعد از طلوع آفتاب پڑھا جاتا ہے اور دوشنبہ سے شروع کیا جاتا ہے۔

دیدار مبارک سے مشرف فرمایا اور انہیں بھی خواجہ رحمت اللہ کی بابت حکم دیا کہ ''اس کا حصہ اسے دے دو'' یہ دونوں حضرات کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ مکہ معظّمہ پہنچے فرائض حج ادا فرما کر پتہ لگانے پر آپؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت اشرف مکی رحمۃ اللہ علیہ کوہِ ابوقیس پر مراقب میں مشغول ہیں، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ، آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے بتایا کہ حضرت اشرف مکیؒ پر ہمیشہ استغراق کی حالت طاری رہتی ہے۔ البتہ نماز کے وقت وہ ہوش میں ہوتے ہیں اور بعد میں پھر وہی استغراق کی حالت طاری ہوجاتی ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ، حضرت سید اشرف مکیؒ کے روبرو مؤدب بیٹھ گئے، جب نماز کے وقت انہیں ہوش آیا تو آپؒ نے انہیں سلام کیا آپ کا نورانی چہرہ دیکھتے ہی فوراً انہوں نے پہچان لیا اور خود ہی فرمایا ''رحمت اللہ میں نے جب سے سرکارِ دوعالم ﷺ کا حکم پایا تمہاری آمد کا منتظر ہوں، پھر آپؒ نے حضرت اشرف مکی رحمۃ اللہ علیہ سے خوب اکتساب فیض کیا اور جبل ابوقبیس پر سلوک کے تمام مدارج طئے کئے، حضرت سید اشرف مکیؒ کے دست مبارک پر نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت فرمائی اور خلافت سے سرفراز ہوکر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام فرمایا، آپ کے حجاز آنے کا سبب بلاشبہ حضور پرنور ﷺ کی حکم طلبی تھا، تاکہ آپؒ باطنی فیوض سے بہرمند کئے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، عقیدت الطالبین' میں لکھا ہے کہ' مکہ معظّمہ' کو جاتے وقت آپؒ ملا بار سے ہوتے ہوئے گئے سید حامد ابن محمد قدس سرہ سے ملاقات کی جو موضع کلاندی میں تشریف فرما تھے، انہوں نے فرمایا واپسی میں بھی ملتے جائیں۔ واپسی میں جب آپؒ نے حضرتؒ سے ملاقات کی تو اس موقع پر تمام حاضرین کے سامنے حضرت حامد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''چاندی تو تھے ہی سونا بن کر آئے ہو''

(۱) فیضانِ رحمت

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ سفر حجاز کے دوران جس بستی میں جاتے اور جس وادی میں قدم مبارک رکھتے وہاں کے لوگ آپؒ کے تشریف لانے کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے اور سچی عقیدت رکھنے والے مریدوں کی طرح آپؒ کی خدمت گذاری میں سعیٔ بلیغ کرتے، حالانکہ کوئی آپ سے پہلے واقف نہ تھا، اور نہ ہی آپ نے کسی سے کچھ طلب کیا، ''عقیدت الطالبین'' میں لکھا ہے کہ ''حضرت معلیٰ جب ملک عرب تشریف لے گئے تھے تو آپؒ کے ایک خادم کبیر محمد نامی ساتھ تھے۔ سفر کے چند دن جنگلوں، پہاڑوں اور وادیوں میں سے گذر رہا ایک منزل میں جنگل میں قیام ہوا جبکہ تین چار وقت کا فاقہ پڑا، خادم نے عرض کیا کہ فاقوں کی تاب نہیں ہے حضرت نے فرمایا صبر کرو، حق تعالیٰ رزق بھیجے گا، خادم مذکور بالآخر غش

کھا کر بے ہوش ہو گئے، عشاء کی نماز کے وقت حضرت نے انہیں نماز کے لئے بیدار کیا۔ وہ بیدار ہو کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مسجد ہے جو لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ لوگ ایک طبق مرغن غذاؤں کا لائے ہیں۔ حضرت قبلہ نے ان لوگوں کو اور اپنے خادم کو کھانے کا حکم دیا، سب کے کھانے کے بعد بھی بچ رہا، حضرت نے خادم کو حکم دیا کہ اگر چاہو تو کچھ صبح کے واسطے رکھ لو، انہوں نے ایسا ہی کیا اور سو رہے۔ فجر کو اٹھے تو دیکھا کہ نہ مسجد ہے نہ جماعت بلکہ پہلے کی طرح کا جنگل ہے، البتہ بندھا ہوا توشہ جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ خادم کو سخت تعجب ہوا، حضرت نے تاکید کی کہ کسی پر اس بات کو ظاہر نہ کریں، انہوں نے آخر عمر تک پوشیدہ رکھا مگر اپنے انتقال کے وقت نندیال میں حاضر الوقت لوگوں کے سامنے بیان کیا۔

حج سے واپسی کے وقت ہندوستان میں حضرت سید شاہ رضا علی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ سے بمقام سورت ملاقات کی، انہوں نے آپؒ کے روئے انور کو دیکھ کر فرمایا: اللہ رب العزت نے آپ کو اپنا عرفان کامل عطا فرمایا ہے، اللہ کی بے حد مخلوق آپؒ سے فیض پائیگی''، حضرت سید علی گجراتی کا کہنا بالکل سچ ثابت ہوا۔ خلق اللہ صدیوں سے برابر آج تک آپؒ سے فیض پا رہی ہے، انشاء اللہ کل روزِ قیامت تک بھی پائیگی۔ ''فیضانِ رحمت'' میں لکھا ہے کہ آپؒ نے شاہ رضا صاحبؒ سے بھی سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت واجازت حاصل کی شاہ رضا صاحب نے آپ سے سلسلہ قادریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا، اس کے بعد آپؒ کرنول اور کڑپہ میں تھوڑا عرصہ قیام فرما کر نندیال تشریف لائے اور وہیں ایک بی بی سے شادی کی ایک لڑکی تولد ہوئی لیکن زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ ماں اور بیٹی کا انتقال ہو گیا، نندیال کے بعد آپ اُدیا گیری (ضلع نیلور) تشریف لائے، اور 1748ء میں آرکاٹ کے نواحی علاقے موضع ان سمندر پیٹا (ا) اے، لیس پیٹا سے متصل ایک وسیع اراضی خرید کر اپنے نام سے موجودہ بستی رحمت آباد بسائی اور وہیں مدت العمر قیام پذیر رہے اور ہیں۔ اسی مقام سے ایک جہاں کو حق تعالیٰ سے واصل بنایا، یہ سلسلہ آج بھی برابر جاری ہے۔ رحمت آباد کے سوا مزید دس گاؤں کی زمین بھی خریدی اور بستیاں بسائیں جن کے نام یہ ہیں۔ ۱) عالم پور۔ ۲) چھوٹا حبیبہ پور۔ ۳) بڑا حبیبہ پور۔ ۴) نبی نگر۔ ۵) حسنا پور۔ ۶) علوی پور۔ ۷) رسول آباد۔ ۸) اکبر آباد۔ ۹) عائشہ پور۔ اور 10) احمد پور۔ (یہ گاؤں اب بھی درگاہ کی تحویل میں ہیں۔ لیکن ان گاؤں کے ناموں پر اب مقامی زبان تلگو کا اثر پڑھ گیا ہے اور تھوڑی بہت تبدیلی ان ناموں میں آ گئی ہے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ ان گاؤں میں زیادہ احمد پور کو پسند فرماتے تھے۔ احمد پور میں اب کوئی آبادی نہیں ہے۔ البتہ حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ الرحمہ کے دور کی ایک قدیم مسجد ہے، اس مسجد کے سامنے والے حصہ کو حال حال از سر نو تعمیر کیا گیا ہے، اس مسجد کے سامنے تھوڑے فاصلے پر ایک بڑا چبوترہ ہے جس پر ایک جھنڈا لہراتا ہے کہا جاتا ہے کہ حضرتؒ نے یہاں مراقبہ

فرمایا تھا، خواجہ نائب رسولؒ نے احمد پور کی آمدنی کو مدینہ منورہ کے لئے وقف فرمایا تھا۔ اس موضع سے جو کچھ وصول ہوتا سب کا سب مدینہ منورہ بھیج دیا کرتے تھے، جس مرید کے دل کی کلی حضرتؒ کے لطف وکرم سے کھل اٹھتی تو اسے ہمراہ احمد پور لے جا کر فصل بہار کی مانند خرقہ خلافت سے سرفراز فرمادیتے۔ قدوۃ السالکین حضرت مولوی شاہ رفیع الدین قدس سرہ اکثر بیان کرتے تھے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کوئی حاجتمند موضع احمد پور کے بنگلہ میں نہایت خشوع وخضوع، عجز وانکسار سے بارگاہ قاضی الحاجات میں ہاتھ پھیلا کر دعا کریں تو انشاء اللہ ہی اس کی مراد برآئے گی۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ الرحمہ نے رحمت آباد میں بارہ سال خس پوش مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد ۱۱۷۶ھ مطابق 1762ء میں پختہ مسجد تعمیر فرمائی اس مسجد کا نام آپ نے مدینہ مسجد رکھا۔ اس مسجد کی پیشانی پر ایک پتھر نصب ہے جس پر ایک عبارت کندہ ہے جس کا مطلب ہے ''یہ پتھر مدینہ منورہ سے لایا گیا ہے''۔ حضرت خواجہ سرتاپا عشق محمدیؐ میں ڈوبے ہوئے تھے اور جان کو آپؐ کی محبت میں قربان کرکے اپنی تمام املاک کو نذرِ رسول ﷺ فرما چکے تھے چنانچہ مسجد پر بھی ''ھذا مسجد النبی المدنیؐ'' یہ نبی مدنی ﷺ کی مسجد ہے۔ لکھوادیا تھا۔ یہ اور بات بھی مشہور ہے کہ مسجد سے قریب جو قبرستان ہے اس قبرستان میں آپؒ نے جنت البقیع مدینہ منورہ سے مقدس ومبارک خاک لاکر اپنے دست مبارک سے ڈالی اور اس کا نام بھی ثانی جنت البقیع رکھا، معتقدمین اور رحمت آباد کے لوگ اس جگہ دفن ہونا اپنی سب سے بڑی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ الرحمہ نے مدینہ مسجد سے متصل خانقاہ اور مدرسہ بھی بنایا ہے، صحن مسجد کے مشرقی حصے میں مسجد سے بالکل قریب سرکار نائب رسولؒ نے ایک بہت بڑا اور گہرا چاروں جانب سیڑھیوں والا کنواں بھی بنوایا تھا، جواب بھی موجود ہے۔

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ کی دوسری حرم محترمہ بی بی حبیبہ خاتون صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا ہیں جو کرنول کے نواب کی اکلوتی صاحبزادی تھیں کرنول کی تاریخ میں اس قبل ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا کہ ایک حکمران کی اکلوتی بیٹی ایک فقر باصفا مرد کامل اللہ والے بزرگ کے حبالہ نکاح میں دے دی جائے۔ محترمہ بی بی حبیبہ خاتون رحمۃ اللہ علیہا باوجود ناز ونعم سے محلوں میں پلنے کے پابند صوم وصلوٰۃ پر نہایت ہی متشرع تھیں، خواجہ صاحب کی زوجیت میں آنے کے بعد آپؒ کی صحبت عالیہ میں رہ کر وحیدۂ عصر اور رابعۂ دوران بن گئیں۔ گھر کے تمام کاموں کے علاوہ صبح وشام لنگر اور جملہ مہمانوں کے خورد ونوش کے انتظامات کا بار بھی انہیں کے کندھوں پر تھا۔ خواجہ صاحبؒ کی عقیدتمند خواتین کی تربیت کی ذمہ داری بھی آپ پر تھی، باوجود

(۱) انا سمندر پیٹا یہ گاؤں جسے اے لیس پیٹا کہا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش کے ضلع نیلور سے ۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

ان تمام مصروفیات کے خود کی اپنی عبادات میں خلل اندازی نہ ہونے دیتی تھیں، حتیٰ کہ خواجہ صاحبؒ کو تہجد کے وقت وضو کے لئے پانی لیکر حاضر رہا کرتی تھیں، آج ماں حبیب النساء کو ماں حبیبہ صاحبہ، اماں جان اور بی، کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

شریعت غرائے محمدی ﷺ کی پیروی تمام سلاسل طریقت کی بنیاد ہے سلسلہ نقشبندیہ کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس میں اتباع شریعت کا بڑا اہتمام ملتا ہے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ اکابرین سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ پر زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ نے کبھی بھی بادشاہوں، حاکموں، امیروں اور مالداروں سے کوئی چیز قبول نہیں کی، دہلی سے احمد شاہ (۱) بادشاہ نے آپ کو بلایا بادشاہ نے سواری، محافظہ دستہ، پالکی رتھ، بہلی، خرچ، اور خدمت گار بھیجے، آپ نے بادشاہ کو لکھا ''خود کو شریعت بیضاء پر ثابت قدم رکھا اپنے ہر دینی اور دنیوی عمل کو حضرت محمد ﷺ کے دین اسلام کے موافق بنالے تو گویا تو تمام بزرگوں اور فقراء کی زیارت کرلی، اس میں دونوں جہاں کی بھلائی ہے۔ نواب بسالت جنگ نے جب خانقاہ مسجد بنانے کی پیشکش کی تو حضرت خواجہؒ نے صرف اس لئے ٹھکرادی کہ اس کے بعض اعمال خلاف شرع تھے۔ اس کی مدد لینے کے بجائے اسے شریعت پر عمل کرنے کی نصیحت کی۔ کڑپہ کے رئیس کی خاطر ومدارت بھی کبھی قبول نہ کی، رحمت آباد کے علاوہ دس اور گاؤں کی زمین آپؒ اپنی ذاتی رقم سے قلعہ دار ادگیر عبدالقادر خان سے خریدی، عبدالقادر خان خواجہ صاحب کے چہیتے مریدوں میں سے تھے۔ اور انہوں نے یہ گاؤں آپ کو بطور جاگیر نذر کرنی چاہی سرکار خواجہ رحمت اللہؒ نے اس بات کو قبول نہ کیا اسی طرح اگر کوئی آپؒ کو دعوت دیتا اور دوسروں سے زیادہ آپؒ کی خاطر تواضع کرنے کی کوشش کرتا تو آپؒ اس سے ناراض ہوجاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؒ کا گھوڑا بھی پرائے کھیت کی گھاس نہیں کھاتا تھا۔

حضرت مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اکثر یہ ہوتا کہ لوگوں کی معمول کے مطابق تعداد میں کھانا تقسیم ہوجانے کے بعد اگر مشائخ وفقراء کثیر تعداد میں آجاتے تو جلدی سے دیگ پر سرپوش رکھ دیتے ان لوگوں کی احوال پرسی کے بعد حضرت خود اپنے دست مبارک سے کھانا نکال نکال کر ہر ایک کو تقسیم فرماتے یہاں تک کہ سب لوگ سیر ہوجاتے مگر دیگ میں کھانا جوں کا توں رہتا۔ کبھی کبھی آپؒ موسم بہار میں باغوں کی سیر کو تشریف لے جاتے، اس وقت باغوں ہی میں کھانے پکتے، جو کچھ پکتا تھا وہ حاضرین کے لئے کافی ہوتا تھا۔ مگر اچانک حضرت والا کی تشریف آوری کو سن کر

(۱) مغل بادشاہ محمد روشن اختر کا بیٹا تھا، سلاطین مغلیہ میں سب سے آخری سلطان تھا اس کے بعد حکومت انگریزوں کی ہوگئی۔

دیہات کے لوگ کافی تعداد میں وہاں جمع ہوجاتے، اس طرح بظاہر پکا ہوا کھانا سب کیلئے ناکافی ہوتا مگر حضرت والا سب کو کھانے میں شرکت فرماتے اور اللہ کے کرم سے وہی کھانا جو صرف چند لوگوں کے لئے پکا ہوتا سب کو کافی ہوجاتا تھا، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آپ باغات کی سیر کو تشریف لے جاتے اور کھاتے وقت ارشاد فرماتے ”کچھ لوگ آنے والے ہیں انکے لئے بھی کھانا اٹھا کر رکھدو“ لوگوں کو مطلق معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون لوگ آنے والے ہیں، تمام خدام آپس میں دیکھا کرتے کہ ہم میں سے کوئی چھوٹ تو نہیں گیا جو بعد میں آجائے مگر تمام خدام موجود ہوتے اچانک آپؒ کے فرمان کے مطابق کچھ اجنبی لوگ آجاتے اور وہ رکھی ہوئی تھوڑی سی غذا سب لوگوں کے لئے کافی ہوجاتی۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ الرحمہ حتی الامکان اپنے آپ کو درس وتدریس میں مصروف رکھتے، اپنے شاگردوں کو تفسیر، قرآن، حدیث اور فقہ کا درس علی الاعلان دیتے تھے۔ لیکن جہاں تک طریقت کی تعلیم تزکیہ نفس کی تربیت کا معاملہ ہوتا کبھی سب کے سامنے اس کا ذکر نہ کرتے یہ تربیت خلوت میں ہوتی اور وہ بھی مخصوص طالبین کے لئے اسی بناء پر آپؒ مریدوں سے کہتے کہ زر توحید بند غنچہ کی طرح دل میں چھپائے رکھنا موجب جمعیت ہے۔ اگر اسے ظاہر کردیا جائے تو مثل گل آفت وپریشانی کا باعث ہوتا ہے۔

معتبر حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ نے اندرون ہند متعدد سفر فرمائے اور بیرون ہند آپؒ کے دو سفر ہوئے، ایک حج وزیارت حرمین شریفین کے لئے حجاز مقدس کا اور دوسرا عراق، جہاں حضرت خواجہ نے بغداد شریف میں روضۂ حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ پر مراقبہ فرمایا۔ سفر حج سے پہلے حضرت رحمت اللہ علیہ الرحمہ میلا پور (مدراس) تشریف لے گئے اور اپنے وقت کے مرشد کامل حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مریدی کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: میاں تمہارا حصہ تو حضرت اشرف مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس محفوظ ہے پہلے اُسے حاصل کرلو بعد میں جب تم ادھر آؤ گے تو جو کچھ میرے پاس ہے تمہیں دونگا۔ پیر علوی بروم رحمۃ اللہ علیہ سے آپؒ نے رفاعی سلسلہ میں بھی خلافت حاصل کی تھی، آپؒ حج سے واپسی کے بعد میلا پور میں حضرت سید احمد رفاعیؒ سے ملاقات فرمائی اور ان سے بھرپور استفادہ باطنی حاصل کیا۔ حضرت خواجہ رحمت اللہؒ فرماتے ہیں کہ ”میں محبوب رب العالمین حضرت خواجہ معین الدین نور اللہ مضجعہ کے چمن زار ولایت سے اپنا دامن بھر کر گلہائے مقصود چنے ہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ فلک اشتباہ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔“

حضرت خواجہ رحمت اللہؒ نائب رسول کے خلفائے کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت سید مرتضیٰ قدس سرہ، ادھونی ضلع کرنول، آپ حضرت خواجہ رحمتؒ کے پہلے خلیفہ ہیں۔

(۲) حضرت شاہ محمد صبغۃ اللہ، قدس سرہ عرف باواصاحب (بابن شاہ ولی) نواب پیٹ، نیلور۔

(۳) حضرت محمد سرور قدس سرہ نیلور۔

(۴) حضرت سید عبداللہ قدس سرہ مکہ معظّمہ

(۵) حضرت محمد قطب خاں قدس سرہ شکاپور۔

(۶) حضرت شاہ عنایت اللہ قدس سرہٗ

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ، کلکتہ

(۸) قطب زمن حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربؔی قدس سرہ، مدرسہ لطیفیہ حضرت مکان ویلور (ٹملناڈو) بحر رحمت میں لکھا ہے کہ حضرت قربؔی نے حضرت خواجہ رحمت اللہؒ سے سلسلہ نقشبندیہ اور رفاعیہ میں خلافت حاصل فرمائی تھی (حضرت ابوالحسن قربؔی کے والد بزرگوار حضرت سید شاہ عبداللطیف نقوؔی قادری بیجاپوری ہیں، آپؒ ہی خانوادۂ قطب ویلور کے بانی ہیں)

(۹) حضرت شاہ محمد نظام الدین قادری قدس سرہٗ مصنف ''عقیدت الطالبین''

(۱۰) حضرت شاہ محمد رفیع الدین قندھاری قدس سرہٗ قندھار شریف ناندیڑ۔

اخبار اہل عرفان (بحر رحمت) میں لکھا ہے کہ، ایک مرتبہ خلاف عادت یک بیک بیٹھے بیٹھے آپؒ نے ایک بڑی چیخ ماری اور اپنی جگہ سے اس طرح اچھلے کہ جبۂ مبارک کی آستین دست مبارک سے پھٹ گئی۔ محمد حسین مکی جو آپؒ کے منشی تھے۔ اور اس وقت حاضر تھے انہوں مضطرب بے اختیار آپؒ سے حقیقت حال دریافت کی، حضرت خواجہ نے سورج کی طرح گرمیٔ جلال سے ان کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ فقراء کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی، ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے فوری طور پر ان کے حالات کی تفتیش نہیں کرنی چاہئے، منشی صاحب آپؒ کی حرارت غضب سے اولوں کی طرح پگھل گئے۔ آٹھویں روز آپ کے قدموں پر گر کر معافی چاہی، آپؒ تو ابرِ رحمت تھے۔ آپ ترحم سے ان کی اس فروگذاست کو دھوڈالا، اور یوں فرمایا کہ 'ایک تاجر کا جہاز زبردست بھنور میں پھنس گیا تھا، قریب تھا کہ ڈوب ہی جائے، اس کے مالک نے بے اختیار ہماری دہائی دے کر ہم سے مدد طلب کی، جیسے ہی ہمیں معلوم ہوا اسے صحیح سلامت ساحل تک پہنچادیا۔ حضرت کے ارشاد کے بعد ابھی چند دن گذرے تھے کہ تاجر مذکور تحفے تحائف لے کر ایک ریلے کی طرح رحمت آباد پہنچا

،آپؒ کی خدمت میں حاضری دی،اور خود پر جو کچھ حالات گذرے تھے انہیں بے کم وکاست کہہ سنادیا،بعینہ اس طرح جس طرح حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔

کیا بتائیں کہ ہیں کیا؟ چیز ہمارے خواجہ فرش تو فرش عرس کے تارے ہمارے خواجہ

اخبار اہل عرفان ہی میں حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسولؒ کے جسد اطہر کی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے کہ مصدر اوصاف نیک مرزا شجاعت بیگ نقل کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کا جسم مبارک کبھی برہنہ کسی نے نہیں دیکھا، جب کبھی حمام میں تشریف لے جاتے، اکثر میں ہی آپؒ کے جسم مبارک کی مالش کرتا تھا،سوائے چہرہ مبارک کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا، پشت مبارک بازو مبارک سینہ وشکم مبارک کی مالش کرتے ہوئے میرے ہاتھوں کولمس کا احساس ضرور ہوتا لیکن غور سے دیکھنے کے باوجود جسم پر انوار ہرگز نظر نہیں آتا تھا۔

''بحر رحمت'' میں لکھا ہے کہ ''حضرت خواجہ پایانگھاٹ کے سفر سے واپس ہورہے رہے اس وقت دریائے ترچناپلی میں طوفان نوح کی طرح باڑھ آئی ہوئی تھی۔مسافر کنارے پر ٹھہرے ہوئے تھے کشتیوں کا نام ونشان تک نہ تھا، اس علاقے کا حاکم ندی کے کنارے پابہ گل حیران و پریشان اس طرح ٹھہراا ہوا تھا جس طرح ندی کے کنارے سرو کا درخت حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مغربی سمت چلے اور بغیر پاؤں تر پاؤں تر کئے ہوئے پیدل آپؒ نے ندی پار کرلی، یہ حال دیکھ ایک ہندو نے جو دریا کے کنارے کھڑا ہوا تھا، یہ سمجھا کہ دریا اس جگہ سے پایاب ہے جلدی سے عبور کرلونگا، آگے بڑھتے ہی غوطے کھانے لگا اور بڑی مشقت ومشکل سے جان بچا کر نکل سکا۔

حضرت خواجہ محترم کو شاعری سے لگاؤ تھا، عمدہ عمدہ شعر آپؒ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔آپؒ کی شاعری زیادہ تر توحید وتصوف اور عشق رسول ﷺ پر ہوتی تھی، کبھی کبھی آپؒ نے اصلاح معاشرہ کی غرض سے اپنے پندو نصائح کو نظم فرمایا، نصر الدین ہاشمی نے اپنے تحقیقی مقالہ ''دکن میں اردو'' میں لکھا ہے کہ ''خواجہ رحمت اللہ نام رحمت اور رحمت اللہ تخلص'' ایک صوفی بزرگ تھے جو دکن میں مشہور ہیں، حضرت خواجہؒ کا کلام اکثر فارسی زبان میں ہے کبھی کبھی دکنی زبان یعنی دکنی اردو زبان میں بھی آپؒ شاعری کرتے تھے، آپؒ کے کلام کے نسخے کتب خانہ سالار جنگ اور ادارہ ادبیات اردو (حیدرآباد) میں موجود ہیں۔

ایک دفعہ بارش کی کثرت سے انا سمندر پیٹا کے تالاب کا کٹہ ٹوٹ گیا تھا، کٹے کے پوری طرح ٹوٹ جانے کے آثار دیکھ کر رعایا فریاد کرتی ہوئی حضرتؒ کی خدمت میں آگئی، حضرت خواجہؒ مخلوق کو فائدہ پہنچانے کی نیت سے تالاب پر تشریف لے گئے اور کٹے کے ٹوٹے ہوئے حصے پر کھڑے ہوکر باطنی قوت سے اس کو مضبوط کر دیا، یہ وہ طغیانی تھی کہ اس کے آگے ہاتھی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ یہ تالاب رحمت آباد سے قبلہ کی جانب دو کیلو میٹر کی دوری پر آج بھی موجود ہے اسے بڑے گاؤں کا تالاب کہتے ہیں۔

نوے ۹۰ سال کی عمر میں حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہ کے کان اور رخسار کے درمیان ایک دنبل نمودار ہوا جسکے اثر سے ایک مہینہ تک بیمار رہ کر شب جمعہ ۲۶ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ مطابق 1781ء کو بوقت مغرب قلعہ اودگیر میں اس جہان فانی کو خیر باد کہہ کر رحمت حق سے پیوست ہوگئے، رحمۃ اللہ علیہ۔ (قلعہ اودگیر رحمت آباد سے تقریباً ۵۹ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اور قلعہ دار اودگیر عبدالقادر خان، خواجہ صاحب کے چہیتے مریدوں میں سے تھے ہوسکتا ہے کہ آخری ایام میں خواجہ نائب رسولؒ قلعہ دار اودگیر کی خواہش پر اودگیر تشریف لے گئے ہوں) رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد آپ کو غسل دیا گیا، غسل کے وقت آپؒ کے قلب مبارک کا مقام ذاکر اور متحرک تھا جسے تمام حاضرین نے ملاحظہ کیا۔ (رحمت آباد شریف کے قدیم بزرگوں سے یہ بات مشہور ہے کہ خواجہ صاحبؒ کے پردہ فرمانے کے بعد اودگیر کے معتقدین کی خواہش تھی کہ آپؒ کی تدفین اودگیر ہی میں ہو اور رحمت آباد والوں کی خواہش تھی سرکارؒ کو ہم اپنے گاؤں رحمت آباد لے جائینگے اور وہیں تدفین عمل میں آئیگی اور مزید رحمت آباد والے معتقدین کہہ رہے کہ سرکار نائب رسولؒ نے ہمیں اپنی آخری آرام گاہ کا مقام بھی بتایا ہے، حضرت خواجہؒ کی زوجۂ مطہرہ ماں حبیبہ خاتونؒ نے اس کا فیصلہ یوں فرمایا کہ حضرتؒ کے جنازہ مبارک کو پہلے اودگیر والے اٹھائیں اس میں وہ کامیاب رہے تو سرکارؒ کی آخری آرام گاہ اودگیر ہی ہوگی اگر وہ ناکام رہے تو پھر یہ کوشش رحمت آباد والے کریں۔ جن کے ہاتھوں سرکارؒ کا جنازہ مبارک اٹھ جائے گا سرکارؒ کی تدفین وہیں ہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اودگیر والے حضرات کوشش کے باوجود نائب رسول کے جنازہ مبارک کو اٹھانے میں ناکام رہے، پھر رحمت آباد والے معتقدین نے آپؒ کے جنازہ مبارک کو اٹھایا تو وہ ایک مقدس پھول کی مانند اٹھ گیا، بات ختم ہوگئی) راتوں رات آپ کے جسد اقدس کو اودگیر سے رحمت آباد شریف لایا گیا اور دوسرے دن جمعہ تھا، رحمت آباد میں آپؒ کی تعمیر کردہ مدینہ مسجد کے صحن میں آپؒ کی تدفین عمل میں آئی، غلام علی آزاد بلگرامی ثم اورنگ آبادی نے تاریخ وفات یوں نظم کی ہے۔

شہ ملک ولایت رحمت اللہ زدنیا سوئے عقبٰی رخت برست
اگر پرسند تاریخ وصالش بگو "با رحمت اللہ پیوست"
۱۱۹۵ھ

ایک روایت کے مطابق آپ کی حرم محترمہ حبیبہ خاتونؒ خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد تقریباً ۱۸ سال باحیات رہیں، آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، ماں حبیبہ خاتونؒ نے ہی اپنی ذاتی رقم سے مزار شریف پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کروایا، کہا جاتا ہے کہ ماں حبیبہ خاتونؒ نے اپنے ذاتی زیورات سے گنبد کے کلس پر چاند بنوا کر لگوایا، کلس پر اماں جان صاحبہ کے زیورات سے بنا ہوا اصلی سونے کا چاند اس وقت بھی موجود ہے۔

کیا ہے؟ شبیہ گنبد خضرا ہے سربسر روضۂ جو آپ کا ہے وہ نائب رسول

یہ خوبصورت گنبد آج زیارت گاہ خلائق اور آماجگاہ انوار خالق ہے، اس در سے معتقدین دین و دنیا کی نعمتیں حاصل کر رہے ہیں۔

یہ خواجہ ذی حشمت و ذیجاہ کا در یہ خواجۂ بے مثل شہنشاہ کا در
ملتی ہے ہے جہاں دولتِ دین و دنیا یہ در ہے وہی رحمۃ اللہ کا در

آج بھی حاضرین حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ کی بارگاہِ اقدس پر رجوع ہو کر اس نائب رسولؐ کی دعاؤں سے اپنی جسمانی، روحانی، ایمانی اور نفسیاتی بیماریوں سے شفا پا رہے ہیں، جنّات، بھوت، پریت، آسیب اور جادو ٹونا کے اثرات سے چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں اور اس کعبہ دکن سے محبوبِ رب دو جہاں، امام الانبیاء سارے نبیوں اور رسول کے سردار ہمارے آقا و مولا حضور خاتم النبیین سرور کائنات رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمتوں سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

اعلٰی ہے روضہ آپ کا یا نائب رسول ہوتی ہے اس مقام پہ ہر اک دعا مقبول
ہے کعبہ دکن در پُرنور آپ کا ہوتا ہے مصطفٰیؐ کے کرم کا یہاں نزول

ماں حبیبہ خاتونؒ صاحبہ نے بھی ۷ ربیع الاول ہی کو اس دنیا سے پردہ فرمایا اور حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول علیہ الرحمہ کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

آمد رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

سید محمود قادری محمود

مولف ڈپٹی رجسٹرار، کوآپریٹیو ڈپارٹمنٹ۔

حیدرآباد، اے۔پی۔

Cell No : 9963139531

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناظرین بعث نبیؐ نور مجسم نبی رحمت سرور کونین محسن انسانیت رحمت اللعالمین حضور اقدس امام الانبیاء حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پیشتر خطہ عرب کی فضاء جہاں ہر طرف بادہ نوشی اور جوئے کا زور تھا۔ شاہد پرستی کا سیلاب امڈا ہوا تھا جنگ وجدل کی گھٹائیں مسلط تھیں۔ بت پرستی کا رور تھا بد اخلاقیاں اچھل رہی تھیں۔ خدا کو چھوڑ کر خدا کی مخلوق سے مرادیں مانگی جا رہی تھیں۔ اللہ کے آگے جھکنے والے سر بتوں کے آگے جھک رہے تھے لات و عزیٰ کے سامنے حاجتمندوں کے ٹھیٹ کے ٹھیٹ لگ رہے تھے حسن وعشق کا بازار گرم تھا نہ کوئی قانون نہ اصول نہ تہذیب تھی نہ تمدن نہ علم تھا نہ مذہب۔ جیسے ماں کے پیٹ سے نکلے تھے ویسے ہی تھے جنگل کے خودرو پودے تھے۔ جو بڑھتے اور پھیلتے جاتے تھے۔ وہ خوش وطیور تھے جو کھاتے پیتے گاتے اور مرجاتے ہر طرف آندھیاں اٹھ رہی تھیں مذہب تھے مگر نام کو اللہ کا نام لیا جاتا تھا۔ لیکن عبث خدا کے بندے بتوں کے بندے بنے ہوئے تھے۔ بے حیائی، بے غیرتی، بے شرمی، بداخلاقی، بداطواری، بدوضعی، زناشوئی، طوالت ومیخواری، قمار بازی، حرام خوری، دغا وفریب، کبر وغرور، نخوت و رعونت، حسد وکینہ، غیبت وبدگوئی اور کذب ودروغ کے سیلاب امڈے ہوئے تھے سب راعی تھے۔ اور سب رعایا، نہ ڈر تھا، نہ خوف، زبردستیوں پر زبردستیوں کے دندان ظلم ہمیشہ تیز رہتے تھے فرعونوں سیہ کاروں کی اس دنیا میں مظلوموں کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ مخلوق کئی قبائل میں منقسم تھیں۔ عرب کیا تھا ایک اسفلۂ عالم تھا جسکی لاٹھی اسکی بھینس۔ جسکا جتھا اس کی حکومت والا معاملہ تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی، جہاں روشنی کا ایک دیا بھی نہ ٹمٹمایا تھا۔

چھٹی صدی عیسوی جو بعث نبی کریم ﷺ سے ایک عرب کیا؟ دنیا بھر کی یہی حالت تھی۔ ہر طرف بگولے اُڑ رہے تھے۔اور پوری کی پوری دنیا الحاد و زندقہ، کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی تھی۔اس وقت دنیا میں بکثرت مذاہب موجود تھے۔ جس میں یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، بدھ مت، ہندومت، اور کنفیوشیش قابل ذکر ہیں ویسے آفتاب و مہتاب کو پوجنے والے ستارے پرست جانوروں کو خدا سمجھنے والے بھی موجود تھے۔بدھ مت ہندوستان، چین اور جاپان میں دندنا رہا تھا۔لیکن زوال پذیر تھا اور بدھ کی تصویر ہر گھر میں موجود تھی جسکی پوجا کی جارہی تھی۔خدا کا کوئی تصور نہ تھا۔دوسرا بڑا مذہب عیسائیت تھی جو تمام یورپ و شام وایشیا کوچک اور حبش میں پھیلا ہوا تھا۔لیکن توحید کا یہاں بھی نام نہ تھا عیسائیوں کے یہاں دو خدا کا وجود تھا۔ایک خیر کا خدا، دوسرا شر کا خدا۔ یزدان و ہرمن، تمام ایران، عراق، یمن بحرین شیراز، بلخ، بدخشاں وسط ایشیاء، ترکستان ماوراوالنہر اور کردستان وغیرہ میں اسکی حکومت تھی۔ ہند اس وقت ہندوازم، اور برہمینزم کے روپ میں تھا۔اسکی وسعتوں کو بدھوں کی دراز دستیوں نے ختم کر دیا تھا۔اور یہ صوبے متحدہ اور ہندوستان کے کچھ علاقوں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔مگر تھا اہم اور قدیم اس میں توحید ہرگز نہیں تھی ان کے منادر صد ہزاروں بتوں اور عجیب الہیت بتوں سے پٹے پڑے تھے۔زن و مرد، رات دن۔ان کے سامنے گڑگڑاتے اور سجدے کرتے تھے۔

جینی راجپوتانہ کو مرکز بنائے ہوئے تھے یہ سرے سے خدا کے وجود کو تسلیم ہی نہ کرتے تھے۔یہی حالت کنفیوشیزم کی تھی جو چین کے دوصوبوں تک محدود تھا عرب میں سب کچھ تھا۔ یہاں پر یہودیت رہ گئی تھی۔گویا یہ دنیا ایک بڑا مذہب تھا مگراب مدینہ، خیبر اور اسی قسم کے کچھ شہروں تک محدود تھا یہ لوگ انبیاء کے قتل، وسیع قتل کے جرم میں معتوب ایزدی تھے۔ اپنی تمام اہمیت کھو چکے تھے تمام مذہبی اصول کو بھول چکے تھے، اور بالکل مسخ ہو چکے تھے انہوں نے اپنے پیشواؤں اور قائدوں کی خدائی تسلیم کر لی تھی غرض مذہبی اعتبار سے پوری کی پوری دنیا زبون حالت میں تھی۔

مذکورہ مذاہب کے علاوہ عرب میں دین ابراہیمی بھی دین حنفی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مذہب خالص توحید پر مشتمل تھا۔لیکن مرور زمانہ سے اس کی بھی حالت سقیم ہوگئی تھی، سارے ابراہیمی، اصنام پرستی کو قبول کر چکے تھے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قوم بتوں کے سامنے برہنہ رقص کرتی اور ان سے مرادیں مانگتی تھیں۔اس کا محض نام ہی نام رہ گیا تھا۔ تاہم اس مذہب نے ظہور قدسی سے کچھ ہی عرصہ پیشتر توحید کی طرف ایک قدم اٹھایا تھا۔

جب باغ عالم پر خزاں کا دور چھایا ہوا تھا۔ بادسموم کے آتش باز جھونکوں نے برگ و بار کیا۔شاخوں اور تنوں میں افسردگ خشکی پیدا کر رکھی تھی روشیں خاک اڑا رہی تھیں۔خیابانوں میں سوکھے ہوئے پتے اڑتے پھرتے تھے۔رنگین

معدوم ہوچکی تھیں۔ بہاریں آغوش فضا میں سو رہی تھیں عنادل کی جگہ زاغ وزغن کی غیر مانوس اور غیر مرغوب آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ہر طرف سناٹا اور ہر سمت ویرانی چھائی ہوئی تھی کائنات انسانی پر جمود غفلت کی موت طاری ہوچکی تھی۔ چھ صدیوں کے فصل نے حضرت عیسیٰ کی ملہمانہ تعلیمات کو بھی مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ توریت وزبور کے پڑھنے اوران کے محرف احکام پر بھی عمل کرنے والے مبدّل ہو چکے تھے۔ کہنے کو انسان کی بستیوں کی بستیاں آباد تھیں۔ جنگل کے کنگل ذکور وانات کے رگلّوں سے پٹے پڑے تھے۔ لیکن ان کی رہبری و رہنمائی ان کی تعلیم وتربیت اوران کی فلاح و بہبود یکا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ خواص وعوام سب پر عصیاں اور سرگشتگی کے جن سوار تھے۔ انسان اشرف المخلوقات، انسان کی زندگی درندوں سے بدتر فروتر ہوچکی تھی۔ جنگلوں کے بھیڑیوں اور بھٹوں کے سانپوں اور صحراؤں کے جانوروں سے یہ امید تھی یہ توقع ہوسکتی تھی کہ وہ قابو پاکر رحم کردیں، بخش دیں چھوڑ دیں، مگر انسان سے انسانوں کو توقع نہ تھی بندے بندوں پر خدائی کررہے تھے بندے، بندوں کو سجدہ کرنے پر مجبور بنے ہوئے تھے۔ خدا کو سمجھنے اور اس کی عظمت وجبروت سے ڈرنے والے لرزاٹھنے والے کہیں نظر نہ آتے تھے اسکی عبادت کرنے اور اسکے سامنے سر جھکانے والے ناپید ہوگئے تھے۔ مذاہب تھے اور مذاہب کے پیشواء بھی، مگر فلاح و بہبود، انسانی اور رہبری وقیادت کیلئے نہیں بلکہ گمراہی اور بھٹکانے اور دنیا والوں پر ظلم وستم کی بجلیاں گرانے کے لئے تھے۔

یکا یک ''غیرت حق'' کو حرکت ہوئی افق عالم پر ایک چمک پیدا ہوئی اور آقائے عالم ماورائے انسانیت اور ملجائے مظلومیت حضور نبی کریم ﷺ ایک نوید مسرت اور پیغام راحت بن کر تشریف لائے۔

یہ آفتاب ہدایت حضور سید المرسلین محبوب رب العالمین سرور کونین آقائے نامدار آقائے دو جہاں امام الانبیاء و حضرت اقدس سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ، ہمارے نبی ہیں۔ دادا نے آنحضرت ﷺ کا نام محمد اور ماں نے خواب میں ایک فرشتے سے بشارت پاکر احمد رکھا۔

نبی کریم ﷺ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ابوالانبیاء کی اولاد سے جو ہاجرہ بی بی کے بطن سے ہوئی بی بی ہاجرہ بادشاہ مصر ''رقیون'' کی بیٹی تھیں۔ خدا کے یہاں ایسا درجہ تھا کہ خدا کے فرشتے ان کے سامنے آیا کرتے تھے۔ اور خدا کا پیام پہنچایا کرتے تھے بی بی ہاجرہ کے فرزند کا نام اسماعیلؑ تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے پہلوتے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو وادی میں اس جگہ آباد کیا تھا۔ جہاں اب ''مکہ'' ہے خدا نے حضرت اسماعیلؑ کے لئے زم زم کا چشمہ ظاہر کیا تھا۔

حضرت اسماعیل خدا نے بارہ بیٹے دئے تھے ان میں سے قیدار بہت مشہور ہیں۔ جو چار واسطوں سے نبی کریم ﷺ کے دادا ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس ﷺ کی والدہ کا نام حضرت بی بی آمنہ ہے وہ وہب کی بیٹی ہیں۔ وہب قبیلہ بنوزہرہ کے سردار تھے۔ ان کا سلسلہ نسب فہر المقلب بہ قریش کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔

اس لئے نبی کریم ﷺ ددھیال اور ننھال میں عرب کے بہترین قوم اور شاخ میں سے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ موسم بہار دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق قبل از طلوع نیر عالم تاب پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ اپنے والدین کے اکلوتے فرزند تھے۔ والد بزرگوار حضرت عبداللہ کا آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت با برکت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ طبری وابن خلدون نے ۱۲ ربیع الاول اور ابوالفداء نے ۱۰ ربیع الاول مگر سب کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن ۱۲ ربیع الاول کے سوا اور کسی تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے ۱۲ ربیع الاول ہی صحیح ہے۔

حضرت سید شاہ عبداللطیف قادریؒ لااُبالی سرکار کرنول

سید محمد گیسودراز قادری عرف محسن حیدرآباد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الاان اولیا اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ط

سبعۂ سیارہ (سبعہ قادریہ) کے نام سے دکن میں سات بزرگ معروف ہیں۔ یہ سب کے سب حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پوتے حضرت سید شاہ عمادالدین ابوصالح نصر قادری کی اولاد امجاد سے ہیں جو عراق اور شام سے ہندوستان تشریف لائے۔

ان سات بزرگوں میں حضرت سید شاہ عبداللطیف قادریؒ لااُبالی بھی ہیں۔آپ پندرھویں پشت میں سیدنا غوث پاکؒ کے صاحبزادے ہوتے ہیں۔آپ کی پیدائش حماہ میں ہوئی۔آپ کے والد کا نام سید شاہ محمدؒ طاہر قادریؒ نے جو اپنے وقت کے عالم وفاضل اور صوفی تھے آپ کا وصال شعبان ۱۰۱ھ میں ہوا آپ حماہ میں ہی مدفون ہیں۔

لااُبالی کی ابتدائی زندگی حماہ میں ہی گذری یہیں تعلیم وتربیت ہوئی، یہیں سے ہجرت فرما کر سلطان ابراہیم قطب شاہ کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے۔آپ کے ہمراہ میراں حسین بغدادیؒ بھی تھے انہوں نے حیدرآباد کا رُخ کیا اور لااُبالی نے کرنول کا رخ کیا۔

کرنول ایک تاریخی مقام ہے۔ عادل شاہی مسلمان نوابوں اور انگریزوں کے زیر تسلط رہا۔ سیاسی حکمرانوں کی

طرح صوفیوں کی آماجگاہ بنارہا۔کئی اہل اللہ اسکی خاک میں محوخواب ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جس زمانے میں آپ کرنول تشریف لائے ایک راجہ کی حکمرانی تھی۔راجہ کی لڑکی انتقال کرگئی اللہ نے انہی قدرت تاظہوراس طرح فرمایا کہ آپ کی کرامت سے وہ لڑکی زندہ ہوگئی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی اور لااُبالی سرکار کی کرامت کو دیکھ کر راجہ اور اسکے اقرباء وزراء دین میں داخل ہوگئے لااُبالی سرکار کے دست پر ایمان قبول کرلیا۔

لااُبالی سرکار شریعت مطہرہ کے بڑے پابند تھے اور اپنے اولاد، مریدین و معتقدین کو پابند شریعت رکھنے میں کوشاں تھے۔آپ نے اپنے صاحبزادوں کے نام جو وصیت نامہ تحریر فرمایا اس میں شریعت کی پابندی کی بڑی تاکید ملتی ہے۔اسکے ساتھ حسن واخلاق اور شفقت سے رہنے کی بھی تاکید فرماتے تھے۔لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین اور دل آزاری سے اجتناب کی ہدایت بھی ہے۔آپ عبادت وریاضت کے لئے گوشہ نشینی کو پسند فرماتے تھے۔کرنول سے باہر جنگل میں تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت میں محو رہتے۔چنانچہ وہ جگہ جہاں آپ ذکرالٰہی میں مشغول رہتے تھے غالباً آپ نے چالیس دن تک قیام فرمایا ہو اسی مناسبت سے وہ جگہ چھلہ مبارک کے نام سے مشہور ہوی۔عطائے خلافت کے مسئلہ میں لااُبالیؒ کی نظر میں حسب ونسب سے کہیں زیادہ علم وراثت کے تحفظ پر تھیں۔

حضرت لااُبالی کرنول میں اقامت گزیں ہونے کے بعد ایک عرصہ دراز تک مجرد رہے۔بعض احباب نے نکاح کی بات کہی تو فرمایا یہ فقیر اللہ کی مرضی اور اسکے امر کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔انتظار کریں اللہ تعالیٰ کیا اسباب پیدا فرماتے ہیں۔اس واقعہ کے چند دنوں بعد آپ نے ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں چالیس سال کی عمر میں دو نکاح کئے۔ایک نکاح حضرت حمزہ حسینی کی صاحبزادی ولی شاہ ماں صاحبہ سے کیا۔اور دوسرا نکاح حضرت سید علی قادری کی صاحبزادی فاطمہ المعروف بہ جمال صاحبہ سے کیا۔دونوں بیویوں سے آپ کو اولاد ہوئی۔

شہر ادھونی میں مدفون معروف بزرگ حضرت سید شاہ طاہر قادری المعروف صاحب حضرت صاحب آپ کے صاحبزادے ہیں جو آپ کی دوسری بیوی فاطمہ عرف جمال صاحبہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔راقم الحروف (یہ ناچیز) حضرت لاابالی سرکار کے چوتھے فرزند حضرت سیدنا سید شاہ طاہر قادری ثانی قدس سرہٗ (مدفن ادھونی) کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔

حضرت لاابالی کے تاریخ وفات میں کافی اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ۱۰۵۰ھ میں ہوا روضہ شریف پر یہی تاریخ وصال درج ہے۔خرد گفت تاریخ این دستگیر بہ بخ آہ ھو اللطیف الخبیر۔آپ کا مزار اقدس مرجع خاص و عام ہے۔ہر سال عرس شریف نہایت تبرک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔

ذی الحجہ کی ۷ تاریخ کو صندل شریف چڑھایا جاتا ہے۔

حضرت لاابالیؒ سے بے شمار کرامات ظاہر ہوئیں ان میں سے دو یہاں نقل کی جارہی ہیں (۱) حکیم ابوابرکات خان روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ رات کو بارات گذر رہی تھی۔ نوبت وغیرہ کی بجنے کی آواز سے میں بیدار ہوا۔ دیکھا کہ بہت آتش بازی ہورہی ہے اور آتش بازی کا بہت سا جلا ہوا حصہ ہواؤں کے ذریعے درگاہ شریف کے صحن میں گر رہا تھا۔ چنانچہ بچپن کے تقاضے کی وجہ سے میں نے چاہا کہ دیوار پر سے کود کر درگاہ میں داخل ہو جاؤں اور وہ سامان حاصل کرلوں ورنہ علی الصباح درگاہ کے خادم یہ سامان لے لیں گے۔ چنانچہ میں اس ارادے سے گھر کی چھت پر چڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ درگاہ شریف کے صحن میں ایک بڑا لشکر موجود ہے جس میں ہاتھی اور گھوڑے بھی ہیں۔ روشن چاند چمک رہا ہے اور تمام صحن اسکی روشنی سے منور ہے۔ حالاں کہ وہ چاندنی رات کا دن نہیں تھا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ بڑے دروازے کے بعد جو دوسرا دروازہ ہے وہ چھوٹا ہے اس میں ہاتھی کیسے داخل ہوئے۔ الغرض میں نے درگاہ شریف کی دیوار کے اوپر سے جانے کے ارادہ ترک کیا اور گھر میں جا کر سو گیا۔ صبح کو درگاہ میں حاضر ہوا تو وہاں لشکر کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیئے۔ حکیم ابوابرکات خان کہتے ہیں کہ وہ اس زمانے کے مجاور شیخ میراں کے پاس گئے تمام واقعہ سنایا جس کو سن کر مجاور صاحب نے کہا اے ابوابرکات یہ دوستانِ خدا کے اسرار (راز) ہیں اس میں دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔

(۲) ایک مجذوب وضع کے بزرگ زادے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ عرس شریف کے تمام انتظامات خود اپنے خرچ سے کئے۔ بہت آرائش وزیبائش کی خوب روشنی کی خوب کھانا پکوایا اور پھر امیر کے ساتھ سماع منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ اس زمانے میں درگاہ شریف کا دم شیخ میراں ہی تھے جن کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ انہوں نے نصیحت کی کہ کبھی بارگاہ عالیہ میں ایسی محفل منعقد نہیں ہوئی آپ ایسی حرکت مت کرو لیکن انہوں نے مجاور کی ایک نہ سنی اور قوال کو گانے کا حکم دیا۔ جیسے ہی سازندے ساز بجانا شروع کئے وہ لوگ پیٹ کے درد سے تڑپنے لگے اور وہ بزرگ زادے بھی جگر کے درد میں تڑپنے لگے۔ بالآخر انکو حضرت کے دروازے پر لایا گیا خادم کو حکم آیا اور اس نے حجرۂ اقدس کے قفل کو پانی سے دھو کر وہ پانی پینے کے لئے دیا۔ پانی پیتے ہی وہ لوگ شفاء یاب ہو گئے۔

آپ کے مواعظ بہت ہیں اور بے شمار اقوال میں جو مریدین کے ذریعے روایتاً کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کا وصیت نامہ غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے جس میں آپ نے اپنی اولاد اور خلفاء کو بڑی عمدہ اور انمول نصیحتیں اور وصیتیں کی ہیں۔

ان میں سے چند یہ ہیں۔

تم لوگوں پر صوم وصلوٰۃ کی پابندی لازم ہے اور یہی پابندی تمہیں مزین اور منور کرے گی، ساتھیوں، رشتہ داروں اور مسافروں کی خدمت اپنی ذات اور مال سے کرو۔ تمہیں دنیا کی جو چیزیں آسانی سے مل جائیں ان پر قناعت کرو۔ روزی حلال کھاؤ مصیبت، سختی اور فقر و فاقہ سے راضی رہو۔ اللہ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اسے خرچ کرو، اور اپنے نفس اوروں کو نجات دو۔ کسی چیز کو کل کے لئے ذخیرہ بنا کر نہ رکھو اللہ تمہیں ضرور رزق دے گا جو تمہاری قسمت میں مقرر ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اس کے معانی میں غور و فکر کے ساتھ کرو۔

(استفادہ از کتاب تذکرہ سرکار لا اُبالی)

نفس کی ماہیت اور حقیقت

الحمد للہ رب العالمین الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ الہ واصحابہ واہل بیتہ اجمعین۔اما بعد برادران طریقت کی خدمت میں یہ چند سطور نفس کی ماہیت اور حقیقت کے عنوان پر مختصراً تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ملاحظہ فرمائیں۔

عام طور پر علماء کرام اور مشائخین کرام نے چار اقسام میں تقسیم فرمایا ہے اور اس کی ماہیت کو گوش گداز کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا ہے الحمد للہ علیٰ ذلک۔

(۱) نفس امّارہ

برائی کی طرف آمادہ کرنے والا جو شیطانی خیالات وخواہشات کو ابھارنے والا ہے۔حلال وحرام کی پرواہ نہ کر کے گناہوں میں مبتلا کرانے والا ہے اور اسی میں وہ لذت محسوس کرتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ان النفس لامارۃ بالسوء البتہ یہ نفس سخت حکم کرتا ہے طرف برائی کے۔اس امّارہ پن کی صفت کو زیر کرنا اور مارنا اور اس نفس امّارہ کے خواہشات کو شریعت مطہرہ کے احکامات پر خلوص ومحبت سے عمل پیرا ہو کر ہی زیر کر سکتے ہیں اور قابو پا سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ذوقؔ نے بہت خوب فرمایا ہے۔

نہنگ و اژدہا وشیر نر مارا تو کیا مارا　　بڑے موذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا

گیا ابلیس مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے　　اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

(۲) نفس لوّامہ

اس کی صفت ایسی ہے کہ جب بھی بندے سے گناہ سرزد ہوتا ہے تو نادم اور شرمندہ ہو کر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتا ہے اسی لئے اسکو نفس لوّامہ کہتے ہیں گناہ سرزد ہونے کے بعد فوراً اللہ کی بارگاہ میں خائف ہو کر اس سے بچنے کے لئے توبہ واستغفار کرتا ہے تو اللہ رب العزت پر اس بندے کی ندامت وشرمنگی پر بہت مہربان ہو کر اپنے فضل وکرم سے اور شانِ رحیمی وکریمی سے معاف فرما کر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے۔اس کو شریعت

مطہرہ پرخلوص ومحبت کے ساتھ عمل کرنا آسان کردیتا ہے۔اس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے و لا اقسم بالنفس الوامہ یعنی البتہ میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والی جان کی۔جب بندہ خائف وتائب ہوکر ہمیشہ حق تعالیٰ کے ذکر وفکر و محبت ومعرفت میں مشغول ہوجاتا ہے تو تخلقو باخلاق اللہ کے مصداق اوصاف حمیدہ سے متصف ہوجاتا ہے اور اپنی انانیت سے باز آتا ہے اور اپنی خودی کو خدا کی ہستی میں میٹ دیتا ہے تو ہستی حق سے چین وسکون پاتا ہے اور یہی نفس، نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔

(۳) نفس مطمئنہ

قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربك راضية مرضيه فادخلی عبادی وادخلی جنتی ۔یعنی اے نفس مطمئنہ رجوع ہوجا دنیا سے اپنے رب کی طرف راضی ومرضی سے تقرب کے لئے پس داخل ہوجا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔سبحان اللہ، اللہ رب العزت کے ارشاد پر ذرا غور کریں کیا فرمارہا ہے اے نفس مطمئنہ پھر جا دنیا سے اپنے رب کی طرف راضی وخوشی سے کہ تو جمالِ الٰہی کی تجلیات دیکھنے سے خوش ہونے والا ہے داخل ہوجا میرے خاص بندوں کے گروہ میں کہ وہ موحدین، عارفین، عاشقین واصلین اولیاء کاملین وصدیقین ہیں اور داخل ہو میری۔جنت میں کہ وہ مقام نور میری لقا و دیدار کے تجلیات سے تجلی ہے۔یہاں بعض صوفیاء کرام نے نفس راضیہ ومرضیہ کو بھی چوتھی قسم قرار دیا ہے جو اسی آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔

واضح ہو کہ نفس کئی معنوں پر مشتمل ہے کبھی نفس سے حقیقت و ماہیت شی مراد لی جاتی ہے اور کبھی نفس خاص ذات شی پر اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کتب علی نفسه الرحمة ط۔رحمت کو خاص اپنی ذات ہی پر مختص کیا ہے۔کبھی اس کا اطلاق روح انسانی یعنی جان پر ہوتا ہے جیسے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے والذی نفسی بیدہ، قسم کھاتا ہوں اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے۔حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد و صوفیاء کرام میں بہت مشہور ومقبول ہے۔''من عرف نفسه فقد عرف ربه''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا (اپنی جان کو پہچانا) اس نے رب کو پہچانا اسی لئے قطب میسور حضرت سید میر حیات رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

کر پچھانت آپ کی اور جان کی تب پچھانت ہو تجھے سبحان کی

ان کے پیرومرشد حضرت سید شاہ کمال شمع خاندان چشت قدس اللہ سرہ نے اپنے دیوان مخزن العرفان میں یوں ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

حق شناسی کا گر ہنر ہونا　　　خودشناسی سے بہرہ ور ہونا

حضرت صدر شیرازی علیہ الرحمہ والرضوان نے بھی کتاب الاسفار میں لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو اپنی ذات وصفات اور افعال کی مثال بنایا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ مثل سے پاک ہے نہ کہ مثال سے، یہ اسلئے تا کہ روح کی معرفت اللہ کی معرفت اور شناخت کی سیڑھی ہے۔"

جو شخص اس مناسبت اور مماثلت کی حقیقت پر مطلع ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ واجب التعظیم ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ اور قول علیٰ مرتضی رضی اللہ عنہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کے معنی کی حقیقت کو سمجھ سکے گا۔ اس لئے کہ روح انسانی اسی مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا زینہ ہے، چنانچہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے درج ذیل شعر میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

تزعمہ انک حبہ صغیر　　　وفیک النطوی العالمہ الاکبر

یعنی تو اپنے کو چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے حالانکہ تجھ میں بہت بڑا عالم سمایا ہوا ہے۔　　مثنوی

مصدر آیاتِ ربانی ہے تو　　　مظہر انوار سبحانی ہے تو

عالم اکبر ہے ترکیب بشر　　　نسخۂ جامعہ ہے انساں سربسر

حدیث شریف میں ہے کہ جب باایمان آدمی کو اجل آتی ہے تو اس کے نزدیک فرشتے اور ملک الموت خوبصورت خوش لباس وبامعطر آتے ہیں، سرہانے بیٹھ کر کہتے ہیں یا ایتھا النفس المطمئنہ الی آخرہ یعنی اے جان خوشی اور آسانی سے نکل کر آ کہ تیرا پروردگار تجھ سے خوش ہے۔ یہ بات سن کر مومن کی جان کمال خوشی کے ساتھ نکل آتی ہے۔ ایک عالم اسکے خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے۔ فرشتے اسکو ریشمی معطر کپڑوں میں لے جاتے ہیں اور آسماں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہاں کے دربان مرحبا مرحبا کہتے ہوئے استقبال کرتے ہیں۔ مگر خاصان الٰہی اولیائے کاملین عاشقین واصلین کی روح مبارک جب تک خاص بشارت الٰہی ندائے ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ بگوش ہوش خود نہیں سن لیتی جسم سے باہر نہیں آتی جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق مروی ہے کہ آپ کی روح مبارک وفات کے وقت رب جلیل کا جلوہ دیکھنے کے بعد معشوق حقیقی کی طرف پرواز کرگئی اور حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ چونکہ مضمون طویل ہوتا جارہا ہے یہیں پر اس مضمون کو ختم کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں اور ایمان والوں کو اپنے پیارے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وصدقہ میں بوقت وفات

نفس مطمئنہ کی صفت سے متصف فرما کر حسن خاتمہ عطا فرمائے آمین برحمتک یاارحم الراحمین۔

اب برادران طریقت سے معذرت کے ساتھ گذارش کرتا ہوں کہ عجلت میں اس مضمون کو اختصار کرنا پڑا جس کی وجہ سے یہ مضمون ابھی تشنہ رہ گیا ہے امید کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرمائینگے۔ لہٰذا اس مضمون سے کچھ ربط رکھنے والی ایک غزل دیوان مخزن العرفان سے منتخب کر کے حضرت سید شاہ کمالؔ قدس سرہ کے اشعار کی مختصر تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حق شناسی کا گر ہنر ہونا ۔۔۔ خود شناسی سے بہرہ ور ہونا

معرفت کی ہوا میں اُڑنے کو ۔۔۔ عینیت غیریت دو پر ہونا

بوالعجب باوجود غیریت ۔۔۔ عبدو رب عین یکدگر ہونا

راست پوچھو تو بعد علم یقیں ۔۔۔ راہ توحید بے سپر ہونا

زینت و زیب سے ھوالحق کے ۔۔۔ ضم اناالحق کا کروفر ہونا

امراوسط کو جان کر تحقیق ۔۔۔ مبطل جبراور قدر ہونا

جب قرین قدیم ہے حادث ۔۔۔ لابد اس کا فنا اثر ہونا

کیوں نمک بحر عذب سے ملکر ۔۔۔ ملح یا ما سے نامور ہونا

جھوٹ مت بول رکھ جتن ایماں ۔۔۔ مال کو چور سے حذر ہونا

خود بخود نیں خدا رسی ممکن ۔۔۔ پیرسہ میر راہبر ہونا

دعوئ عبد ورب عبث ہے کمالؔ ۔۔۔ نیست میں ہست جلوہ گر ہونا

حضرت سید شاہ کمالؔ قدس سرہ نے پہلے ہی کے شعر میں حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا مطلب بڑے اچھے انداز میں فرمادیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے عارف اللہ کی معرفت حق کی پہچانت کا ہنر حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلے خود اپنے آپ کی پہچانت سے کوب بہرہ ور ہو جا یعنی خودشناسی حاصل کرنے میں خوب لگ جا۔ حضرت سید میر حیات علیہ الرحمہ قطب میسور نے بھی اس مطلب کو مصباح الحیات میں اس طرح ارشاد فرمایا

کر پچھانت آپ کی اور جان کی ۔۔۔ تب پچھانت ہو تجھے سبحان کی

دوسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی ہوا میں روحانی پرواز کے لئے عینیت اور غیریت کے دو پروں کا ہونا ضروری ہے۔ حضرت نے عینیت اور غیریت سے متعلق دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ۔

عینیت غیریت حقیقی بوجھ   حق سے اپنے یہی ہے راہ ہدیٰ

حقیقی غیریت اور عینیت نہ جان کر خود کو   جوئی مشرک جدا جانے کوئی ملحد خدا جانے

چونکہ بندے کی ذات اور حق کی ذات میں نسبت غیریت حقیقی کی ہے۔ بندے ذات ذات عدم ہے۔ اور رب کی ذات ذاتِ وجود ہے۔ بندے کو وجود نہیں ہے۔ اللہ کے وجود سے موجود نما ہوا ہے۔ شریعت مطہرہ میں ایک وجود اسے دو موجود ہونا جائز قرار دیا گیا ہے ایک موجود حقیقی اصلی جو خدا کا وجود ہے جو اپنی ذات سے خود موجود ہے۔ ایک موجود ظلی و بخاری جو اپنی ذات سے موجود نہیں ہے مسئلہ عینیت و غیریت بھی ایک ادق مسئلہ ہے اس کو شیخ کامل سے اور صوفیائے کرام نے مختلف پہلو سے عینیت حقیقی اور غیریت حقیقی سے متعلق طالبین حقیقت و معرفت کو اپنے اپنے رسالوں میں سمجھایا ہے مطالعہ کر کے معلوم کر لینا اور جان لینا ضروری ہے جب ہی طائر روح کے لئے ان دو پروں سے معفت کی ہوا میں پرواز کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

عام فہم انداز میں مختصراً یوں سمجھنا چاہئے سالکین کے لئے شریعت مطہرہ کے احکات پر بھی خلوص و محبت سے عمل کرنا ہے اور طریقت و حقیقت کے مسائل پر بھی عمل پیرا ہونا ضروری ہے اسی وقت معرفت کی ہوا میں سیر کر سکتے ہیں اور منازل راہ سلوک طے کر سکتے ہیں۔ تیسرے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ بڑی عجیب بات ہے ذاتِ عبد اور ذاتِ رب میں غیریت حقیقی ثابت ہونے کے باوجود رب کے وجود کی نسبت سے عبد و رب باہم یکدگر ہیں اس کو کس طرح سمجھنا چاہئے۔ ایک ذات حق کی جو قدیم ہے دوسری ذات خلق کی یا عبد کی جو عدم ہے۔ یہ ہر دو ایک دوسرے کے ضدین، انقلاب حقائق ہر دو کا محال ہے یعنی یہ دو ذات کبھی ایک آن کے لئے بھی ایک ہو نہیں سکتے عبد سدا عبد ہے اور رب سدا رب ہے۔ ازروئے وجود کے بغیر انقلاب حقائق کے دونوں کو ایک کہنا زندقہ ہے اور ازروئے وجود کے بغیر انقلاب حقائق کے دونوں کو ایک کہنا اور دیکھنا یہ صاحب کمال مرشد اکمل جامع الاضداد کے لئے روا ہے۔ حضرت نے دوسری جگہ یوں بھی

ارشاد فرمایا ہے۔

کمالا باوجود آں جدائی خدا بندہ بہم ہے گر تو سمجھے

چوتھے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں سچ پوچھئے تو علم یقین جو شریعت وطریقت کا ہے حاصل کرنے کے بعد خوب تحقیق کر کے حال صحیح پیدا کرنے کی کوشش بھی کرنا ضروری ہے۔اس کے بعد ہی راہ توحید پر بے سیر چلنا (بے ڈھال کے) آسان ہو جاتا ہے۔صوفیائے کرام کے نزدیک التوحید اسقاط الاضافات ہے یعنی تمام اضافتوں کو ساقط کرنے کو توحید کہتے ہیں۔پانچویں شعر میں فرماتے ہیں کہ اے عارف ھوالحق کی زیب وزینت کو پا کر اناالحق کی حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا۔اس کو اناالحق سے ضم کر کے لطف اندوز ہونے کی شان پیدا کر جو بڑی کروفر والی ہے۔اس کی حقیقت کی وضاحت حضرت نے دوسری جگہ ذیل کے اشعار میں فرمادیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اناالحق کشف اگر منکر کو ہوتا تو کرتا صدق سے اقرار اناالحق

ھوالحق نفس الامری غیریت جان حقیقی عینیت اے یار اناالحق

نہیں حاصل اناالحق بے ھوالحق ھوالحق جنت و دیدار اناالحق

چھٹویں شعر میں ارشاد فرماتے ہیں خیر الامور اوسطہا کے ارشاد نبوی کو خوب تحقیق سے جان لے تو مسئلہ جبر وقدر کو حل کر سکے گا۔کسی نے خوب کہا ہے۔

یا بے خودی کی چال چلے یا خودی کی چال

خیر الامور اوسطہا پر نہیں خیال

لہٰذا حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ امر اوسط کیا ہے اسکو خوب تحقیق کے ساتھ جاننا چاہئے تاکہ مسئلہ جبر وقدر حل ہو جائے۔علماء تحقیق اور صوفیائے کرام کے نزدیک بندہ نہ تو مجبور محض اور نہ مختار محض۔کیونکہ بندہ اقتضائے فعل میں مختار ہے اور اس کے ظہور فعل میں مجبور ہے۔اسی حقیقت کو حضرت کے خلیفہ سید میر حیات رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں ارشاد فرمایا ہے۔

نہ مجبور بندہ نہ مختار ہے میانہ پنایاں سزاوار ہے

لہٰذا جبریہ اور قدریہ والوں کے دونوں کے عقائد باطل ہیں۔اسکی تحقیق کے لئے علماء کرام اور صوفیان باصفا کے کتب کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

ساتویں شعر کا مطلب بالکل واضح اور عام فہم ہے، زیادہ وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں، فرماتے ہیں کہ جب حادث (نوپیدا) قدیم کے قریب ہو تو حادث کے فنا ہونے کا احساس ہو جاتا ہے۔ ذیل کے اشعار میں حضرت نے خوب اس حقیقت کا اظہار کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

اس کی میری ہے یہ ثنا مظہر ہوا مظہر انا　　　اللہ بقا بندہ فنا میں نیں ہوں حق موجود ہے

حق کی صفت ذاتی قدم میری حقیقت ہے عدم　　　لحظہ بہ لحظہ دم بدم میں نیں ہوں حق موجود ہے

آٹھویں شعر میں فرماتے ہیں کہ میٹھے پانی کے دریا میں تھوڑا سا نمک ڈال دیں تو وہ گُھل مل جاتا ہے۔ اس وقت اس کو نہ نمک بول سکتے ہیں اور نہ پانی ہاں اتنا بول سکتے ہیں کہ وہ پانی میں گھل گیا ہے۔ اس حقیقت کو حضرت سید خواجہ بندہ نواز گیسودراز قدس اللہ سرہ نے بھی چند دکنی اشعار میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

پانی میں نمک ڈال بزاں گھولنا اسے　　　جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کسے

گھولے ہیں یوں خودی کو خدائی میں مصطفیٰ　　　جب مٹ گئی خودی تو خدا بولنا کسے

نویں شعر بھی بہت عام فہم سے فرماتے ہیں کہ جھوٹ مت بول ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ ایمان کو جتن سے رکھ یہ بہت بڑا خزانہ ہے اس کو لوٹنے والے ڈاکو اور چور بھی ہیں ان سے بچائے رکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بہت مصیبت اٹھائے گا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک سچ یعنی حق بولنا ایمان ہے اور جھوٹ بولنا کفر ہے اللہ ہے بولنا حق ہے اور سچ ہے۔ یہی دین و ایمان ہے۔ اور میں ہوں یعنی میں بھی موجود ہوں میرا بھی وجود ہے سمجھنا اور بولنا یہ جھوٹ ہے اور کفر ہے کیونکہ بندہ اللہ کے وجود سے موجود نما ہوا ہے اس کا کوئی الگ وجود نہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہنا اور سمجھنا چاہئے کہ اللہ بھی ہے اور میں بھی ہوں۔ ہے کو ہے سمجھنا اور بولنا اور نیں کو نیں سمجھنا اور بولنا یہ حق ہے ہے کو نیں سمجھنا اور بولنا اور نیں کو ہے سمجھنا اور بولنا یہ جھوٹ اس حقیقت کو حضرت سید میر حیات رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرح سمجھایا ہے۔

نیں سو ہے اور ہے سو نیں ہوتا نہیں　　　نیں سو خود نیں ہے سو رب العالمین

البتہ شریعت میں ایک وجود سے دو موجود ہیں سمجھنے کی اجازت ہے ایک ذات حق اپنے وجود سے خود موجود ہے وہ اللہ ہے۔ بندے کی ذات جو معدوم ہے اللہ کے وجود سے موجود نما ہوئی ہے۔ یعنی اللہ اپنے ذاتی وجود سے کود بخود موجود ہے۔ اور بندے اللہ کے وجود سے موجود ہیں (یعنی موجود نما ہوئے ہیں)

دسویں شعر میں فرماتے ہیں کہ اے طالب خدا خدا تک رسائی خود بخود نہیں ہو سکتی یہ ناممکن ہے خدا تک پہنچنے کے

لئے اور خدا کو پانے شیخ کامل کے دامن سے وابستہ ہوکر اور انکی رہبری میں سلوک طے کرنا ضروری ہے جیسا کہ میرے لئے پیر کامل حضرت سید شاہ محمد حسینی المعروف بہ شہ میر اولیاء رہبر کامل کی ضرورت ہے خدا تک پہنچنے کے لئے دوسری جگہ حضرت نے بہت خوب مطلع کے شعر میں ارشاد فرمایا ہے۔

صاحب کمال مرشد شہ میر سا ملے تو دولت اسے کہے ہیں نعمت اسے کہے ہیں

لہٰذا فرماتے ہیں کہ اے طالب تو کبھی ایسا نہ سمجھنا کہ شیخ کامل کی رہبری کے بغیر خود بخود جدوجہد کر کے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔

دسویں شعر کو اچھی طرح ذہن نشیں کر لینا چاہئے کہ عارفین کاملین جو پیران طریقت ہر سلسلے میں موجود ہیں ان کے دامن سے وابستہ ہوکر یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت ہو کہ ان کی رہبری میں سلوک کو طے کرنا لازمی ہے۔

گیارھویں شعر میں جو مطلع کا شعر ہے حضرت فرماتے ہیں کہ دعویٰ عبد بھی عبث بیکار ہے اور دعوی رب بھی یعنی انا العبد کا دعوی اور انا الحق کا دعوی یہ دونوں دعوے بیکار ہیں۔ کارآمد ارشاد یہی ہے کہ نیست میں یعنی اپنے نیں پن میں ہست ہستی حق کا جلوہ مشاہدہ کرنا اور لطف اندوز ہونا یہی کافی ہے۔ اسی حقیقت کو دوسری جگہ حضرت نے ارشاد فرمایا ہے۔

اپنے نیں پن میں حق کا ہے پن دیکھ میں کیا فرض معرفت کو ادا

اللہ تعالیٰ ہم سب برادران طریقت کو اپنے فضل وکرم اور پیارے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وصدقے سے پیران طریقت کے فیضان سے اس قال کو حال بنادے آمین یارب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

فقط والسلام

خاک پائے اولیاء

الحاج خواجہ محمد بیابانی نورؔ قادری وچشتی غفرلہ

انت پور

صلوٰۃ وسلام کی اہمیت

مولانا مولوی سید محمد ابراہیم صاحب
قادری باقوی خطیب جامع مسجد
ین، آر، پورہ، کرناٹکا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے، ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یآیھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ سورہ احزاب (آیت ۵۶)۔

اس آیت شریفہ میں دو الفاظ کا استعمال ہوا ہے ایک صلّوا دوسرا سلّمو، لفظ صلو، الصلوٰۃ سے مشتق ہے تو سلمو، السلام سے مشتق ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے لغوی معنی ٹیڑھے بانس کو آگ سے سینکھ کر درست کرنے کے ہیں اور شرعی معنی نماز کے ہیں اگر لفظ صلوٰۃ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، تو اس کا معنی نزول رحمت کے ہونگے اگر فرشتوں کی طرف منسوب کیا جائے تو طلب مغفرت کے ہونگے اگر بندگان خدا کی طرف منسوب کیا جائے تو نزول رحمت کی دعا کرنے کے ہونگے اور السلام سلامتی طلب کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، صلوٰۃ وسلام کے لغوی و عرفی معنی نبی آخر الزماں ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں اظہار عقیدت پیش کرنا صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کے ہیں غرض ان دونوں الفاظ کا ساتھ چولی دامن کا سا ہے ایک دوسرے کی ملاپ کے ساتھ ہی انکے معنی مطالب پورے ہو سکتے ہیں بعض لوگوں نے محض نادانی کی بنیا پر صلوٰۃ کو سلام سے اور سلام کو صلوٰۃ سے علیحدہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اللہ ہدایت نصیب فرمائے اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

نماز کی اداؤں میں (احکام وارکان) تشہد کا پڑھنا واجبات میں سے ہے اور تشہد یعنی (التحیات) میں لفظ صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا بھی ذکر ہوا ہے ہر جگہ ان دونوں الفاظ کے ملاپ ہی سے مقصود حاصل ہوتا ہے انکو علحدہ کر دینے سے مراد کو پا نہیں سکتے۔۔۔ معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کے بغیر سلام اور سلام کے بغیر صلوٰۃ کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔

صلوٰۃ وسلام کی اہمیت پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اس تحریر کی چنداں ضرورت نہیں تھی '' تاہم لگا کے خون شہیدوں میں نام کیا'' کہ تحت یہ چند سطریں قارئین اللطیف کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہاہوں تاکہ صلوٰۃ والسلام پر لکھنے والوں کی فہرست میں شامل ہوجاؤں اللہ پاک اس تحریر کو اپنے حبیب پاک ﷺ کے توسل وتصدق سے شرف قبولیت بخشے اوراس ناچیز کی اخروی نجات کا ذریعہ بنائے دارین کی سعادت سے سرفراز کرے۔صلوٰۃ وسلام ایک عبادت ہے اس کی فضیلت واہمیت کے لئے یہی ایک بات کافی ہے خود ربِّ کائنات اس عبادت میں اپنے بندوں کے ساتھ شریک ہے۔ سارا قرآن اور دین کا سارا ذخیرہ کھنگال کر دیکھ لیں تو پتہ چل ہی جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی نماز۔۔۔۔۔۔ پڑھتا ہوں تم بھی نماز پڑھو میں بھی روزہ رکھتا ہوں تم بھی روزہ رکھو لیکن صلوٰۃ وسلام کے تعلق سے مذکورِ بالا آیت شریفہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ نبی آخرالزماں سید کائنات آفتاب رسالت مہتاب نبوت ﷺ پر میں بھی صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہوں اے مسلمانوں تم بھی صلوٰۃ وسلام بھیجو۔

اس مقام پر صلوٰۃ وسلام کے تعلق سے دوچار روایات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ ویسے فضائل صلوٰۃ وسلام کے بیان کے لئے مستقل دفتر درکار ہے یہاں تبرکاً دوچار روایات پیش کی جارہی ہیں۔

فرمایا رسول خدا ﷺ نے روز قیامت میں وہ شخص مجھ سے زیادہ قریب ہوگا جو (دنیا میں) کثرت سے درود پڑھتا ہوگا۔

فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو وہ مجھ پر پیش کیا جائیگا۔

فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے لوگوں میں سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔

فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس گناہ معاف کرتا ہے۔ اور دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو حشر کے دن اپنے عرش کے سایہ تلے جگہ عطا فرماتا ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے جو شخص صبح شام مجھ پر دس دس مرتبہ درود بھیجتا ہے روزِ قیامت اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگی۔

زادالسعید میں مرقوم ہے کہ قیامت میں کسی مومن کی نیکیاں اگر کم ہو جائیگی تو نبی اکرم ﷺ خودسر انگشت کے برابر ایک پرچی نکال لائیں گے اور میزان عمل میں رکھ دیں گے۔ جس سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائیگا۔ وہ مومن کہے گا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں۔ آپ فرمائیں گے۔ میں تیرا نبی ہوں اور یہ پرچی وہ درود ہے جو تو دنیا میں مجھ پر پڑھا کرتا تھا میں نے تیری حاجت کے وقت ادا کر دیا ہے۔

ہر مسلمان کو چاہیئے ہزاروں نہ سہی کم از کم صبح شام دس دس مرتبہ کسی بھی درود شریف کے پڑھنے کو معمول بنالیں کم از کم صلی اللہ علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا کریں۔

مذکورِ بالا روایات سے صلوٰۃ والسلام کی فضیلت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے اس عظیم عبادت کے لئے جن آداب کا ذکر شریعت مطہرہ میں وارد ہوا ہے۔ ان آداب کی بجا آوری کے ساتھ اس مہتم بالشان عبادت کو انجام دیں۔ ان آداب میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ صلوٰۃ والسلام کے موقعہ پر صاحبِ صلوٰۃ والسلام کو اپنے روبرو موجود تصور کریں اور تعظیم وتکریم کا حق ادا کریں جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تشہد کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ ''فاحضروہ'' اس لفظ کے ذریعہ واضح فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے روبرو موجود پاؤ۔ اللہ پاک ہر مسلمان کو نبی کریم ﷺ کا عاشق صادق بنائے اور آپ کی بارگاہ میں صلوٰۃ والسلام کا نذرانہ پیش کرنے کی توفیق خیر بخشے۔

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین o

وسلَّم تسلیماً کثیراً کثیرا

حالاتِ حضرت امام مسلم رحمت اللہ تعالیٰ

حافظ شبیر احمد

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن وحدیث کا ایک دوسرے کا ساتھ ہمیشہ رہا ہے بلکہ قرآن کی تفسیر کو کما حقہ سمجھنے کے لئے حدیث رسول ﷺ کی بہت ضرورت پڑتی ہے اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے حکم کے مطابق قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ قرآن کی تشریح وتفسیر حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہوئی ہے۔ ان ہی ارشاداتِ گرامی کا نام حدیث ہے۔ پہلی صدی ہجری میں سنتِ رسول کی جانب توجہ کی گئی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں احادیث کی تلاش وحفاظت اور اشاعت کا کام کیا۔ ابتداءً حدیث جمع کرنے والوں نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ معانی پر زیادہ توجہ رہتی تھی اور الفاظ پر اتنی نگاہ نہیں تھی۔ علم حدیث کے ماہروں نے اور عالموں نے اسکی روک تھام کی۔ بندش کے اصول اور قوانین بنائے۔

تیسری صدی ہجری میں حدیث کے علم کو کافی ترقی ہوئی اس صدی میں حدیث کے ایسے بڑے ذخیرے جمع ہوئے کہ جن کو کتاب اللہ کے بعد صحیح کتاب کا درجہ ملا، جن میں دو ذخیرے ایسے ہیں کہ جو اپنی ہمہ گیری اور وسعت میں اپنے اگلے، پچھلوں پر فوقیت لے گئے۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری ہے جسکو امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل رحمت اللہ علیہ نے تصنیف فرمایا ہے۔ دوسرا صحیح مسلم ہے کہ جس کو امام مسلم بن حجاج نے تصنیف فرمایا۔ امام مسلم کی کنیت ابوالحسن اور لقب عسا کرالدین ہے۔

قشیر کی نسبت بنی قشیر کی طرف ہے جو عرب کے قبیلوں میں سے ہے اور نیشاپور خراسان کے علاقہ میں ایک شہر ہے جو اپنے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہے امام مسلم نیشاپور میں قبیلہ بنی قشیر میں ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔

امام مسلم فنِ حدیث میں ان لوگوں میں سے ہیں جو اکابرین میں شمار کئے گئے ہیں۔ ابوزراعہ اور ابوحاتم ان کی امامت وجلالت کے معترف ہیں اور ان کو زمرہ محدثین کا امام اور پیشوا مانا ہے۔ ابوحاتم اور اس دور کے دوسرے بزرگ جیسے امام ترمذی اور امام ابوبکر ابن خذیمہ ان سے روایت رکھتے ہیں۔ امام مسلم کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں تحقیق اور امعان کامل طور سے کیا گیا ہے اور اس صحیح مسلم میں خاص طور سے فنِ حدیث کے عجائبات بیان کئے گئے ہیں اور ان میں بھی

اسانید اور متن کا حسنِ سیاق ہے اور روایت میں تو آپ کا ورعِ تام اور احتیاط ایسا ہے جس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے اور اختصار کے ساتھ طرقِ اسانید کی تلخیص اور ضبطِ انتشار میں وہ کتاب بے نظیر واقع ہوئی ہے اور اسی وجہ سے حافظ ابو علی نیشاپوری ان کی اس صحیح حدیث کو تمام کتابوں پر ترجیح دینے کے ساتھ یہ کہا کرتے تھے، ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم (یعنی) دنیا میں مسلم سے بڑھ کر اور کوئی کتاب صحیح نہیں ہے۔

جس طرح صحیح بخاری کو محدثین کے نزدیک بلند مقام حاصل تھا اسی طرح صحیح مسلم کو بھی یہ مقام حاصل ہے تمام کتب احادیث میں اصح الکتب کا مقام و مرتبہ حاصل شدہ تھا، اور وہ اپنے دعوؤں کی یہ دلیل بیان کریں گے جس کو وہ تابعی ثقہ نے دو صحابی سے روایت کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے راویوں کے اوصاف میں صرف عدالت پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ شہادت کے بھی تمام شرائط کو ملحوظ رکھا ہے اور امام بخاری کے یہاں اس قدر تنگی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم نے نہایت ورع اور احتیاط کے ساتھ ان تین لاکھ احادیث میں سے جو انکی مسموعہ تھیں، انتخاب کر کے اس کو صحت سے بیان کیا ہے۔

امام مسلم کی اس صحیح کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں، کتاب المسند الکبیر علی الرجال، کتاب سماء والکنیٰ، کتاب احلل، کتاب اوھام المحدثین اور کتاب طبقات۔

آپ کا انتقال ۲۴ رجب یکشنبہ کی شام کو ہوا اور ۲۵ رجب ۲۶۱ھ دوشنبہ کے دن دفن کئے گئے۔

امام مسلم کی وفات کا عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے ایک روز مجلسِ مذاکرۂ حدیث میں کسی شخص نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی تو آپ نے اس وقت اسکی شناخت اپنی کتابوں میں تلاش کرنے لگے اس وقت ان کے گھر والوں نے کھجور کا ٹوکرا ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایک کھجور اس میں کھاتے گئے۔ امام مسلم علیہ الرحمہ حدیث کی تلاش میں اس قدر منہمک رہے کہ حدیث کے ملنے کے وقت تمام کھجوروں کو تناول فرما گئے۔ اور آپ کو کچھ پتہ نہ چلا اور کھجوروں کا کثرت سے تناول کرنا آپ کی وفات کا سبب بن گیا۔

حافظ عبدالرحمٰن بن علی الربیع یمنی شافعی نے لکھا ہے یعنی میرے نزدیک بخاری اور مسلم کے بارے میں ایک قوم نے تنازع کیا اور یہ کہا ان دونوں میں سے کون مقدم ہے میں نے کہا بخاری صحت کے اعتبار فوقیت رکھتے ہیں اور مسلم ترتیب ابواب میں بڑھے ہوئے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اور امام المحدثین کے وسیلے سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے کامل طور پر استفادہ حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین، بجاہ سید المرسلین)

باقیات کا ایک درخشندہ ستارہ

مولوی حافظ قاری سید اشرف علی باقوی لطیفی
خطیب وامام جامع مسجد، بی کتہ، کوٹہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الحمدللہ ناچیز کو قیام باقیات کے دور میں اپنے خاص بزرگ اساتذۂ کرام کی خاص صحبتیں میسّر ہوئیں۔ خاص کر جبّار حضرت، چاند حضرت، فدوی حضرت رحمہم اللہ اور ظہیر حضرت، سلیم حضرت، ابراہیم حضرت، دامت برکاتہم وغیرہ بزرگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، سفر وحضر میں ساتھ رہنا نصیب ہوا۔ خاص کر ابراہیم حضرت قبلہ اپنے استاذ محترم یعنی جبّار حضرت قبلہ رحمہم اللہ کی موجودگی میں آپ کی ذات گرامی پر مضمون ''باقیات کا ایک ماہِ مبین'' لکھتے دیکھا تو مجھے خواہش ہوئی کہ میں بھی کسی استاذ کی شان میں کچھ لکھوں گو کہ میں اس قابل نہیں تھا، وقت گذرتا گیا اور یہ کام بھی التوا میں پڑا رہا۔

ابھی ماضی قریب میں 20 ڈسمبر بروز منگل صبح سویرے میرے استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر ابو محمد سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم سے ایک فون موصول ہوا حضرت والا نے مجھ ناچیز کو حکم دیا کہ میں میرے استاذ محترم ابراہیم حضرت قبلہ کی حیات وخدمات پر مشتمل اللطیف کے لئے ایک مضمون لکھوں میرے دل میں پوشیدہ خیال کے لئے حضرت والا کا حکم مہمیز کا کام دیا اور میں نے اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کیا مسودہ تیار ہوا میری خوش نصیبی سے حضرت والا (ابراہیم حضرت) ویلور جانے کے لئے میرے ہاں تشریف لائے پھر کیا تھا میں نے وہ مسودہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے اس کے نوک و پلک درست فرمائے اور اصلاح فرمائی اب یہ مضمون قارئین اللطیف کی خدمات میں پیش کررہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔۔۔

حضرت کا مختصر تعارف

نام نامی اسم گرامی: سید شاہ محمد ابراہیم قادری، ابوطاہر کنیت شہاب الدین خطاب تخلص حلمی فدائی، ریاست

کرناٹک کے ایک تعلقہ نرسمہاراجپور میں بتاریخ 19، رمضان ۱۳۷۶ھ مطابق 27 مارچ 1957ء آپ کی ولادت ہوئی ،آپ کے والد محترم عالیجناب سید حسین صاحب مرحوم ومغفور ہیں جنہوں نے کم وبیش 40 سال مزکورہ شہر کی جامع مسجد میں موذن کی حیثیت سے خدمت انجام دی آپ کا خاندان بہ سلسلۂ دعوت وارشاد، عرب، ایران، افغان وغیرہ سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچا۔

خصوصاً جنوب ہند کو اپنے اس کاز کا مرکز بنایا آپ کے اباواجداد کو سلطنتِ خداداد کی جانب سے بنّور کے علاقے میں جاگیر بھی دی گئی تھی۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے سرکاری مدرسے سے حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے شہر شیموگہ کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ مظہر العلوم میں داخل کئے گئے جہاں صرف ایک سال کا عرصہ مصروف حصول تعلیم رہے پھر آپ نے شہر ویلور تامل ناڈو کا رخ کیا۔ 1971ء میں جنوب ہند کی مشہور دینی درسگاہ ام المدارس جامعۃ الباقیات الصالحات میں داخل ہوئے ابتداء سے انتہاء مولوی عالم مولوی فاضل تک مکمل تعلیم اس عظیم درسگاہ سے حاصل کی جیسا کے آپ ایک رفیق دیرینہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب مرحوم ہمیشہ آپکا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کرتے یہ میرے فارسی سے فراغت تک کے ساتھی ہیں۔ 1982ء میں آپکو دارالعلوم باقیات الصالحات سے سندِ فراغت ودستارِ فضیلت عطا کی گئی اس دوران آپ نے مدراس یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور (افضل العلماء) کے امتحانات میں امتیازی کامیابی حاصل کی یہ آپکی خوش نصیبی تھی کہ آپ کو آپ کے استاذ محترم جبار حضرت قبلہ کے ترقی یافتہ زمانۂ نظامت میں نہ صرف فراغت بلکہ مادرِ علمی باقیات الصالحات ہی میں تدریسی خدمات کا شرف عطا ہوا اور آپ نے چہل سبق سے جلالین تک پورے دس سال کا عرصہ باقیات الصالحات میں تدریسی خدمات انجام دی۔ پھر اپنے وطن عزیز میں دینی وملی خدمت انجام دینے کے ارادے سے اپنے مادرِ علمی سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن کی راہ لی جہاں مدرسۂ انوار باقیہ کی طرح ڈالی پھر ماحول کی ناسازگاری پر ترک وطن فرمائے پھر آپ نے شہر بنگلور دارالسرور میں قیام فرمایا اور دس سال کا عرصہ امامت و خطابت درس وتدریس وعظ وتذکیر میں مصروف رہے پھر آپ نے ناسازی طبیعت کی بنیاد پر عازمِ وطن ہوئے الحمدللہ وطن عزیز ہی میں قیام فرما ہیں۔ امامت وخطابت وعظ وتذکیر کے ذریعہ دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

خدمات: آپکی طبیعت میں بچپن ہی سے دینی ملی خدمات کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور یہ حقیقت ہے طالب علمی کا دور ہو یا درس وتدریسی کا زمانہ جنوب ہند کے تقریباً علاقوں میں آپ کے واعظ وتقاریر کے جلسوں مجلسوں کو

عوام وخواص بُھلا نہیں سکتے میلا دالنبی ﷺ کا مہینہ آجا تا تو بارہ بارہ دن کی مجلسوں سے کبھی وانمباڑی تو کبھی آمبور اور رانی پیٹ کبھی کارویٹ نگر اور مدراس تروپتی وغیرہ میں اکثر خطابات ہوتے جہاں آپ علمی طبقہ میں مشہور ہیں وہیں عوام الناس میں مقبول ہیں شب معراج ہو یا شب برأت جو عظیم راتیں ہیں مسلمان شب بیداری عبادتوں توبہ استغفار میں مشغول رہتے ہیں ایک ہی شب میں تین تین چار چار مقامات پر آپ کے خطابات ہوتے رہے عمر دراز بزرگ ہو یا نوجوان سبھی لوگ آپ کے وعظ تقریر کو پسند کرتے اور خوب استفادہ کرتے رہے آخر جب آپ سبکدوش ہو کر باقیات صالحات ویلور کو خیر باد کہے تو عوام وخواص یہاں تک کہ ذمہ داران جامعہ باقیات الصالحات افسوس سے کہہ رہے تھے کہ ''اچھے مقرر سے ہم محروم ہو رہے ہیں'' شہر ویلور کی مشہور مسجد مسجد گنبد میں آپ نے آٹھ سال کا عرصہ امامت وخطابت فرمائی آپ ہی کے دور میں مسجد نے خوب ترقی کی ٹیپو سلطان کامپلکس اور دیگر تجارتی مراکز جو اس مسجد سے جڑے ہوئے ہیں آپ ہی کے ذہن کی پیداوار ہیں اسی طرح شہر بنگلور کے جے نگر علاقہ میں مینار مسجد کی تعمیر نو بھی آپ ہی کے دور کی عظیم یادگار ہے الحمد للہ مینار مسجد میں بھی آپ نے 8 آٹھ دس برس امامت وخطابت کے خدمات انجام دئے ہیں۔ علاوہ ازیں شہر بنگلور کی مشہور غیر سرکاری ملی مدارس الامین یے آر یس ہسکوٹہ، ہلال اسکول، مدر لینڈ اسکول، سینٹ میری اور بی ای ٹی، (بسم اللہ ایجوکیشنل ٹرسٹ) وغیرہ میں عربی اور دینیات کے مدرس کی حیثیت سے شاندار خدمت انجام دیتے رہے احقر بھی ان دنوں مسجد قباء یارب نگر بنشنکری بنگلور ہی میں امامت وخطابت کی ذمہ داری پر تھا حضرت والا سے کبھی ملاقات کے لئے پہنچتا تو ہمیشہ قومی ملی خدمات میں مصروف پایا یہ حقیقت ہے صبح کی نماز کے ساتھ ہی منورہ مسجد بسم اللہ نگر میں تفسیر قرآن پاک سے خدمات کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور کراسی مسجد میں چلنے والا عربی مدرسہ کی نظامت ونگرانی دن بھر اسکول میں تدریسی خدمات وغیرہ سے شب کے 11 بجے کے بعد ہی آپ کو فرصت ملتی تھی زیادہ مشغولیت اور آرام کم شاید اسی وجہ سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑا صحت علیل ہو گئے آرام کے خاطر وطن عزیز پہنچے الحمد للہ دھیرے دھیرے صحت یاب ہوئے وطن والوں کے لئے آپکی واپسی اور صحت یابی غیر مترقبہ نعمت سے کچھ کم نہ تھی۔ لہٰذا جوں ہی کچھ صحت یاب ہوئے پھر سے وطن کی جامع مسجد کی امامت وخطابت قضاوت نظامت کی ذمہ داریوں کے ذریعہ آپ کو حب الوطن میں روک لیا گیا کمزوری کے باوجود الحمد للہ اب بھی خدمات کا سلسلہ جاری ہے تا دیر جاری رہے آمین شہر ویلور کی خدمات ہو یا بنگلور یا پھر وطن عزیز کی خدمات شاندار ہی نہیں بلکہ یادگار بھی رہینگی۔

تصنیفات: آپ نے چند کتابیں تصنیف فرمائے ہیں۔

(۱)ائمۂ مجتہدین (۲)خطبات باقیہ (۳)شب برأت، عامل وفضائل (۴)احکامِ جنازہ

(۵) تحفۃ الاطفال وغیر شائع ہوکر داد تحسین پا چکے ہیں۔ اور چند کتابیں زیر ترتیب واشاعت ہیں آپکی تصنیفات میں خطبات باقیہ کی ترتیب واشاعت عظیم الشان کارنامہ ہے۔ 1992ء سے تاحال اس کتاب کے کم وبیش پندرہ15 سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ملک بھر میں علماء عوام کے ہر طبقہ میں یہ کتاب بہت مشہور ہے کشمیر تا کنیا کماری بلکہ بیرونی ممالک میں بھی پسند کیا گیا بہت سارے خواص جنہیں مستقل خطابت کی ذمہ داری ہوتی ہے از ہر ہو بہو حفظ کرلیا ہے اوراچھے مقرر ثابت ہوئے ہیں خطبات باقیہ پر نام ور علماء کرام کے تاثرات کے چند تراشے بطور نمونہ پیش کرنا ہوں۔ استاذ الاساتذہ امیر الملت شیخ التفسیر حضرت مولانا الحاج ابوسعید سید شاہ عبدالجبار صاحب قبلہ قادری باقوی قدس اللہ سرہٗ خلیفۂ اعلیٰحضرت سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ مکان حضرت قطب ویلور کی رائے گرامی الحمدللہ عزیزی گرامی مولوی سید ابراہیم صاحب باقوی مدرس مدرسۂ باقیات صالحات نے جمعہ کے ترپن خطبات ''خطبات باقیہ'' کے نام سے تالیف کیا ہے۔ عزیزی موصوف اچھے خاصے خطیب اور واعظ بھی ہیں۔ لکھتے بھی خوب ہیں خطبات مختلف دینی موضوعات پر مشتمل ہیں جن کا اس دور الحاد وزندقہ میں سننا سنانا اوران پر عمل کرنا یہی ضروری ہے ہر خطبہ قرآن پاک کی کسی نہ کسی آیت شریفہ پر مشتمل ہے بلکہ اسی کی تفسیر ہے آیات شریفہ کی مناسبت میں احادیث شریف کا برمحل استعمال سونے پر سہاگہ ہے نیز افہام وتفہیم کے لئے دل ودماغ کو اپیل کرنے والی مثالوں اور انبیاء کے واقعات اولیاء اللہ کے قصص وکرامات سے بھی کام لیا گیا ہے جو بات کو سمجھانے اور سمجھنے میں قوی مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ آگے خطبات باقیہ کے متعلق رقمطراز ہیں ہماری ناقص رائے تو یہ ہے کہ ان خطبات کا ہر منبر پر سنانا ہر دینی لائبریری کی زینت بنانا بلکہ ہر گھر میں اس کے ایک نسخہ کا موجود ہونا عظیم الشان فائدہ پر مشتمل ہوگا۔

حضرت مولانا الحاج محمد جعفر حسین قبلہ فیضی صدیقی باقوی قدس اللہ سرہ بنیسۂ اعلیٰ حضرت بانی الباقیات شمس العلماء شاہ عبدالوہاب قادری قدس اللہ سرہٗ المعروف بہ چاند حضرت کی رائے گرامی 'خطبات باقیہ' ویسے خطبات کے نام سے بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر خطبات باقیہ کا رنگ اور ہی ہے۔ تاہم اتنا کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ خطبات مختصر اور جاندار ہیں یہ یقیناً خطیب اور مقررین حضرات کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ اور عوام الناس کے لئے قابل مطالعہ ثابت ہوں گے کیوں کہ مولوی موصوف نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے خطبہ طویل نہ ہو ہر خطبہ اپنی جگہ مکمل ہے ایسے کہ اس کے اختتام پر تشنگی اور کمی کا احساس نہیں ہوتا بہر حال یہ خطبات جو تمام محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوے ہیں۔ ہر مسلمان

کے لئے جس کا قلب دینی جذبات سے معرّیٰ ہو قابل استفادہ ہیں۔

حضرت مولانا مولوی حافظ قاری عبدالحفیظ صاحب جنیدی قدس اللہ سرہ کی رائے گرامی خاکسار کو مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قادری باقوی مدفیضہ، استاذ مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور کی تصنیف وتالیف ''خطبات باقیہ'' کا اگرچہ مکمل طور پر مطالعہ کا موقعہ نہ مل سکا تاہم اکثر مضامین نظر سے گذرے ماشاءاللہ مولانا نے قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم زبان میں نہایت عمدہ مضامین کا مجموعہ زیور علم سے آراستہ کرکے پیش کیا ہے۔ ناظرین کتاب خود ہی محسوس کریں گے کہ ایک گراں قدر علمی تحفہ ان کے ہاتھ لگا ہے خدائے عزّ وجل ہر مسلمان کو اس سے مستفیض ومستفید ہونے کا موقعہ دے۔ آمین۔

حضرت مولانا حافظ وقاری ریاض الرحمٰن صاحب رشادی قدس اللہ سرہ المتوفی مکۃ المکرّمہ کی رائے گرامی۔

جناب مولانا سید محمد ابراہیم صاحب مدرس باقیات صالحات ویلور کی ترتیب دادہ ''خطبات باقیہ'' چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقعہ ملا، بحمدللہ بہت عمدہ پایا زبان و بیان عام فہم اور سادہ ترتیب مضامین مطابق ضرورت ہیں۔ عصر حاضر میں مضامین کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرنے کی بہت ضرورت ہے جس کی طرف شاذونادر ہی ائمہ وخطباء توجہ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا جو حصہ بھی جہاں بھی رہتا ہے آپس کے اختلافات کا شکار ہے اور اختلافات کی یہ خلیج خطبات جمعہ کے ذریعہ دور ہونے کی بجائے اور بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اس کا تیر بہدف علاج یہی ہے کہ مختلفیہ مضامین کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اور ضروری مسائل وفضائل کو عام فہم زبان میں بتایا اور سمجھایا جائے۔ ماشاءاللہ یہ ساری خوبیاں مولانا کی تصنیف خطبات باقیہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان خطبات کو اگر پڑھا اور سنا جائے۔ عوام اگر ذاتی طور پر بھی اس کا مطالعہ رکھیں تو یقیناً بہت فائدہ ہوگا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس اہم اور مؤقر خدمت کو امت کے لئے بے حد نافع بنائے اور مرتب محترم کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے آمین۔

حضرت مولانا مولوی ڈاکٹر سید قدرت اللہ صاحب باقوی میسوری دامت برکاتہم کی رائے گرامی، عزیزی مولانا مولوی سید محمد ابراہیم صاحب باقوی حلمی فدائی بارک اللہ فی عمرہ کے مجموعہ ''خطبات باقیہ'' پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کی سعادت نصیب ہوئی تو زبان سے اللھم بارک فیہ الفاظ نکل پڑے۔ عنوانات کا تناسب آیات و احادیث اور واقعات کی روشنی تقاضائے وقت پر توجہ اس پر مزید عوام اور اہل علم کو ملحوظ رکھ کر نصیحت وصاف گوئی میں بے باکانہ دلکشی واقعی قابل ستائش ہے۔ یہ ایک چشمۂ ہدایت ہے تشنگانِ رشد وہدایت کے لئے نوید مسرت ہے خدا کرے یہ

کارنامہ مدت مدید تک نفع بخش ثابت ہو اس پر خلوص عالم دین کے یہ شہ پارے قوم وملت کے لئے بیداری کا نفیر بنے۔ آمین۔

حضرت مولانا مولوی حافظ ظہیر احمد صاحب باقوی راہی فدائی مدظلہ کی رائے گرامی ،عزیز القدر مولوی سید محمد ابراہیم باقوی حلمی فدائی زید اقبالہ مدرس مدرسہ باقیات صالحات ویلور نے اپنے ولولہ انگیز خطبات جمعہ کو جو عوام کے حالات ونفسیات کے مطابق تھے انہیں زوداثر اور پرکشش حکایات وتمثیلات سے مزّین کر کے سادہ الفاظ عام فہم انداز میں وسیع فائدہ کے مدنظر جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے جزاہ اللہ خیر۔ موصوف کا یہ کارنامہ نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص کے لئے بھی مفید وکارآمد ثابت ہوگا علاوہ ازیں تقریر کی مشق کرنے والے طلبۃ العلوم کے لئے بھی مؤلف کے یہ خطبات راہ نما ثابت ہوسکیں گے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مؤلف کی اس سعی بلیغ کے انوار دور تک پھیلیں۔ آمین۔

نیز ہندوستان کے مشہور شاعر و ادیب عاشقِ رسول نعت گو شاعر و مصنف تصانیف کثیرہ نے اپنی گراں قدر تصنیف ’’تامل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء‘‘ میں آپ کا تذکرہ یوں فرمایا ہے۔

> ’’آپ فرزند سید حسین چکمنگلوری ہیں، آپ کرناٹک میں 27 مارچ 1957ء مطابق ۱۳۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خود اپنے وطن کے مدارس سے حاصل کی اور فارسی، عربی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے باقیات صالحات عربی کالج ویلور کی طرف رجوع ہوئے اور سند یافتہ ہوئے۔ اسے مولانا کی خوش قسمتی سمجھئے کہ باقیات ہی میں تدریسی خدمات پر معمور ہوئے اور ۱۴۱۱ھ مطابق 1990ء میں اسی مدرسے سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن گئے اور وہیں بحیثیت امام وخطیب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔
>
> حضرت مولانا مولوی سید عبدالجبار صاحب کی صحبتوں میں آپ کی نثری صلاحیتیں اوج پر پہنچی، آپ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے شعر شاعری بھی کر لیتے ہیں۔ نثر میں آپ کے خطبات کا مجموعہ ’’خطبات باقیہ‘‘

۱۴۱۱ھ مطابق 1990ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ موصوف کے یہ تمام تر
خطبات حضرت مولانا سید عبدالجبار صاحب کی عطا کردہ محبتوں کی مرہون
منت ہیں۔

خطبات باقیہ کی تصنیف و اشاعت آپ کی حیات کا عظیم اور تابندہ کارنامہ ہے آپ کے کارناموں کا اس مختصر **مضمون میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسکے لئے تو مستقل ایک دفتر درکار ہے** آپ بحیثیت شاعر و ادیب، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ پاک نے ہر میدان میں اعلیٰ صلاحیت سے آپکو نوازا آپ نے استاذ سخن حضرت علامہ فدوی باقوی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی پائی اور آپ سے خوب استفادہ کیا۔ آپ کے کئی ایک ادبی مضامین حمد و نعت اور غزلیں ملک کے مقتدر رسائل میں شائع ہوتے رہے نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

کہیں ہر بات پر ہم آپ کی آمنّا صدقنا ‏ ‏ ‏ ملے صدیق اکبر کی صداقت یارسول اللہ

غزل میں نعت کا رنگ ملاحظہ ہو۔

ضلالتوں میں بھٹک نے والے ضیائے بدر منیر لے جا ‏ ‏ ‏ جل کے نامِ وفا کیا روشن میری ہستی پتنگ ہے لوگوں

بیعت و ارادت: بچپن ہی سے آپ کا مزاج صوفیانہ رہا۔ لہٰذا جب حضرت علامہ شیخ التفسیر سید شاہ عبدالجبار صاحب قبلہ قدس سرہ کو اعلیٰ حضرت سجادہ نشین حضرت قطب ویلورؒ کی جانب سے خلافت عطا ہوئی تو آپ نے حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر بیعت کی درخواست کی تو حضرت والا نے فرمایا ابھی طالب علم ہو فراغت کے بعد دیکھا جائیگا۔ بالآخر مورخہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۰ھ مطابق 30 جون 1980ء جس دن آپ نے مولوی عالم کی سند فراغت پائی۔ اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے حضرت والا کے دست مبارک پر بیعت کر کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے پھر حضرت والا نے شہر کڈپہ میں بتاریخ ۱۰ شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق 20 نومبر 1998ء کو ایک عظیم اجلاس منعقد کر کے آپکو اور دیگر علماء کرام کو خلافت عطا فرمائی اور آپکو خرقہ پہنایا۔ حضرت والا کے پردہ فرمانے کے بعد پھر آپ حضرت مکان کی طرف متوجہ ہوئے تو بفضل رب جلیل حضرت مکان کے موجودہ سجادہ نشین اعلیٰ حضرت سید شاہ ابو محمد عثمان پاشاہ صاحب قادری دامت برکاتہم نے آپکو بتاریخ ۱۱ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق 14 اگست 2008ء کو پھر ایک بار خلافت سے نوازا اور سند مصافحہ بھی

عطا فرمائی۔ذالك فضل الله یوته من یشاء۔

بیت اللہ کا سفر: مدت سے آپ کے دل میں بیت اللہ اور دربار رسالت میں حاضری کی خواہش جگہ پائی ہوئی تھی جیسا کہ اب سے 35 سال پہلے آپ نے اس کا اظہار اس شعر میں فرمایا تھا۔

کرے قسمت پر رشکِ قسمت یارسول اللہ میسّر ہو مدینے کی زیارت یا رسول اللہ

الحمدللہ آپ کی یہ آرزو بھی پوری ہوئی بتاریخ ۹ رمضان ۱۴۳۲ھ مطابق 8 اگست 2011ء کو آپ مع اہل خانہ عازم بیت اللہ ہوئے 13 دن مکہ المکرّمہ میں قیام رہا عمرہ بجالائے پھر عازم مدینہ طیبہ ہوئے 20 دن مقیم رہے خوب جی بھر کے زیارت کی۔بصحت وسلامتی واپس لوٹے۔خدائے پاک آپ کو بصحت وتندرستی سلامت رکھے اور ہر ایک کو آپ کے فیض سے مستفیض فرمائے۔آمین۔

گاجر کے طبی فوائد

ڈاکٹر محمد نعمان باشاہ قریشی ویلوربی یو یم یس، ادیب فاضل یم۔اے۔.〈اردو〉
مدراس یونیورسٹی، چینئی

خالق کائنات نے انسان کی زندگی اور اسکی صحت کی بقا اور اسے لاحق ہونے والی بیماریوں کے ازالہ کے لئے غذاؤں، پھلوں ترکاریوں میں حیرت انگیز شفاء رکھی ہے۔اس نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا ہے جسکے لئے شفاء نہ ہو۔اللہ نے دوا اور بیماری دونوں بھی پیدا کی ہے۔اب انسانی کی یہ ذمہ داری ہے کہ امراض کی تحقیق کرے اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب اور وجوہات تلاش کرے اور اسکے لئے جڑی بوٹیوں کے ذریعہ دوائیں تیار کرے۔خدا نے ان جڑی بوٹیوں میں بڑی صلاحیت رکھی ہے جو مرض کو زائل کرتی ہیں اور صحت کو لوٹا دیتی ہیں اس وقت ہمارے پیش نظر گاجر اور اسکے فوائد ہیں اور یہ قدرت کا بیش قیمت تحفہ ہے اسکا تعلق غذا سے بھی ہے اور قوت بخش پھل سے بھی ہے۔

مخروطی شکل کی ایک مشہور جڑ ہے جو کثرت سے کھائی جاتی ہے اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے انگریزی میں Carrot اور لاطینی نام Daucus Carota عربی زبان میں جزر کہتے ہیں ۔اس کا مزاج دوسرے درجے میں گرم وتر ہے۔

ایک بستانی روئیدگی کی جڑ ہے جس کے پتے سونف یا شاہترہ کے پتوں جیسے ہوتے ہیں اس میں دھنیے اور سوئے کی طرح چھتر میں پھول لگتے ہیں جن کا رنگ سفید ہوتا ہے ان سے خوشبو آتی ہے غلاف میں زیرے کے دانے کی طرح بیج بھرے رہتے ہیں اس کی جڑ ایک انگل سے ڈیڑھ فٹ تک لمبی ہوتی ہے۔گاجر کی بہتر قسم وہ ہے جو سرخ وشیریں وشاداب وکم ریشہ ہو اس کا رنگ نارنگی، گلابی، سرخ اور گہرا بھورا اور سیاہ تک ہوتا ہے۔

گاجر مفرح اور مقوی اعضائے رئیسہ ہے۔پھیپھڑوں پر منفث بلغم اور گردوں پر مدر بول تاثیر کرتی ہے۔باہ کو تقویت بخشتی ہے۔منی کو گاڑھا کرتی ہے۔جگر Liver کا سدہ کھولتی ہے۔معدہ وقلب کو تقویت دیتی ہے، ملین امعاء ہے۔

استسقاءAscites میں مفید ہے، بدن کوفربہ کرتی ہے، شدت پیاس کودور کرتی ہےاسی کا پانی اختلاج قلب میں بہت مفید ہے، گاجرکوکھانا خفقان Palpitation میں اور بھی نفع کرتا ہے۔

عمررسیدہ لوگوں کوبھی فائدہ کرتی ہے بکرے کے گوشت کے ساتھ کھانے سے اچھی خلط بناتی ہے۔

جگرمعدہ اورطحال Spleen کا سُدّہ (اصطلاح طب میں وہ غلیظ ولیسدار چیز جوجسم میں کسی جگہ جمع ہوکرراستہ روک دے گرہ جو انتڑیوں یارگوں وغیرہ میں موادغلیظہ سے پڑ جائے اور فضلات ورطوبات بدن کو گذرنے سے روکے)

گاجرکوبغیر پکائے کے کچی استعمال کرنے سے آنکھوں کی بینائی میں اضافہ ہوتا ہے۔اور صدیوں سے آنکھوں کے امراض کے ازالہ میں مفید ثابت ہوتی رہی ہے۔اسکے علاوہ گاجر کی حیاتین سی (Vitamin C)بھی نظر بینائی کے لئے بے حد مفید ہوتی ہے، اسکے دیگر غذائی اجزاء بھی آنکھ کوصحت منداور آنکھوں کی بینائی کومحفوظ رکھتے ہیں اورتقویت دیتے ہیں۔

بواسیر Piles میں مفید ہے، کچی گاجر پیٹ کے کیڑوں کو مارتی ہے، گاجرکھانے سے بڑھی ہوئے تلّی کم ہوتی ہے۔

گاجرکے بیج سونف سے مشابہت رکھتے ہیں اسکی بیج تیسرے درجہ میں گرم اور پہلے درجہ میں خشک ہیں اسکی بیج قوت باہ کو بڑھاتے ہیں۔

مدربول ہیں ، حیض کو جاری کرتے ہیں کبھی کبھی ان کے استعمال سے اسقاط Abortion ہوجاتا ہے۔

رحم کےفضول موادکوخارج کرتے ہیں۔

استسقاء میں مفید ہیں اور پیٹ پھولنے پراسکا استعمال مفید ہے جس سے پیٹ اصلی حالت پرلوٹ آتا ہے۔

گردےاورمثانے کی پتھری توڑتے ہیں۔

ایک حصہ گاجرکے بیج ایک حصہ شلغم کے بیج دونوں کومولی کھوکھلی کرکے اس میں بھردیں اورمنہ اس کابند کرکے بھوبھل میں پکالیں پھرنکال کرکھائیں تواس سے گردے اورمثانے کی پتھری نکل جاتی ہے رکا ہواپیشاب

جاری ہو جاتا ہے، پیروں اور پپوٹوں کا تیج دور کرتے ہیں زخموں کو صاف کرتے ہیں۔

بچے کی ولادت کے وقت شدید تکلیف ہوتو ان کا جوشاندہ پلانے سے فائدہ ہوتا ہے ریاحی درد کو مٹاتے ہیں استسقاء زقی میں مفید ہے۔

جدید تحقیقات کے مطابق گاجر میں شکر، نشاستہ، فولاد، کیلشیم، فاسفورس کے علاوہ حیاتین الف، ب، اور ج جیسے قیمتی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے گاجر جسمانی طاقت اور تغذیہ کے لئے بے حد مفید ہے چونکہ حیاتین الف بھی ہوتا ہے اس لئے دماغ اعصاب اور ہڈیوں کے علاوہ آنکھ کو تقویت پہنچانے میں نہایت مؤثر ہے فولاد کی موجودگی سے خون کی پیدائش میں مدد ہوتی ہے۔ اس سے سوء القنیہ (Anemia) کے مریضوں کو استعمال فائدہ مند ہے۔

گاجر کا شمار بہترین طاقت بخش غذائی اشیاء میں ہوتا ہے خاص طور پر اس میں موجود زرد رنگ یعنی بیٹا کروٹین Betacrotene اس کا بہت اہم جز ہے یہی جسم میں جاکر حیاتین الف Vitamin A میں تبدیل ہوتا ہے اور یہ حیاتین جسم کی قوت مدافعت کو مضبوط رکھتی ہے۔

امریکن ڈائٹک اسوسی ایشن کے ڈاکٹر وانس کے مطابق ہمیشہ روزانہ 12500 یونٹ بیٹا کروٹین کھانی چاہئے، بیٹا کروٹین کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ یہ ایک نہایت موثر مانع سرطان ہے۔

جانز ہاپکنز یونیورسٹی کی شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق پھیپھڑوں کے سرطان کے مریضوں میں اس مقدار نمایاں طور پر کم پائی گئی۔ اب یہ کھوج کی جارہی ہے کہ کیا اس کی کمی دوسری قسم کے سرطان Cancer کا بھی سبب ہوتی ہے.

اور کیا اس کا استعمال ان کے تدارک کی موثر تدبیر ثابت ہوسکتی ہے؟ اب تک ملنے والی رپورٹوں سے یہی ظاہر ہوا ہے کہ بیٹا کروٹین ہر قسم کے سرطان کو روکتی ہے گویا گاجر سرطان کی ایک موثر ڈھال ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اطباء اور حکماء کو غذاؤں، غلّوں، اناجوں، پھلوں، میوؤں اور سبزیوں میں پوشیدہ طبی فوائد کی تحقیق کی طرف مائل کردے اور ان کے ذریعہ طب وحکمت کے ایک نئے دور کا آغاز کردے۔

وآخر دعونی ان الحمدللہ رب العالمین

بیٹی، اللہ کی رحمت

ٹی، شیخ محبوب صاحب حیدرآباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کئی نعمتیں عطافرمائیں ہیں۔ان میں سے ایک اہم نعمت اولاد ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک کے سورۃ الشوریٰ آیت 49,50 میں ارشادفرماتا ہے۔

لـلّٰہ ملك السموٰة والارضِ یخلق مایشاء یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور ، اویزوجھم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما انه علیم قدیرo

ترجمہ : اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطافرمائے اور جیسے چاہے بیٹے دے، یادونوں ملادے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کردے، بے شک وہ علم وقدرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نعمت کو جس طرح چاہے تقسیم کرے جسے جو چاہے دے۔انبیاء علیہم السلام میں بھی یہ صورتیں صرف بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف بیٹے تھے۔کوئی بیٹی نہیں ہوئی، اور سید الانبیاء حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطافرمائے۔

آج کے دور میں دیکھا یہ جاتا ہیں کہ بعض مرد لڑکی پیدا ہوجانے سے چڑتے ہیں۔اور اپنی بیوی سے ناراض ہوجاتے ہے، اور دھمکیاں دیتے ہیں کہ اب کے بعد لڑکی ہوئی تو طلاق دےدو یا جان سے ماردونگا، یہ نادانی، ظلم اور جہالت ہے، ارشادِ ربّانی ہے۔

"جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ (غم سے) کالا رہتا ہے۔اور وہ غصہ کھاتا ہے، لوگوں سے (شرم کے مارے) چھپتا پھرتا ہے۔ (سورۃ النمل۔آیت 58,59)

ایسے مردوں کو سوچنا چاہئے کہ قصور نہ انکی بیوی کا ہے اور نہ کسی کا، ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔اولاد اللہ کی طرف سے ہے۔اللہ خالق کائنات ہے، اسے معلوم ہے کہ بندوں کے لئے کسی چیز کی ضرورت ہے۔اس بات کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔

"کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔اور اللہ جانتا اور تم نہیں جانتے۔" (سورۃ البقرہ۔آیت 216)

دور جاہلیت کے عرب معاشرہ کا ایک واقعہ جو حدیث کی کتابوں میں درج ہے ملاحظہ فرمائیں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنا ایک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ کے سامنے یوں عرض کرتے ہیں۔

"پھول سی میری بچی خوبصورت اور بہت پیاری تھی، اسکے معصوم چہرے کی مسکراہٹ بڑی دل آویز تھی۔کچھ مانگتا دوڑ کر لادیتی مگر مجھے اسے دیکھ کر کون کھول اٹھتا، بیٹی کی پیدائش سے سر نیچے جھکا رہتا تھا۔میں اسے دور کرنے کی ترکیب سوچتا، ایک دن بیوی کی مخالفت کے باوجود بچی کو گھر سے لیکر نکلا۔گڑھا کھودنے کے لئے کدال میرے پاس تھا، معصوم بچی نے کئی بار توتلی زبان سے پوچھا کہ پاپا کہاں لیکر

جار ہے ہو،اسے جھڑک کر کھلے میدان میں پہنچ کر گڑھا کھودنے لگا۔میری بیٹی بار بار معلوم کرتی کہ پاپا آپ کیا کر رہے ہیں۔میرے کپڑوں پر مٹی گرتی تو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے جھاڑنے لگتی،چہرے پر پسینہ آرہا تھا تو اپنے دامن سے اسکو پونچھ دیتی،اسکے باوجود دل میں رحم ومحبت کی کوئی لہر نہیں اٹھی،اور میں اپنے کام میں لگا رہا۔گڑھا کھودنے کے بعد میں نے اسے پکڑا اور گڑھے میں ڈھکیل کر مٹی ڈالنے لگا،بچی بے بسی سے پکارتی رہی،مگر میں اسکی چیخوں سے بھی نہیں پگھلا اور اسکو زندہ دفن کرنے کے بعد ہی سانس لی،یہاں تک کہ اسکی آواز مٹی کے نیچے دب گئی،آج مجھے اپنے گناہِ عظیم کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاروقطار رو رہے تھے۔ ادھر رحمت عالم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضور ﷺ کی اس دنیا میں جلوہ گری نے پوری دنیا کا نقشہ بدل دیا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 31 میں ارشاد فرماتا ہے۔

''اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے ہم انہیں بھی رزق دینگے اور تمہیں بھی۔''

خود تاجدار مدینہ ﷺ کا فرمان ہے''جس شخص نے دو لڑکیوں کی انکے بالغ ہونے تک کفالت کی،بروزِ قیامت مجھ سے اتنا قریب ہوگا یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں ملائیں۔ (بخاری ومسلم)

ایک اور مقام پر رحمت عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کی مصیبت اور سختی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ان لڑکیوں پر اپنی رحمت کے صدقے میں جنت میں داخل کرے گا۔ایک شخص نے عرض کیا،یارسول اللہ اگر دو ہوں،فرمایا دو کا حکم بھی یہی ہے،ایک اور شخص نے عرض کیا اگر ایک ہو،فرمایا ایک کا بھی یہی حکم ہے۔''(حاکم)

قرآن وحدیث کے ان دلائل کی روشنی میں آج کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ہمارے سروں کو شرم کے ساتھ جھکانا پڑے گا۔ لڑکیوں کی پیدائش کا تناسب لگاتار گھٹتا جارہا ہے۔پرائیویٹ ہسپتال بچیوں کے قبرستان بن گئے ہیں۔ مالدار لوگ جدید ٹیکنولوجی کے سہارے مادرِ رحم میں ہی جنس کی شناخت کر کے رحم کو گرادیا جارہا ہے۔غریب گھرانے والوں کے یہاں بچی پیدا ہو بھی گئی تو اسکا گلا گھونٹ کر ماردیا جارہا ہے۔یا دلالوں کو فروخت کر دیا جارہا ہے۔

جب ایسے واقعات مسلم معاشرہ میں ہوتے ہیں تو شرم آتی ہے کہ اللہ جل جلالہ،اور رسول ﷺ کا نام لیوا مسلمان دینی علم نہ ہونے کی وجہ سے کسی طرح اپنی دنیا وآخرت بگاڑ لے رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مسلمانوں کو اپنی بیٹی کی پیدا ہونے پر خوش ہونے اور اسکی صحیح پرورش کر کے جنت کا مستحق ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

محمد یوسف شمیمؔ مرحوم۔بی۔اے،نیلور(اے۔پی)

تم ہو حبیبؐ خدا تم ہو رسول انام
تم ہزاروں درود اور ہزاروں سلام

ساقیِ کوثرؐ کا جب فیض ہے رِندوں پہ عام
کوئی ہو کیا تشنہ لب کوئی ہو کیا تشنہ کام

نامِ محمدؐ سے ہے دل کا سکون و قرار
ہے یہی وردِ زباں روزوشب وصبح وشام

مظہر نورِ خدا کون و مکاں کی ضِیا
آپؐ ہیں مہر منیر، آپؐ ہیں ماہِ تمام

ساقیؐ بطحا کی ہو جس پہ نگاہ کرم
اُس کی شرابِ وِلا اُس کا سبو اس کا جام

جس کو ملی رہبری شاہِؐ ہُدا آپؐ کی
ہے وہ خدا آشنا اَرفع و اَعلیٰ مقام

ہے یہ شمیمؔ حزیں طالبِ اَمن و اَماں
اِس کو عطا کیجئے منزل دارُالسلام

پیش کش:**محمد باقر حسین و محمد سجاد حسین** نبائر،محمد یوسف شمیمؔ صاحب مرحوم

☆☆☆☆☆☆☆☆

پیاس

شیدارومانیؔ رائچور

آنسو تمام پی گئی ابن علیؓ کی پیاس
پیغامِ حق سُناگئی سبطِ نبیؐ کی پیاس

اُس کے لہو سے گلشن حق میں ہے تازگی
خود کو مٹاکے جس نے بُجھائی خودی کی پیاس

اصغرؓ کے ہونٹ تر ہوئے اپنے ہی خون سے
دریا کو بھی رُلاگئی معصوم جی کی پیاس

دل کا لہو جلاؤ چراغِ حسینؓ میں
گم ہونہ تیرگی میں کہیں روشنی کی پیاس

پانی کا ایک قطرہ بھی جس کو نہیں ملا
سیراب کررہی ہے جہاں کو اسی کی پیاس

اللہ تو رحیم ہے، رحمان ہے مگر
کس دل سے دیکھتارہا سبطِ نبیؐ کی پیاس

اُس پیکر خلوص پہ صدقے ہماری جان
کوفے میں کھینچ لائی جسے دوستی کی پیاس

دنیا میں ایسے ظالم کی ملتی نہیں مثال
انسان کے لہو سے بجھی آدمی کی پیاس

شیداؔ تمام عمر لکھوں مدحت حسینؓ
پھر بھی نہ بُجھ سکے گی مری شاعری کی پیاس

پیش کش:سید بلال باشاہ شطاری،بنگلور

نعت شریف

سید تحسین یمنی

نظر آئے ہمیں چہرہ تمہارا یا رسولؐ اللہ
تڑپتا ہے دلِ مضطر ہمارا یا رسولؐ اللہ

بھٹکتا پھر رہاہوں مارا مارا یا رسولؐ اللہ
چھپا لو اپنی کملی میں خدارا یا رسولؐ اللہ

میں آؤں سر کے بل گر ہو اشارہ یا رسولؐ اللہ
یہاں پر ہوگیا مشکل گذارا یا رسولؐ اللہ

بڑا افسوس ہوتا ہے جو سوچوں اپنی قسمت پر
نہیں دیکھا مدینہ میں تمہارا یا رسولؐ اللہ

زمانہ رشک کرتا ہے ہمیشہ انکی قسمت پر
جو کرتے ہیں مدینے میں گذارا یا رسولؐ اللہ

زمانے کے مصائب سے ابھر پاؤں گا پل بھر میں
ملے گر دستِ اطہر کا سہارا یا رسولؐ اللہ

نکالو بحر عصیاں سے کسی دن اپنے تحسینؔ کو
دکھادو اس کو نیکی کا کنارہ یا رسولؐ اللہ

پیش کش: **سید شاہ عثمان قادری**

☆☆☆☆☆☆☆☆

نعت پاک ﷺ

سید سراج الدین منیرؔ حیدرآبادی

''گھر گھر سجی ہے بزم غلامانِ مصطفیٰ''

عالم نشان عظمت واحسان مصطفیٰ
آدم ظہور رحمت و فیضان مصطفیٰ

توصیف کیا کرے کوئی شایانِ مصطفیٰ
خود ربِّ مصطفیٰ ہے ثنا خوانِ مصطفیٰ

مدحت میں مصطفیٰ کی رقیب خدا ہوں میں
عاشق ہیں دونوں، دونوں ثنا خوانِ مصطفیٰ

فیضان مصطفیٰ سے سماعت اگر کھلے
اللہ کی زباں سے سنو شانِ مصطفیٰ

سایہ تو کائنات کی ہر شئے پہ ہے منیرؔ
دامانِ مصطفیٰ میں ہیں خاصانِ مصطفیٰ

پیش کش
سید علی احمد قادری کلیم

نعت شریف

مولوی سید محمد حنیف غازیؔ لطفی

جس سمت اٹھ گئے ہیں میرے مصطفیٰ کے ہاتھ
بگڑی بنادئے ہیں یہ شانِ خدا کے ہاتھ

محروم بارگاہِ خدا سے نہ ہم ہوئے
جب بھی وسیلہ ان کو بنایا اٹھا کے ہاتھ

دیوڑھی پہ صبح و شام مریضوں کی ہے قطار
کس کس کو دے رہے ہیں شفا، وہ لگا کے ہاتھ

دے کر بھی خوب دیتے ہیں سب کو خوشی خوشی
چابی چھپے خزانوں کی ہے مصطفیٰ کے ہاتھ

یہ کنکریوں سے کبھی اپنی گواہی لے
ٹکڑے بھی کیا چاند کو انگلی دکھا کے ہاتھ

ہے ان کے ذکرِ پاک کا اعجاز بزم میں
خوشبو کا سلسلہ ہے ارم سے ہوا کے ہاتھ

کرتے ہیں پیش اپنے غلاموں کے بھی درود
آقا کی بارگاہ میں پل پل صبا کے ہاتھ

مہمان بن کے عرش پہ پہنچے شبِ اسریٰ
اعزاز کس نے پایا ہے ایسا خدا کے ہاتھ

اجرت پہ ڈول پانی کے ہیں کھینچتے کبھی
خندق کو بھی بناتے ہیں پتھر اُٹھا کے ہاتھ

اللہ کی رضا میں لگے ہیں تمام رات
امت کے حق میں رو بھی رہے ہیں دعا کے ہاتھ

ہجرت کی سب ہے خاک میں گم ہوشِ دشمناں
پھینکی تو آپ نے تھی مگر تھے خدا کے ہاتھ

خوش ہورہے ہیں دیکھا حلیمہ نے ماجرا
انگلی کے اشارہ پہ قمر کو نچا کے ہاتھ

مقتل پہ دشمنوں کے نشاں خود لگادئے
لائے بدر میں پھر وہیں ان کو گھما کے ہاتھ

امت پہ ہے احسانِ جگر گوشۂ بتولؓ
حق کا علم بلند ہوا کربلا کے ہاتھ

یہ بوجھ ضعیفوں کا اٹھاتے ہیں بے غرض
غم خوار بیکسوں کے ہیں صلی علیٰ کے ہاتھ

دامن تلک نہ پہنچیں گے ان کے یہ بے طلب
دیوانوں سے آقا کے ہیں ڈرتے قضا کے ہاتھ

عشقِ نبی تمام مصائب کا اک علاج
ہیں عاشقوں کے ساتھ شہِ دوسرا کے ہاتھ

غازیؔ کی اتنی عرض ہے آقا سے حشر میں
اک بار سر پہ پھیر دیں لطف و عطا کے ہاتھ

نظم بر وفات حسرت آیات

محترمہ بی پاشا صاحبہ مرحومہ
زوجۂ ڈاکٹر سید عثمان پاشا قادری،
ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان، ویلور
وفات ۲۹ جولائی ۲۰۱۱ چہلم ۴ ستمبر ۲۰۱۱

علیم صبا نویدی

جان حضرت مکاں ہوئیں رخصت
زیست ہے گویا بلبلہ صورت

تخت اور تاج کی ضرورت کیا
دِن خوشی راج کی ضرورت کیا
چھن گئی جب سکون کی دولت

آج ہر سو حکومتیں غم کی
ہوگئیں دل سے نسبتیں غم کی
کتنی مجروح ہوگئی چاہت

لمحہ لمحہ اُداس محفل کا
کون جانے ہے حال دل دل کا
اب کسی چیز سے نہیں رغبت

خون روتے ہیں گھر کے سب بچّے
روز و شب بھی نہیں ہیں اب اچھے
آب دیدہ ہوی ہے ہر حسرت

دونوں لڑکوں کا نور جاتا رہا
روٹھ کر کیوں سرور جاتارہا
کھوگئی گھر کی شان اور شوکت

لڑکیوں کے اُداس چہروں پر
غم کے خاموش رنیگتے منظر
زخم بھردے گا کون؟ کیا صورت

دروشاید نہاں ہے عثماں کا
کیا کوئی مہرباں ہے عثماں کا
پوچھتی ہے مکان کی قسمت

عمر سے کب وفا کی ہے اُمید
بزرگوں سے دعا کی ہے اُمید
رحمتوں سے بھرے گی اب تربت

جانِ حضرت مکاں کو جنت میں
گھر میسر، سدا ہو رحمت میں
ہے دعاؤں کی بزم میں دولت

مصطفائی نظر ہو تربت پر
خوشبوئے نور سے جسد ہو تر
اور سدا ہو حضورؐ سے نسبت

پیش کش :جمیل احمد شریف یم اے، حضرت مکان ویلور

نظم بیادِ شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادریؒ

بموقعہ سالانہ فاتحہ 29 اپریل 2012ء

اثر خامہ علیم صبؔا نویدی

ہر طرف حضرت مکاں نور آفریں
علم و دیں یہ جہاں نور آفریں

یادِ باقر کی مہک سے دیکھئے
رحمتیں ہیں گل فشاں نور آفریں

یادِ قربی کا سفر ہے بزم میں
برکتوں کا ہے سماں نور آفریں

نورِ حق ویلور کی باہوں میں ہے
اور ہے حضرت مکاں نور آفریں

حضرت باقر کا فیضانِ کرم
ہیں مکان کے پاسباں نور آفریں

قاضؔی، انوؔار و بکؔر، عثماؔن، بشیؔر
مسکنِ دانشوراں نور آفریں

گوشے گوشے میں مکاں کے دیکھئے
ہرطرف دلکش سماں نور آفریں

یہ ہے فیضِ شاہِ دیں، شاہِ اممؐ
قدسیوں کا سائباں نور آفریں

قربؔی و ذوقؔی و محوؔی کی دعا
ہے صبؔا کی بھی زباں نور آفریں

پیش کش

مولوی جمیل احمد شریف لطیفی، یم اے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ

علمی دینی اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف ویلور



دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبِ ویلور